UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226649

UNIVERSAL
LIBRARY

TEXT FLY WITHIN
THE BOOK ONLY

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور پسندیدہ نصیحت کے ساتھ بلا۔

نصیحت فرجام نامہ پیام

الملقب بہ

موعظۂ حسنہ

سنہ ۱۹۱۹ء

یعنی

مجموعہ مکتوبات جناب شمس العلماء مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب مرحوم ایل ایل ڈی ڈی او ایل سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ اف ریونیو حیدر آباد دکن سرکار عالی نظام

جس کو

مولوی سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز مرحوم پروفیسر اورنگ آباد کالج و ڈائرکٹر تعلیمات ریاست بھوپال نے حسب اجازت مولوی بشیر الدین احمد صاحب مرتب فرمایا

چوتھی بار

سنہ ۱۳۳۷ھ

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

مولوی نذیر احمد کی [illegible] ہے کہ ادھر نہیں ادھر چھپیں ادھر چھپیں ادھر بکیں [illegible] خطوط کے پہلے اڈیشن میں کتابت کی غلطیاں خطوں کی بے ترتیبی اور [illegible] نقص رہ گئے اس دوسرے اڈیشن کے وقت میں نے دل پر ٹھان لیا تھا کہ [illegible] ہو تو ہو مگر جیسی کتاب کیا عبارت کیا مضامین کے اعتبار سے عمدہ ہے اور جیسی لوگ اسکی قدر کرتے ہیں اُسی مناسبت سے ترتیب اور تکمیل اور کتابت اور تصحیح اور چھاپہ بھی عمدہ ہوں میرے نزدیک یہ دوسرا اڈیشن حجم میں ہر طرح کی بہتری میں پہلے سے اگر ڈیوڑھا نہیں تو سوایا ہونے میں کچھ شک بھی نہیں ۔ پس جو لوگ پہلا اڈیشن لے چکے ہیں وہ اس کے ایسے ہی محتاج جیسے نئے خریدار الحمد للہ اس میں میری منظوم تقریظ ملاکر تین تو تقریظیں ہیں انڈکس ہے حواشی ہیں اور خود مصنف کے بہت سے خطوط ہیں جو عند التہیہ للطبع الثانی بہم پہنچائے گئے ۔ اس کتاب کے جمع کرنے سے جو غرض تھی اب اس اڈیشن سے حاصل ہوتی ہے تاما کملاً

العبد سید محمد عبد الغفور شہباز

ط چھاپہ - طبع ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظات

موعظۂ حسنہ کا ریویو

جناب مولوی سید محمد خاں صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ عظیم آباد کے قلم آزاد رقم سے
بالفعل جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب بہادر مصنف مشہور دہلی کی ایک نہایت مفید
بکار آمد۔ اور عمدہ کتاب میری نظر سے گزری ہے وہ دلچسپ مجموعہ مکتوبات ہے کہ جسکو مولوی سید
عبد الغفور صاحب شہباز نے اپنے خاص اہتمام سے مرتب فرماکر مطبع قومی پریس میں چھپوایا ہے اور جس کا
اشتہار آج کل بعض بعض اردو اخباروں میں نظر افروز ہے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب
کو اردو کی انشا پردازی کی دنیا میں ایک مصنف ہونیکی حیثیت سے ایسی غیر معمولی بجا۔ اور
رشک انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ جسکی نظیر ان دنوں مشکل سے ملیگی اور محض انکا نام نامی کتاب
کے مقبول خاص و عام ہونے کے لیے کافی ضمانت ہے اس پر اس کتاب کو ایک ایسے ذہین
قابل۔ اور شوخ طبع نوجوان نے مرتب کیا ہے کہ اسکی متانت رائے صفائی خیالات اور قدرت
تحریری سے بھی بہت سے قابل لوگ اکثر مشہور مقامات اور تہذیب یافتہ حلقوں
میں واقف ہیں اور اسکی شرکت ایک ایسے فرخندہ فرجام کام میں اسکی عمدگی کی عمدہ سرسری
دلیل ہے گو مجھے اس غور اور توجہ سے اس کتاب کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی کہ جس کی
یہ مستحق ہے اور نہ میری یہ غرض کہ میں اس کا کوئی جامع اور حاوی ریویو لکھوں لیکن بہرکیف جس قدر
موقع کہ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا ملا ہے اور اسمیں میری جو سرسری رائے کہ اس کی نسبت
قائم ہوئی ہے اسکو آزادانہ قلمبند کر دینا مناسب جانتا ہوں۔

اس کتاب میں وہ نصیحت آمیز اور جواہر ریز مکتوبات ہیں کہ جو مصنف مرآۃ العروس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کے زمان طالب العلمی میں بہ نظر اسکی تعلیم اور تہذیب اخلاق کے لکھے ہیں اور جنمیں حکیمانہ اصول سے اُسکے خیالات کی بلندی و پستی اور اُس کی غلطیوں کو نہایت دردمندانہ اور پر اثر عبارۃ میں بتایا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ انکو ایسے رقعات کے لکھنے کی ضرورۃ تھی اور شاید اُنسے بہتر اس کام کے لیئے بہت کم لوگ تھے۔ اولاً اس قسم کی کتاب اردو زبان میں بہت کم بلکہ نایاب ہے۔ اور ثانیاً بعض قابل اور مشہور زبان دانوں اور تجربہ کار شاعروں کے مکتوبات جو جمع کیئے گئے ہیں اُنکی بہ خیال شستگی عبارۃ و شیرینی و صفائی زبان جو کچھ مدحت کیجائے مگر اُن کے سارے مطالب و مضامین کبھی اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی تہذیب یافتہ عتبہ سے انکو دیکھ سکے یا نوجوانوں کو اُن کے پڑھنے کی اجازت دے سکے ہاں اگر اُن سے کوئی ویسے تہذیب سوز مضامین نکال ڈالے تو البتہ اُن کے منتخب حصے عام کے لیئے مفید اور ملک کے فن ادب کی ترقی کے لیئے معین ہو سکتے ہیں اور میرے نزدیک اس انتخاب کی بہت اشد ضرورت ہے کیونکہ فرط عام پسندی سے لوگ بعض ایسی کتابوں کو نہایت شوق سے دیکھتے ہیں۔ موعظہ حسنہ میں کیسے دردمندانہ۔ آزادانہ۔ اور حکیمانہ پیرایہ میں ایک نوجوان کو مختلف امور ضروری کی تعلیم کیگئی ہے۔ اور اسکی ہمت کو کس خوبی سے ترقی کے زینہ پر چڑھایا گیا ہے۔ اور اس کے پست حوصلے اور کام چور دل کو کس شائستہ عنوان سے جھنجھوڑا اور ملامۃ کی دہکتی آنچ سے بڑھایا گیا ہے ان مکتوبات میں معلومات کا ایک بڑا خزانہ اور لڑکوں کے مرغ خیال کے لیئے بہت کچھ تازہ۔ مزہ دار۔ اور شاداب آب و دانہ ہے۔ عبارۃ کی قوۃ و لطافۃ۔ بندش کی چستی۔ محاورات کی خوبی۔ زبان کی پاکیزگی مضامین کی متانۃ جا بجا اور ضروری ظرافتہ کی شوخی۔ نصائح کی دل پذیری اور تسلسل و آزادی خیالات میں یہ مکتوبات میری رائے میں اس قسم کی کتابوں میں بے مثل ہیں۔ خداوند کریم مسلمان ماں باپوں کو اپنے بیٹوں سے اس انداز سے نامہ و پیام کرنیکی لیاقت اور حوصلہ دے۔ بہت کم تربیت یافتہ اور قابل لوگوں کا خیال ہندوستانیوں میں ایسے امور کی طرف متوجہ ہے۔ عمدہ کالج میں لڑکوں کا داخل کر دینا۔ عمدہ ماسٹر یا مولوی کا گھر میں نوکر رکھ دینا اپنے لڑکوں کی تعلیم کے

لیئے اعلیٰ درجہ کا سامان سمجھتے ہیں حالانکہ ہر باپ کا سب سے بڑا کام یہ ہے
کہ اپنی اولاد تعلیم میں اپنے قلم اور زبان اور اپنے کردار و گفتار کی نظر سے ہمیشہ دے
اپنے خیالات ناقص کی اصلاح میں ہمیشہ مشغول رہے اگر ہمارے ملک کے تربیت یافتہ لوگ
جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے ان مکتوبات سے ایک یادگار اور مشفقہ سبق لیں تو بجا ہے
کیونکہ یہ مکتوبات انکو دکھا اور بتا دینگے کہ تربیت یافتہ باپ کا فقط منی آرڈر بھیجنا یا اپنے لڑکے کو صرف
زر کثیر بے امتیازی سے ولایت روانہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ باپ اپنی اولاد کی اصلاح خیالات
و عقائد و خصائل کا بہت بڑا جواب وہ معلم اور اتالیق ہے اور وہ اپنی اس خدمت سے کبھی پہلو تہی
نہیں کرسکتا۔ باوجود کثرۃ مشاغل اور اپنی تصانیف بلند و مشکل کے صاحب موعظۂ حسنہ
کو اسکی فرصت ملتی تھی کہ اپنے پیارے بیٹے کو ایسے مراسلات بھیجا کرتے کیونکہ انکو اپنی یہ
جواب دہی اور اپنے کلام کی قوۃ تاثیر بخوبی معلوم تھی۔ یہ کتاب لڑکیوں اور بوڑھوں دونوں
کے پڑھنے لائق ہے اور سوائے فائدے کے اس سے کسی طرح کے ضرر کا گمان نہیں
ہے۔ یہ مکتوبات گو ایک خاص لڑکے کے لیئے لکھے گئے تھے۔ مگر خدا جانے کتنے ہزار نوجوان
ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور کتنوں کے یہ کام آئیں گے۔ اس قسم کی چیزوں کی ہم مسلمانوں
میں بہت بڑی ضرورۃ ہے اور ضرور ہے کہ جس قابل آدمی کے مکتوبات اور سوانح عمری
میسر آئیں انکو اہتمام سے جمع کرکے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے یہ وہ کتاب ہے
کہ ہر سردار خاندان کا واجبی کام ہے کہ ایسے لڑکے کو جو اس کو پڑھ کر سمجھنے کی استعداد
رکھتا ہے اسکی ایک جلد لیکر دے اور اسکے پڑھنے کی نسبت اسکو تاکید کرے۔ میں اُس
زمانے کے دیکھنے سے بہت خوش ہوں گا جب کہ یہ کتاب مدرسوں اور اسکولوں میں
نصاب میں داخل کی جائے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طلبہ کو چند در چند نفع حاصل ہوگا ؛

مقام باقی پور۔ مہندرو

فقط ۔ تحریر ماہ اگست ۱۸۸۷ء

جناب مولوی نذیر احمد صاحب خاں بہادر کی کتاب موعظۂ حسنہ کا ریویو جناب شمس العلما مولوی
محمد حسین صاحب آزاد کے کلک مرصع سلک سے ۔

موعظہ حسنہ

اس کتاب کو جو ابھی چھپ کر مشتہر ہوئی ہے میں نے دیکھا ہندوستان کے خاندانوں اور ان کے نوجوانوں کی سقیم حالت دیکھکر ایسی تصنیفات پھیلانا جزو مصلحت ہے اس لیئے قلم آزاد پر واجب ہوا کہ اپنا فرض ادا کرے -

یہ ایک فاضل سن رسیدہ مصنف کے خط ہیں جس نے کارہائے زمانہ کو ہر حال میں دیکھا اور سمجھ کر دیکھا - برتا اور سمجھکر برتا ان میں عبارت آرائی یا ترتیب انشاء کے لیئے فرضی مطالب کو فقروں میں نہیں ڈھالا - اصلی خط ہیں کہ پیارے باپ نے پیارے فرزند کو سچی ضرورتوں اور واقعی مواقع پر بے تکلف عبارت میں کھلے دل سے تحریر کیئے ہیں جو کہ وقت بوقت اور روز بروز حالت عنفوان میں ہر شریف خاندانی کو پیش آتے ہیں - اس واسطے نوخیز جوانوں کے لیئے نسخہ ہے تقویت دماغ - پرورش عقل - اور ورزش فکر کا ۔

فاضل مصنف عالم تجربہ کا طبیب اور زمانے کا عمدہ نبض شناس ہے - دیکھتا ہوں کہ جسطرح نوزاد بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں وہ اپنے نوفہم ناز پروردہ کو ساتھ فکری میں چلنا سکھا رہا ہے اُس میں قدم قدم پر کہیں روکتا ہے مگر عقلمندی کے ساتھ - کہیں بڑھاتا ہے مگر ذوق و شوق بڑھا کر کہیں ہٹاتا ہے مگر خوش نما مصلحت دکھا کر اور پھر کہیں معلوم ہوتا کہ کوئی عامل مجھ سے میری خواہش یا حالت موجودہ کے مخالف عمل دلا رہا ہے - یہ ہدایتیں بابت تعلیم طریق تعلیم سلسلہ تعلیم انضباط اوقات اور کہیں کہیں مسائل علمی پر بھی مشتمل ہیں اکثر اعمال الطلباء اخلاقی پر ہیں اکثر تدبیر المنزل یعنی گھر والوں کیلئے گھر کے کاروبار میں انتظام اور اصلاحیں ہیں انھیں معمولی ... دلیلیں لکھکر ثابت نہیں کیا فقط طرز بیان اور انداز ادا دلوں سے تسلیم اور قبول حاصل کریگا - ط

نوجوان لڑکے یا بصیرت طلب انسان کو راہ زندگی میں بہت نشیب و فراز پیش آتے ہیں اور سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا کرے - کہیں پھسلتا ہے اور کہیں ٹھوکر کھاتا ہے - یہ مجموعہ اُسے مواقع مذکورہ سے ہاتھ پکڑ کر نکال لے جائے گا - اللہ اللہ ایک دن وہ تھا کہ آزاد بہ مقتضائے سن خود ایسے رہنما کا محتاج تھا آج سب منزلیں طے ہو گئیں لیکن پھر بھی رہنما کا محتاج ہے -

دریں تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمے خوانم
نہ دانم کے سبق آموز خواہم شد بہ دیوانش

دیگر

پڑھتا ہوں ایک مطلع و مقطع میں حسب حال
دیکھے تماشے میں نے جو ملک وجود کے

ایک دن وہ تھا کہ ٹوٹے تھے دانت دودھ کے
پھر یہ ہوا گزرنے لگی کھیل کود کے

اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

مقام لاہور
تحریر ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ء

راقم
بندہ آزاد محمد حسین

تقریظ نظم از قلم نیاز رقم جامع این اوراق

ہو جو تصنیف تو ایسی ہو کہ اک دہوم ہے آج
ہے ہر لوح پہ شہرۃ کا چمکتا ہوا تاج

نہیں یہ لوح فصاحت کا ہے چینی ارژنگ
نہیں یہ لوح بلاغت کا ہے رومی دیباج

کیوں نہ ہو اُس کے یہ خط ہیں جیسے فرہنگ فرنگ
کیوں نہ ہو اس کے یہ خط ہیں جیسے ہے ملک کی لاج

اُس کے خط ہیں جیسے معلوم علوم اور فنون
اُس کے خط ہیں جیسے محفوظ رسوم اور رواج

اُس کے خط ہیں جیسے مشرق میں ہے مغرب کی سمجھ
اُس کے خط ہیں جیسے دہلی میں ہے لندن کا مزاج

اُس کے خط ہیں جو ہے امراض باغی کا طبیب
اُس کے خط ہیں جیسے معلوم ہے خاطر کا علاج

اُس کے خط ہیں جیسے ہے کشور شہرۃ میں عروج
اُس کے خط ہیں جیسے ہے عالم تصنیف میں راج

اُس کے خط ہیں جو ہے اقلیم معانی کا امیر
اُس کے خط ہیں جیسے دیتا ہے سخن باج و خراج

اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جسکے سخن کے خواہاں
اُس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے قلم کے محتاج

اُس کے ہیں خط ہے زباں جس کی بلاغۃ معجز
اُس کے ہیں خط ہے جیسے عقل کی حاصل معراج

اُس کے خط ہیں جیسے تالیف ہے خرما و ثواب
اُس کے خط ہیں جیسے تصنیف ہے الہٰیۃ و دکاج

اُس کے ہیں خط کہ جو ہے بہر ذکی دودہ میں کھانڈ
اُس کے ہیں خط کہ جو ہے بہر غبی کوڑہ میں کھاج

اُس کے خط ہیں ہے اثر جسکو کبوتر کی جگہ
وہ کبوتر ہے فصاحۃ جیسے شہپر کی جگہ

ہیں یہ خط اُس کے بھلے کو جو ہے پروردہ ناز
باپ کا لخت جگر نور نظر عمر دراز

دانش آموز تھا جب مدرسۂ دہلی میں
جب کہ بہکاتی تھی ناتجربہ کاری اُس کو
بارتی تھی کبھی ہمت جو طبیعت اس کی
کبھی انداز سے پڑتا تھا قدم گر باہر
جھکتا اسفل کی طرف تھا جو کبھی مرغ نظر
ساحل علم پہ ہوتی تھی اگر تشنہ لبی
کبھی شوق اُسکا بڑھا دیتا تھا ذوق تسویر
کبھی تھی باغ مضامیں میں اُسے نزہتہ خاطر
کبھی لندن میں وہ کرتا تھا خیالی گلگشت
کبھی آزادی سے اوبان پہ وہ تیا تھا وہ رائے
کبھی تدبیر میں دنیا کی وہ ہوتا مصروف

شفقۃ تھی اسے کہتی یہ خط روح نواز
تجربہ بڑھ کے بتاتا تھا نشیب اور فراز
کرتی تنبیہ تھی دروازۂ ناکامی باز
ادب آتا تھا بتانے اُسے حُسن انداز
عرش اعلی کی سجھاتا تھا خرد کا شہباز
گھول کر خضر پلا جاتے تھے ایک دفتر راز
کبھی ذوق اُس کو بنا دیتا تھا انشا پرداز
کبھی تھی بیت معانی میں اسے سیر حجاز
کبھی دہلی میں وہ کرتا تھا خیال شیراز
کبھی دین داری سے مسجد میں وہ پڑھتا تھا نماز
کبھی تفہیم کو عقبیٰ کی وہ کرتا آغاز

الغرض اُسمیں بدولت انھی مکتوبوں کی
آگئیں آن میں ساری صفتیں خوبوں کی

جانتے ہیں اسے جو لوگ کہ ہیں بہر شناس
اس کی تعلیم ہے تعلیم اتالیق شفیق
اس کے پڑھ لکھنے سے جاتی ہی نہیں علم کی بھوک
یہ بڑھائے تو ہمیشہ رہے بڑھتا ہوا دل
یہ ہو نزدیک تو کچھ دور نہیں عمر کی قدر
ہے کبھی آجر کی تحریض تلقین شکیب
اس سے عادات کی اصلاح ہے بے عدد شمار
اس سے نادان میں حکیموں کی ہے پیدا خوبو
یہ وہ ہے نخل عسل ریز ہے نا چیز درخت
نہیں حکمتہ پہ یہ ہی موجب تصحیح نظر

نہیں مکتوب یہ ہے دفتر تعلیم اساس
اسکی تادیب ادب اموزیوں میں فرسٹ کلاس
اُسکے سن لینے سے بجھتی ہی نہیں علم کی پیاس
یہ بندھائے تو ہمیشہ رہے بندھتی ہوئی آس
پاس یہ ہو تو بس آسان ہے اوقات کا پاس
کبھی تشویق زیادہ سے ہے تعلیم سپاس
اس سے اخلاق کی تہذیب ہے بیحد و قیاس
اس سے انسان میں فرشتوں کی ہے ظاہر بو باس
یہ وہ آہو ہے کہ ہو مشک فشاں سوکھی گھاس
نہیں منطق پہ یہ ہے باعث اصلاح قیاس

جب کیا ہی کبھی تلخی نصیحت نے ترش
گھول دی ہو وہیں شوخی عبارت نے مٹھاس

اسکی جتنی ہی فضیحت وہ ہو مصری کی ڈلی
اسکی جتنی ہو نصیحت وہ ہے شربت کا گلاس

پند ہو لیکن بھرے آپس میں قند تقریر ہیں
لطف ہیں پند ہیں لقمان کے نسخے کے ہیں

ہی یہی نامہ و پیغام نصیحت فرجام
ہی یہی موعظۂ سود و تحسین[۱] اتمام

ضبط خوبی سے اسی میں ہیں اصول ترغیب
شوق افزائی میں بڑھا ہوا اسی کو ابرام

کہیں بد شوقوں سے ہے یاد دلاتی ہے سبق
بد زبانوں کے کبھی منہ میں یہ دیتی ہے لگام

سنگ بردوں سے مثالی ہے کہیں یہ لکنت
لالی آب زر سے کہیں ہے یہ شفا کا پیغام

کہیں کھلتی ہے گھڑی بن کے یہ حفظ اوقات
بن کے عینک یہ دکھاتی ہے کہیں چرخ کا بام

کہیں گفتار کی تلقین میں ہے بلبل باغ
کہیں رفتار کی تعلیم میں ہے کبک خرام

کبھی ہے مسئلۂ صرف میں یہ ہانیفیک[۲]
کبھی ہے شرح مسائل میں یہ توضیح[۳] مرام

کبھی شوق انگریزی میں یہ حیلۂ رزق
کبھی ہے عسکر تاری میں شعار[۴] اسلام

آئے جب ذکر حد[۵] علم سر[۶] آئزک نیوٹن
لائیں جب اگلے زمانے کے صحف ابن[۷] سلام

۱ تحسین سے اشارہ ہے حسنہ کی طرف جو موعظہ حسنہ کے نام دختر دوم ہے حسنہ اس تحسین موعظہ کے ساتھ بے تکلف موزوں نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے گویا دختر کی طرف اشارہ ہے جسکا بعض مکتوبات میں ذکر ہے۔

۲ ہانیفیک فی الصرف زبان اردو میں فن صرف کی ایک کتاب ہے صاحب موعظہ سے تمام مسائل ضروریہ صرف عربی کو حاوی اور نہایت عام فہم اور خوش نظم

۳ توضیح المرام مولوی علی احمد صاحب برادر صاحب موعظہ کی کتاب ہے جسمیں تمام اُن مسائل نحو کو جو شرح ملا جامی میں نہایت مغلق اور دشوار پسند طور پر مذکور ہیں نہایت ہی سلیس و عام فہم طور پر کمال فصاحت کے زبان اردو میں بیان کیا ہے

۴ جنگ اور سفر میں کسی قوم کی شناخت اور علامت وردی پر دول۔ ما بہ الامتیاز

۵ یہاں حد یا یا و تعریف منطقی دونوں معنوں میں منطبق ہو

۶ انگلستان کے ایک مشہور نیچرل حکیم کا نام ہے جس نے مرتے وقت فراوانی علم کی نسبت یوں بیان کیا کہ ہر چند میں نے عمر دراز پائی اور بہت کچھ اوقات تحصیل علم و حکمت میں گنوائی لیکن پھر بھی دریائے ناپیدا کنار علم تک نہ پہنچ سکا اور لب کنارے ہی پر کچھ خوش رنگ سنگ ریزے چنا گیا

۷ عبداللہ بن سلام سے عبارت ہے جو مدینہ میں یہود کے بڑے عالم تھے اور مشرف باسلام ہوئے ۔ ق ۔ ک ۔

ہی بیاہوں کے لیئے یہ کہیں شادی کا نباہ — بن بیاہوں کیلئے وہ کہیں شادی کا پیام
کبھی تقدیر سے دیتی ہی یہ تدبیر کو زک — کبھی تدبیر سے لیتی ہی یہ تقدیر کا کام
اس کو فرصت میں بھی ہی ہر لمحہ خیال اشغال — اس محنت میں بھی ہر لحظہ لحاظ آرام
حرکت میں ہی سکوں گہ یہ سکوں میں حرکت — گہ سکوں میں ہو سکوں گہ حرکت میں برکت

مقام باقی پور - مہندرو - فکر یاد ستمبر ۱۸۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچۂ الموعظہ

جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سے میری ذاتی شناسائی مطلق نہیں مگر جس تفصیل سے میں اُن کو جانتا ہوں اُن کے دوست آشنا تو خیر اُن کے قریب کے رشتہ دار بھی اتنا جانتے ہوں گے۔ لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا[۱]۔ اس کا سبب یہ ہی مجھ کو اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيْهِ[۲] چھوٹے سکیل کے مولوی نذیر احمد یعنی اُن کے فرزند یگانہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے ساتھ اس درجہ کی مخالطت رہی ہی کہ ہم دونوں ایک روح دو قالب تھے اور اب اتفاق سے مخالطت نہیں ہی تو متصل و متواتر مراسلت ہی ایسی کہ اَلْمَکْتُوْبُ نِصْفُ الْمُلَاقَاة[۳] کے حساب اب بھی ہم دونوں کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں نے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے تمام مصنفات کو بالاستیعاب دیکھا ہی نہ ایک دفعہ بلکہ بار بار ع ہِيَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ[۴] عجب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات علی الخصوص اب سر ولیم میور صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی مغربی جیسی قدر دان گورنمنٹ نے منظور کرکے اُن کو ہزار ہا روپئے انعام کے دیئے ہوں۔ جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات اس درجہ مقبول خلائق ہوں کہ دار میں آنے پاتا اور ادھر شن

---

[۱] اگر حجاب اٹھا دیا جائے جب بھی یقین میں کچھ افزائش نہ ہو یعنی یقین مرتبہ کمال کو پہنچ گیا ہو۔ یہ قول ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کمال عرفان [۲] بیٹا اپنے باپ کا بھید ہی۔ یعنی مظہر صفات باطنی [۳] پیمانہ خط و کتابت آدھی ملاقات کے حکم میں ہی۔ [۴] شے اول سے آخر تک سراپا۔ سب کا سب [۵] یہ تصنیف مشک ہیں جتنا رگڑو اس کی خوشبو ہوتی جائے۔

نکلتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ بعض کتابوں کی قریب قریب لاکھ جلدیں چھپ چکی ہیں جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات بھاکا مرہٹی۔ گجراتی بنگالی کشمیری اور سب سے بڑھکر انگریزی میں ترجمہ ہوگئے ہوں اور جب کہ اُن کی ایک کتاب توبۃ النصوح داخل امتحان سول[1] سروس ہو گئی ہو فخراً یعنی جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی اعلیٰ لیاقت اور ہائیر کی تحریر اور راستی خیالات پر جم غفیر نے اجماع کرلیا ہو تو میں اپنی رائے کا اظہار کرنا تحصیل حاصل ایک طرح کی شوخی سمجھتا ہوں ممالکِ شمالی مغربی پنجاب۔ بہار بنگالہ تو ایک اعتبار سے زبان اردو کا وطن ہے۔ ان ملکوں میں جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات کی جتنی قدر ہو تھوڑی حیدرآباد دکن میں۔ جہاں فارسی دفتر تھا جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات کا وہ زور و شور رہا کہ اُن کے روزنامچے اور روبکار اور کیفیتیں اور رپورٹیں اور فیصلے اور تجویزیں مجامع میں اس طرح پڑھی جاتی تھیں جیسے مشاعروں میں غزل۔ سارے دکن میں ایک نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم خود مردمی مجسم اور مردم شناس تھے۔ اُن کا یہ حال تھا کہ جناب مولوی مہدی علی صاحب کے نام جو خطوط جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے جاتے بالالتزام اُن کو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے اور حسن تحریر کی داد دیتے جب حضور نظام کی مسند نشینی کو ڈیڑھ یا دو برس باقی رہے تو گورنمنٹ[2] آف انڈیا نے چاہا کہ رئیس کو انتظام ملک سے آشنا کیا جائے وزیر اور رزیڈنٹ نے مل کر یہ تجویز کی کہ انتظام مملکت پر کچھ رسالے لکھوا کر حضور کو ملاحظہ کرائے جائیں جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے سوائے ایسے رسالے اور کون لکھتا۔ کما بیش دس رسالے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب نے لکھے ایک دن کا مذکور ہے کہ نواب سر سالار جنگ بہادر میز پر تھے اور آنریبل[3] مسٹر سید محمود اور چند اکابر اور بھی شریک تھے کہ ایک رسالہ پہنچا۔ نواب سر سالار جنگ بہادر سے صبر نہ ہو سکا اور عین تناول طعام میں رسالے کو دیکھنا شروع کیا اور حاضرین کو سنانا

چھاپا یا ہے۔ [1] ولایت کا ایک امتحان جس سے گورنمنٹ ہند کی تمام اعلیٰ خدمات استحقاق حاصل ہوتا ہے ۵۲ اور یہ نائنس کو کافی ہے [2] حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند بہ اجلاس کونسل [3] خطاب عزۃ جو ہائی کورٹ کے ججوں اور کونسل کے ممبروں کو حاصل رہتا ہے۔

اور آخر کار یہ فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں اگر رشک ہوا ہی تو مولوی نذیر احمد کے دماغ پر۔ پس نذیر احمد خاں صاحب کے سارٹیفکٹوں[۱] کا پشتارہ جس میں کئی لفٹنٹ گورنروں کی چھٹیاں بھی ہیں ایک طرف اور ہند کے بسمارک[۲] نواب سر سالار جنگ بہادر کا اتنا فرمانا ایک طرف نیز نواب سر سالار جنگ بہادر کو تو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے دماغ پر رشک تھا مجھ کو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات سے عشق ہی۔ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی کتابیں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی پارسی۔ ہر قوم اور ملّت کے لوگوں نے پڑھی ہوں گی مگر یہ میرا ہی حصہ تھا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والد کے خطوط مجھ کو دکھایا کرتے اور میں اُن کو نقل کر لیتا خطوط میں اکثر خانگی حالات تھے اور بہت میں مباحث علمی جو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سبقاً سبقاً لکھ لکھ کر بھیجتے تھے۔ حذف و اسقاط ضروری کے بعد جو کچھ بچا وہ یہ کتاب ہی جو پیش کش ناظرین کیجاتی ہی اس کے چھپوانے سے لوگوں کو یہ دکھلانا منظور ہی کہ ایک لائق باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح پر تعلیم و تربیۃ کرتا ہی۔ شیفتگی[۳] تو اس درجہ کا ہی کہ سوتے جاگتے سفر میں حضر[۴] میں۔ فرصت میں اشتغال میں ہر حال میں بیٹے کا تصور نصب العین ہی گویا دنیا عبارۃ ہی اسی ایک وجود سے مگر تعلیم میں بھی اس بلا کا اہتمام ہی کہ علم ایک لقمہ ہو تو کہلا دیں یا تعویذ ہو تو گھول پلا دیں۔ میں ناظرین کتاب کو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کا نمونہ دکھلا کر اوّلاً نفس تعلیم اور ثانیاً اُس خاص طرح کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کا زمانہ حال مقتضی ہی۔ مقصد اصلی تو یہ ہی اور اگر کوئی طرز تحریر اور طریقہ ادائے مطلب سے استفادہ کرے تو ر دکھن[۵] ہی۔

نمبر ۱۳ تالتلا بازار اسٹریٹ۔ کلکتہ
تاریخ غرۂ جنوری ۱۸۹۰ء روز شنبہ

محمد عبد الغفور شہباز بہاری

---

۱ اسناد ۲ وزیر جرمنی جسکا تدبیر سیاست میں تمام یورپ لوہا مانتا ہی ۳ شیفتگی ۴ ضد سفر یعنی حالۃ اقامۃ ۵ مد نظر آنکھوں کے سامنے ۵ سودے والوں کا دستور ہوتا ہی کہ خریدار کے خوش کرنے کے لیے تھوڑا سودا اوپر سے مفت دے دیا کرتے ہیں اُس کو ردکھن کہتے ہیں۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

خط ۱

نورچشم مدّ عمرہ[1] و آتاہ اللہ نصیبًا وافرًا وحظًا متکاثرًا من العلوم الجدیدۃ المفیدہ[2]۔

خدا کا شکر ہے کہ میں بدھ کے دن ۵ - جنوری کو مغرب سے پہلے اپنے مقام پر پہونچ گیا جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ تم وہیں رہ گئے تو عملے اور نوکر اور پیادے اور مذکوری سب کے سب افسردہ خاطر ہوئے تم سے لوگ بہت مانوس تھے اور تمہارے ساتھ نہ رہنے سے لشکر[3] سونا[4] معلوم ہوتا ہے۔ جب غیروں کا یہ حال ہو تو میرے دل کی کیفیت کا خدا کو علم ہے۔ میں نے ہناچار مجبور ہو کر تم کو جدا کیا ہے۔ اسواسطے کہ وقت[5] نکلا جاتا تھا اور تمہاری انگریزی بدون مدرسے کے درست نہیں ہو سکتی تھی۔ خداوندکریم تمہارا حافظ اور نگہبان ہے۔

بشیر۔ خدا کے لیئے اب پورا پورا شوق کرو۔ دو تین برس کی محنت ہے بڑا مرحلہ انٹرنس[6] کا ہے اگر تم اسمیں کامیاب ہوئے تو یہ کامیابی اگلے امتحانوں میں تمہاری مددگار ہوگی۔

---

[1] اس کی عمر دراز ہو اور خدا اس کو مفید نئے علوم سے ایک بہت بڑا حصہ عنایت فرمائے ضمیر غائب سے مخاطب مراد۔

[2] علوم جدیدہ سے ریاضی کے تمام شعبے ہندسہ جر ثقیل انجینرنگ اور علم کیمیا اور علم فلاحت اور علم طبیعات اور طبقات الارض علم مناظرہ اور علم الغات اور علم متقناطیس اور علم قوۃ برقی وغیرہ مراد ہیں جو یورپ میں پورے طور پر پڑھائے جاتے ہیں اور یورپ کی تمام ترقی اور تہذیب اور خوشحالی اور ہنرمندی اور صناعی اور ایجاد حتی السلطنت ان ہی علوم کی وجہ سے ان کو جدید اس سے کہا جاتا ہے کہ بعض شعبے ڈیڑھ دو سو برس کے اندر اندر ابتداءً اہل یورپ نے دریافت کیئے یا دریافت نہیں ہوئے تو ان میں اس قدر ترقی کی اور وہ ہو ہی نہ گویا علوم جدیدہ ہیں۔ خط ۹۵ میں بھی علوم جدیدہ سے بحث کیگئی ہے جنکو خدا نے معاش کی سلیم دی ہے وہ علوم جدیدہ کے ایسے قدر شناس ہیں کہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے اکلوتے بیٹے کیلئے خدا سے ان کے حصول کی دعا کرتے ہیں میں کہتا ہوں آمین اور خدا دوسرے مسلمان کو بھی ایسی توفیق دے تاکہ مسلمانوں سے نکبتِ افلاس دور ہو[3] مولوی نذیر احمد خاں ہمیشہ بیٹے کو ساتھ رکھتے تھے اور خود پڑھاتے تھے اب بدھ کے دن کی چھٹی میں دورے پر سے بیٹے کو لیجا کر دہلی کے مدرسے میں داخل کر آئے۔

[3] جو لوگ حاکم کے ساتھ دورے میں ہوں ان کے نوکر چاکر حشم خدم اہل متعلقات سب کے مجموعہ کو لشکر سے تعبیر کیا جاتا ہے [4] اداس[5] یعنی تحصیل علم کا وقت[6] بڑی بھاری منزل[6] انٹرنس یعنی داخلے کا امتحان جسکے یہ معنی ہیں کہ آدمی یہ امتحان دیکر زمرۂ طلبگاران علم میں داخل ہوتا ہے نہ گروہ علماء میں

علم تو سب طرح کے ہیں اور طالب علم کو لازم ہے کہ سب کی طرف برابر توجہ کرے لیکن سب پر مقدم ادب[1] ہے جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں یعنی زبان دانی۔ کمال زباندانی یہ ہے۔ کہ تم کو اہل زبان کی سی قدرۃ حاصل ہو۔ اُس کی تدبیر یہ ہے کہ زباندانوں کی عبارتیں یاد ہوں جس طرح سے خیال اور مضمون کو جس پیرائے میں اہل زبان نے ادا کیا ہے اُس کی تقلید[2] اور اس کی نقل کرنی چاہیئے غرض زباندانی کے لیئے یادداشت شرط ہے۔ محاورات اور امثال[3] و حکایات اور لغت اور صلوں کا استعمال جن کو تم پریپوزیشن[4] کہتے ہو سب پیش نظر رہیں جس تحقیق سے تم مجھ سے عربی پڑھتے تھے کہ ہر ہر لفظ کا مادہ اور ماخذ[5] اور صیغہ[6] اور ترکیب[7] کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی تھی یہی تحقیق فارسی اور انگریزی کل زبانوں میں ہے جب کسی کتاب کا سبق لیکر بیٹھو خود لفظ لفظ پر نظر کرتے جاؤ جب اس انضباط سے دو چار کتابیں نکلیں اچھی خاصی استعداد ہو جائے گی زمان طالب العلمی میں ادب عربی کے متعلق مجھ کو دیوان متنبی سبعہ معلقہ تاریخ یمینی کے اکثر حصے اور مقامات حریری کے متعدد مقامے اور دیوان حماسہ کے بیشتر مقامات اور قران کی بہت سورتیں یاد تھیں خلاصہ یہ ہے کہ ہر زبان اہل زبان کی بولی سند ہے جس کو جتنا یاد اسی قدر علم ادب میں اُس کی استعداد سوائے زباندانی دوسرا کوئی علم نہیں جس میں آدمی ساری عمر مشغول رہے اسی سبب سے ادب کی بڑی قدر ہے۔ اگر ادب اچھا ہے۔ تو ممتحن دوسرے علوم کی خامی سے بھی درگزر کرتے ہیں پچھلے سال ہائی کورٹ[8] کے امتحان میں ایک بنگالی اول رہا اگرچہ اس کے قانونی جواب سنا ہے کہ بہت عمدہ نہ تھے مگر وہ تقریراً تحریراً انگریزی کا بڑا ادیب تھا ؎

زباندانی کی استعداد بے شک کتابوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی مگر اہل زبان سے گفت و گو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اسی واسطے میں نے تمکو مدرسے میں چھوڑا ہے۔ جہاں تک ہو سکے بری بھلی غلط صحیح۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی چاہیئے۔ تمہاری جماعۃ

---

[1] ادب کی وجہ تسمیہ یہ کہ اداب مجلس میں ادب اعظم گویائی ہے [2] پے روی [3] کہاوتیں [4] حروف روابط [5] جہاں سے کوئی لفظ نکلا ہو جیسے مصدر [6] یہ صرف [7] یہ نحو سے متعلق [8] عدالۃ عالیہ جن سے اونچی ہندوستان میں کوئی عدالۃ نہیں۔

ہیں شاید اکثر کو انگریزی بولنے کی مہارت نہ ہو تو تم اونچی کلاس کے لڑکوں سے تعارف پیدا
کرو اور ہر روز تین چار گھنٹے انگریزی میں بات چیت کرو تاکہ جھجک اور رکاوٹ دور ہو تمہارے
ماسٹر ہندوستانی یا انگریز جو ہوں اُن سے اردو میں ایک لفظ مت کہو۔ لیسن صاحب کی میم
سے تجدید تعارف کرو غرض جو ذریعہ انگریزی گفت و گو کا ہو حاصل کرو انگریزی بول چال کے
اعتبار سے اول یورپین لیڈی پھر یورپین جنٹلمین۔ پھر یوریشین لیڈی۔ پھر یوریشین جنٹلمین۔ پھر سب سے
آخر میں آخور کی بھرتی ایرے غیرے پنچ کلیان بنگالی بابو اور تمام انگریزی دان نیٹو۔ بشیر انگریزی
گفت گو کی ضرورت اس درجہ کی ہے کہ میں اُس کے ظاہر کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا تم سمجھو
کہ تمہارے کالج میں داخل ہونے سے مقصود اصلی یہی ہے اور بس۔ اگر تم کو انگریزی میں گفت و گو
اور اُس کا بے تکلف لکھنا آجائے تو تم گھر بیٹھ کر ایم۔ اے تک کا امتحان دے سکتے ہو

انگریزی مسودہ ہر روز لکھنا چاہیے مجھ کو ہمیشہ انگریزی میں خط لکھو اور چونکہ راز کی بات نہیں
ہوتی کسی ماسٹر یا کسی اونچی کلاس کے لڑکے یا کسی متعارف سے اُس کو درست کرا لیا کرو ایک
کتاب انگریزی کمپوزیشن کی بناؤ جس میں اپنا کمپوزیشن تاریخ وار لکھ کر اُس میں سرخی سے اصلاح
لے لیا کرو اور اصلاح کو بہ نظر غور دیکھ کر یاد رکھو کہ پھر ویسی غلطی نہ ہو۔

---

[1] جامعہ [2] اُستاد [3] لیسن صاحب ۱۸۵۷ء کے غدر میں علاقہ پرمٹ کے عہدہ دار تھے غالباً اسسٹنٹ سرول ان کی میم غدر
سے چند روز پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے دہلی آئیں اور گھر گئیں مولوی نذیر احمد صاحب اور ان کے سسرال کے لوگوں نے ان میم صاحب
کو بے سابقہ معرفت اپنے گھر میں پناہ دی اور عین شورش غدر میں انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا سرکار نے اس خیر خواہی کی بڑی تحسین و
قدردانی کی تو مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کو لکھتے ہیں کہ ان میم صاحب کے ساتھ تمہاری اگلی جان پہچان ہے اب اس کو تازہ کر لو تاکہ تم کو انگریزی
بولنے کا موقع ملے مسٹر لیسن اور ان کی میم دونوں میاں بی بی ہنوز زندہ ہیں [4] ولایت زا میم [5] ولایت زا صاحب [6]
[7] ہندوستان زا میم [8] ہندوستان زا صاحب [9] مال روی [9] انکے ڈھنگ جیسے زبان
فارسی میں فلاں بہماں [10] اصل میں وہ گھوڑا جس کے چاروں ہاتھ پاؤں اور ماتھا سفید ہو اس کو عربی میں اغر
محجل کہتے ہیں یہاں مراد ہر قسم کے لوگ جن میں کسی طرح کی تحقیق نہیں جیسے پنچ کلیاں گھوڑے میں سفیدی کے لیے
کسی عضو کی تخصیص نہیں کہ ہاتھ ماتھا سبھی جگہ سفیدی موجود ہے [11] ہندوستانی دیسی [12] اعلیٰ درجے کا مدرسہ جس میں
ایم۔ اے۔ بی۔ اے کے درجوں تک پڑھائی ہوتی ہے۔ [13] تسوید مسودہ عبارت نویسی۔

میں نے سنا ہے کہ جو تمہارے مدرسے میں . . . ماسٹر ہیں اور انگریزی کے بڑے ادیب ہیں۔ اُن سے تعارف پیدا کرو۔ ادب[1] اور انکسار کافی ذریعہ لوگوں سے تعارف پیدا کرنے کا ہے۔ اگرچہ تم ابھی اجنبی ہو لیکن جب لوگ دیکھیں گے کہ تم پڑھنے کا شوق رکھتے ہو امتحان تمہارے اچھے ہوتے ہیں اور اُستادوں کا ادب تم کو ملحوظ رہتا ہے کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں اور نالائق لڑکوں سے الگ تھلگ رہتے ہو تو ماسٹر لوگ خود بخود تم پر مہربانی کرنے لگیں گے۔

تم کو شروع سے آخیر تک کوئی سکنڈ لینگویج اختیار کرنی پڑیگی یعنی انگریزی کے علاوہ دوسری زبان عربی یا سنسکرت یا فارسی سو فارسی کلاسکل[2] نہیں ہے۔ چاروناچار عربی لینی ہوگی اور تم کو عربی میں استادرک ہے اگر تھوڑی سی توجہ جاری رکھو تو کافی ہے ورنہ چند روز میں جو کچھ پڑھا ہے سب جاتا رہیگا۔ عربی ہمارا شعار[3] قومی ہے میرے نزدیک ہر مسلمان پر عربی سیکھنا فرض ہے اگر تمہاری کلاس میں فارسی کورس[4] ہے وہ بھی کام کی چیز ہے کیونکہ تم فارسی مطلق نہیں جانتے اُس کو بھی پڑھو لیکن عربی سے غفلت مت کرو بڑی عمدہ چیز ہے اور اُس کا پڑھنا بہت ہی نافع ہے فارسی کورس کو بھی بہ نظر تحقیق پڑھنا چاہیئے ہر ہر لفظ میں بال کی کھال نکال لیا کرو۔ مادہ اور صیغہ اور ترکیب اور معنی اور مطلب۔

---

[1] یہاں ادب سے اپنے سے بڑے کی تعظیم مراد ہے [2] اعلیٰ درجہ کی زبان [3] شعار اصل میں وہ کپڑا جو بدن سے لگا لپٹا رہتا ہے مراد وہ چیز جو کسی قوم کے ساتھ خاص ہو جیسے لباس انگریزی انگریزوں کے ساتھ یا لال پھندنے دار ٹوپی ترکوں کے ساتھ [4] نصاب [5] مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو ابتدا سے عربی شروع کرادی تھی۔ پس اس سے ایک بڑی عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہے کہ لوگ ابتدا کی پہلے فارسی پڑھاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بدون فارسی کے عربی نہیں آسکتی ہمارے ملک میں پہلے فارسی سیکھنا صرف اس سبب سے ہوتا رہا ہے کہ صرف و نحو عربی کی ابتدائی کتابیں زبان فارسی میں ہیں مولوی نذیر احمد صاحب نے صرف و نحو عربی کو اردو کیا اور بیٹے کو اردو پڑھا کر ایک دم سے عربی پر لگا دیا اگر عموماً مسلمان تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کریں تو نہایت مفید ہو کیونکہ فارسی زبان کا سیکھنا اب چنداں ضروری نہیں رہا اور عربی کلاسکل ہونے کے علاوہ مذہباً مسلمانوں کو سیکھنی ضرور ہے پس فارسی دانی کے انتظار میں بچوں کو عربی سے محروم رکھنا کچھ درست نہیں۔

روز کا کام روز کرنا ضرور ہے۔ جو سبق پڑھا اچھی طرح اس کو سمجھ کر قابو میں کر لیا۔ غافل لڑکے سبق جمع کرتے جاتے ہیں اور امتحان کے زمانے میں انبار مصیبت ہو جاتا ہے ایک نقشہ اس طرح کا بنالو اور اس کو خوش خط لکھکر اپنی میز کے سامنے لگا دو اس سے تمکو معلوم رہیگا کہ کس وقت کیا کرنا ہے۔

دن کا کام	پہلا گھنٹہ	دوسرا گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ
شنبہ	عربی	اقلیدس	فارسی
یکشنبہ	جبر و مقابلہ	حساب	ادب انگریزی

مدرسے کے خالی گھنٹے اور فرصت کے اوقات انگریزی گفت و گو میں صرف کرو۔ تفریح کی تفریح اور فائدے کا فائدہ اسی طرح اپنے باہر کے اوقات منضبط کرلو کہ فلاں وقت یہ کام کرینگے اور جب اپنے کل اوقات منضبط کر چکو مجھکو بھی اطلاع دو اس انتظام میں اس کا بڑا خیال رکھو طبیعت پر اتنا بوجھ نہ پڑنے پائے کہ گھبرا جائے جب خوش دلی ہے سب کام اچھا ہوتا ہے بے دلی پیدا ہوئی اور کام بگڑا۔

. . . کے ذریعے سے . . . ملو۔ یہ . . . کے ہیں اور ایف۔ اے کا امتحان دے چکے ہیں اُن سے ملنا تمکو ضرور فائدہ دے گا۔ اسی طرح تعارف بڑھاتے جاؤ لیکن عمدہ لوگوں سے ایک بد وضعی تمام لیاقت اور تمام آپ رد کو ضائع کرتی ہے۔ عادہ کا اختیار کرنا آسان ہے مگر اختیار کرنے کے بعد چھوڑنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے۔

اپنی حالہ ظاہری کو اپنی وقعة کے مطابق رکھو میرا روپیہ جہانتک تمہاری آسائش جائز میں صرف ہو ان شاء اللہ مجھ کو دریغ نہیں اگر تم کو نام و نمود کا آدمی کرے تو میرا روپیہ اچھے نیک[1] لگا مجھ کو ایسے خرچ[2] میں ہمیشہ خوشی ہے تم اپنی والدہ سے بے تکلف خرچ لو اُن کے پاس نہو تو مجھ سے مانگنے میں بھی تامل مت کرو۔

[1] یعنی اچھے کام میں خرچ ہوا۔

[2] گو حقیقت میں یہ لفظ جیم عربی سے ہے مقابل دخل لیکن فارسی اور اردو کے روز مرے میں جیم فارسی سے مروج ہے یہی زیادہ فصیح ہے۔

تمہاری سب چیزیں ایک جاکر کے پرسوں یا اترسوں ان شاءاللہ بکسٹر بھیجوں گا اور کوشش کروں گا کہ تمکو اسباب جلد ملے۔ بشیر۔ کتابیں تمہارے پاس بہت ہیں مگر سب رکھنے کو ہیں اگر ان کتابوں پر نظر محققانہ ہو تو آدمی عالم ہو جائے اب للہ توجہ کرو اور مجھ کو ناامیدی کی مصیبت میں مت ڈالو۔ اوقلیدس کے دعوے یاد کر چلو رفتہ رفتہ خیال پر چڑھ جائیگا کہ فلاں مقالے کی فلاں شکل کا کیا دعوے ہے۔ دوسرا مقالہ اگر تم چھوڑ دوگے بھول جاوے گا۔ اور اب اوقلیدس کو بمدد کتاب سمجھنا چاہیے جب دو مقالے اس طور پر سمجھ لوگے اتنی استعداد ہو جائیگی کہ باقی کتاب خود نکال لوگے اوقلیدس کے نئے دعوے بہت ضرور رہیں ہمیشہ امتحان میں کوئی نہ کوئی نیا دعوی ضرور ہوتا ہے۔

اس کو پیش نظر رکھو کہ تم کو اسی سال دوسری کلاس میں ترقی کرکے جانا ہے۔ اور امتحان سالانہ وہیں دینا ہے پس وہاں کا کورس ابھی سے رفتہ رفتہ اپنے بس میں لانا چاہیئے تم مجھ سے دفعتاً فوقتاً ہر بات اور ہر مسئلہ پوچھتے رہو۔ جہاں تک ممکن ہوگا میں یہیں سے تمکو سمجھا دوںگا۔

بشیر۔ اگر تم علی گڈہ جاتے تو تم کو شاید بڑی وحشت ہوتی لیکن اگر معلوم ہو کہ تم دہلی میں فائدہ علمی حاصل نہیں کرسکتے تو پھر دیکھا جائیگا اب تمکو اپنا انتظام خود کرنا پڑیگا اس کو سمجھ لو کہ لوگوں پر ہمارے حقوق کچھ نہیں اور ایسے نفوس قدسی جو دوسروں کو بے وجہ منفعت پہنچائیں کم ہیں پس اگر کوئی بے اعتنائی کرے تو افسردہ خاطر نہ ہونا چاہیئے خوش آمد اور ملنساری سے اپنا کام نکالنا ہوگا تمہارے پاس گرامر ہے اس کو یاد کر چلو غرض وقت سے جہانتک ممکن ہے۔ فائدہ اٹھاؤ اپنے حالات جزو کل سے ہمیشہ مطلع رکھو والدعا

۵ جنوری ۱۸۷۷ء مقام تحصیل نگرا۔

لے ضلع غازی پور میں ریل کا مشہور اسٹیشن ہے گھوڑوں کی خرید فروخت کا بڑا بھاری میلہ لگتا ہے ۲ مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اپنے والد کے بہت خطوط ہیں جن میں علمی مباحث ہیں یہ تمام خطوط بڑی قدر کی چیز ہیں مگر چونکہ ہر شخص ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا میں نے ایسے خطوط سب نکال ڈالے صرف نمونہ کے طور پر آسان آسان خط رہنے دیئے ۳ قواعد زبان یعنی صرف ونحو۔

خط ۲

جس وقت سے میں آیا تھا تمہارا اسباب جمع کرنیکی فکر میں تھا چنانچہ اس وقت اسباب صندوق میں بند کرکے اوپر سے ٹاٹ مڑھکر بکسر روانہ کرتا ہوں وہاں سے ریل پر روانہ ہو جائیگا۔ اس ایک صندوق میں اتنی کتابیں ہیں کہ اگر آدمی نظر تحقیق سے ان پر عبور[1] حاصل کرلے تو عالم ہو جائے مگر رکھ چھوڑے کو تو کتاب اور پتھر برابر ہے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا[2]

ع چارپائے بروکتابے چند۔

مقدم جماعۃ کی پڑھائی ہے اُس کے یاد کرنے سے جو وقت بچے اُس میں دوسرا کام کرنا چاہیے اسقدر بوجھ اپنے اوپر مت بڑھاؤ کہ جماعۃ میں برے رہو کیوں کہ ہم سبقوں میں پیچھے رہنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے بڑا انتظام اس کا ہے کہ کسی طرح انگریزی بول چال اور عبارۃ انگریزی کے لکھنے میں یعنی انگریزی کمپوزیشن میں ترقی ہو سو امید ہے کہ اس کے لیے تم نے تدبیر مناسب کرلی ہوگی اگر وقت کو انتظام سے صرف کرو اور معمول باندھکر ہر کام وقت پر کرتے رہو تو بافراغۃ جماعۃ کی پڑھائی بھی بخوبی یاد کرلوگے اور پھر بھی اتنا وقت بچے گا کہ اُس میں انگریزی کو بڑھاؤ۔ عربی پڑھو اور اونچی کلاس میں جانے کا حوصلہ کرو لیتھبرج[3] کی شرح یعنی کی[4] میرے نزدیک فائدہ مند چیز ہے۔ خرید کرلینا بشرطیکہ ہر سبق کی شرح دیکھو اور سمجھو میں تمکو عام اجازت دیتا ہوں کہ تحصیل علم و استعداد کے لیے صرف زر میں مطلق تامل مت کرو میں اُس خرچ کو خوشی سے ادا کروں گا صفائی سے رہو مگر زینۃ[5] جو تمہید بدوضعی و آوارگی ہے خبردار مت اختیار کرو شاید تمکو چنے کی ضرورۃ پڑے اس واسطے کہ کالج کی

---

[1] لفظی معنی اترنا مراد یہ ہے کہ نظر تحقیق سے دیکھے [2] جیسے گدھے کا حال جس پر کتابیں لدی ہوں [3] لیتھبرج صاحب کا مجموعہ منتخبات [4] کی کے لغوی معنی ہیں کنجی۔ مجازاً شرح معلقات کو کہتے ہیں [5] مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو بڑی عمدہ نصیحۃ کی ہے اور جو لوگ تربیۃ اولاد کے ذمہ دار ہیں اُن کو اس پر خاص توجہ کرنی چاہیے مولوی نذیر احمد صاحب زینۃ کو تمہید بدوضعی و آوارگی ٹھیراتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے جس لڑکے کو بنانے سنوارنے کا شوق ہو اس کے حالات کے تفتیش کرنے کی ضرورۃ نہیں مطلق زینۃ اُسکی بدوضعی کا ثبوت کافی ہے۔ وضع دار شریف لڑکوں کو بال نہیں رکھنے دیتے اور اُن کے لباس میں بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ خود بینی کا محرک نہ ہو۔

وردی کا عمامہ چغہ پر تو جاڑے اور گرمی کے بنوا لینا مگر ڈھیلے عربی جبے میں پہنتا ہوں اس گئی گزرے وقت میں بھی دہلی میں سب کچھ ہے۔ خدا شوق اور مطلب صادق دے یہ ایک مشہور بات ہے کہ آدمی جس شہر میں رہے وہاں کے طبیب اور کوتوال سے دوستی پیدا کرے۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھو ۹ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء مطابق عید الضحی مقام تحصیل سکندر پور۔

خط ۳۳

نور چشما مد عمرہ[1] و رزقہ اللہ شوقاً کاملا لتحصیل العلوم

خدا کا شکر ہے میں اچھا ہوں۔ وہی وحشت تنہائی وہی دل پراگندگی۔ تمہاری چٹھی ریڈ صاحب پاس پہنچی میں نے دیکھی نہیں مگر صاحب سے سُنی صاحب نے پھر میری بدلی کی رپورٹ کی ہے۔ مجھ سے پوچھا تھا کہ تجھ کو کیا منظور ہے میں نے جواب دیا بندوبست سے ملول[2] ہے۔ اضلاع شرقی سے متنفر۔ خزانے سے ہارے[3]۔ صاحب نے دو برس کی رخصت لی اُن کی بہن مارچ میں جائینگی اور وہ خود جولائی یا اگست میں۔ غالب ہے کہ اس سے پہلے میری بدلی ہو جائیگی جہاں کہیں فی علم اللہ[4] میرے حق میں اصلح[5] ہو خداوند تعالیٰ اس کے اسباب مہیا کرے میں نے علیگڈھ کا تذکرہ کیا ہے۔ زاں بعد آگرہ کا بدلی کی وجہ سے صاحب نے مجھ سے کہا کہ رخصت کا لینا ملتوی رکھو اگر علیگڈھ مثلاً جانا ہو تو رخصت کی خواہش عبث ہے۔ تم نے صرف نحو فارسی میں پڑھا کہ زبان فارسی میں فرق نہیں تو گذارش نہیں گذارش چاہیئے نئی مناجاۃ تو ادھر کوئی کہی نہیں وہی ایک پرانی مناجاۃ ہے جس کی نقل تمہارے پاس بھی ہے اُسی کو پورا کر دیا ہے اور وہ اب یوں ہے۔

اشعار مناجاۃ

یہ تمنا ہے رب اکرم سے	غسل میت ہو میرا زمزم[6] سے

[1] اس کی عمر دراز ہو اور خدا اس کو تحصیل علم کے لئے پورا شوق روزی کرے ضمیر غائب مراد مخاطب [2] اکتایا ہوا [3] گریزاں [4] بہ دانست خدا [5] زیادہ مصلحت مفید تر [6] مکہ معظمہ کا مشہور کنواں جس کا پانی حاجی لوگ بطور تبرک زمزمیوں میں بھر کر لاتے ہیں۔

تبھی ٹھنڈک ہو میرے سینے میں — خاک ہو جاؤں میں مدینے میں
جا کے ہم سایۂ رسول خدائے — زندگی ہو میری جو موت آجائے
اور کچھ چارہ گناہ نہیں — آپ کے در سوا پناہ نہیں
آپ سے گر نہ التجا لاؤں — پھر کدھر جاؤں اور کہاں جاؤں
یہی ماوی ہے اور یہی مامن — میرے دو ہاتھ آپ کا دامن
کون پرساں ہے مجھ سے ناکس کا — کس کو طوفاں میں پاس ہے خس کا
اور جس بھی خسیس ناقابل — بے ہنر ہیچ کارہ لاطائل
عار آبائے اولیں ہوں میں — داغ پیشانی زمیں ہوں میں
کیا کروں ایسے قلب فاسد کو — کون لیگا متاع کاسد کو
دل ہے یا معصیت کا پشتارہ — ایک پونجی ہے وہ بھی ناکارہ
گر تری مہر کی نظر ہو جائے — یہ خزف روکش گہر ہو جائے
تم اگر چشم لطف وا کر دو — مس کو چاہو تو کیمیا کر دو
حق نے بخشی ہے تم کو وہ تاثیر — خاک چھو جائے تم سے ہو اکسیر
آہن تیرہ وہ جلا پا جائے — آفتاب اُس کے سامنے شرمائے
تم بچا لو عذاب آتش سے — سخت عاجز ہوں نفس سرکش سے
بد بلا ہے یہ نفس امارہ — اس نے مجھکو ہلاک کر مارا
یا رسول الالٰہ خذ بیدی — ما لعجزی سواک مستندی
یا من اشکلت مصیبتہ — و احاطت بہ خطیئتہ
کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا — اور چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب تلک حب جاہ و مال و منال — کب تلک پالے بہت اہل و عیال

۵ ذلیل و حقیر ۶ بے سود ۷ کھوٹی پونجی ۸ پوتھ ۹ مقابل ۱۰ جس دل سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور بدی کا محرک ہوتا ہے ۱۱ اے خدا کے نبی میری دستگیری کر کہ میری ناتوانی بیدری کے سبب کوئی تیرے سوا میرا تکیہ گاہ نہیں ۱۲ اے وہ جس کی مصیبت کٹھن ہو اور جس کو گناہ نے گھیر لیا ہو۔

میں سدا فکر میں ہوا ان سب کے — اور یہ سب اپنے اپنے مطلب کے
دین پہ رکھتا انہیں مقدم ہوں — میں ہوں یا ہیزم جہنم ہوں
ہو اسی طرح گر سیاہ تمام — اے بد آخر اے بد انجام
از برائے خدا رسول جلیل — مجھ پہ طاری ہو حالت تبتیل[۱]
رخ دل ہر طرف سے موڑوں میں — رشتہ الفت کا سب سے توڑوں میں[۲]
اپنی ہستی سے میں گزر جاؤں — یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤں[۳]
ق
تری خدمت میں شافع امت — عرض حاجت کی کچھ نہیں حاجت
قرب میں چاہتا ہوں حضرت کا — میں نہیں خواستگار جنت کا
حور و غلماں مجھے نہیں درکار — آرزو مند اُن کے ہوں ابرار
میں کہاں اور کہاں ہوس[۴] بہشت — نار کے زیبدہ ہم بہ طینت زشت
میں نے بھر پائے سارے حور و قصور — اتنا کہ دیجئے معاف قصور
تم کو سب اختیار حاصل ہے — آپ کو سہل مجھ کو مشکل ہے
ق
میں ہوں مسموم[۵] آپ ہیں تریاق[۶] — قابلیت نہ کوئی استحقاق
ہاں مگر مجھ غریب پر یا شاہ — رحم فرمائیے حسبۃً للہ[۷]
رحم کیجیے کہ آپ رحمت[۸] ہیں — آپ پشت و پناہ امت ہیں
گو بُرا ہوں بُرے سے بدتر ہوں — آپ کا اُمتی مقرر ہوں
نیک بندے بھی گل نہیں ہوتے — خار ہم دوش گل نہیں ہوتے
مجھ کو کامل وثوق ہے تم پر — تم سے حق نے کہا ہے لا تنہر[۹]

[۱] یعنی اہل و عیال کے [۲] انابۃ الی اللہ یعنی ہر طرف سے دل کا ملول ہو کر ایک خدا کی لو لگی رہنا [۳] اشارہ ہے مقام موتوا قبل ان تموتوا کی طرف [۴] آرزو [۵] زہر خوردہ [۶] زہر کا توڑ [۷] برائے خدا [۸] اشارہ ہے یہ قرآن کی طرف وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین یعنی ہم نے تمکو صرف اس غرض سے بھیجا کہ اہل جہان پر رحمت ہو [۹] آیۃ کا ٹکڑا ہے پوری آیۃ یوں ہے واما السائل فلا تنہر یعنے سوال کرنے والے کو جھڑک مت۔ یعنی سائل کی دل جوئی لازم ہے نہ زجر و توبیخ۔

رحمتِ حیلہ جو کی ہیں گھاتیں[۱]   ہم سمجھتے ہیں پھیر کی باتیں

ق
یہ بھی تھی ایک طرح کی بے صبری[۲]   ورنہ میں ہوں عقیدۂ جبری[۳]
دیجئے کچھ اختیار تھوڑا سا[۴]   کیا یہ اٹکا دیا ہے روڑا سا
جبکہ دل ہی نہیں ہے قابو کا[۵]   لگے اس اختیار کو لوکا
عقل سے کر کے میرا منہ کالا   کس مصیبت میں مجھ کو ڈال ڈالا
جانتے تھے کہ ہوں ظلوم و جہول[۶]   پھر امانت[۷] کا سونپنا معقول
پاس گنجے[۸] کے ناخن حکاک   کر لیا سر کھجا کھجا کا واک
نہ گلا ہے نہ کچھ شکایت ہے   اپنے حالات کی حکایت ہے
میں سے کہاں کو جا نکلا   توبہ توبہ یہ منہ سے کیا نکلا

ق
نفس کی یہ بھی ایک خدیعہ[۹] ہے   خارج از شیوۂ شریعت ہے
ڈھونڈھنا اپنے واسطے حیلے   دوڑنا کوئی میرے منہ کیلیے
وہ مثل ہے کہ ایک تو چوری   اور پھر اس کے ساتھ سرزوری
گرچہ بندہ ہے سخت بے چارہ   نہیں بے اعتراف[۱۰] کے چارہ
اس کے الطاف بے نہایت ہیں   ہم ہی سرکش بہ حدِ غایت ہیں
آپ کی شرع میں نے توڑی ہے   جو سزا دیجئے سو تھوڑی ہے
میری عادت ہے ناسزا کردن   شوق سے مجھ کو ماریئے گردن

۱ یعنی خدا کی رحمت جو بندوں کی بخشائش کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہیں یہ اسکی گھاتیں ہیں کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور پھر آپ ہی سے فرمایا۔ کہ سائل کو جھڑکا مت اس کے یہ معنی کہ خدا نے سب بندوں کو مغفرۃ کا امیدوار کیا ۲ یعنی میں جو اس قدر اپنی بے قراری ظاہر کی یہ ایک بے صبری کی بات تھی کیونکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور ہے اور ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہے ۳ جبری ایک فرقہ ہے جو قائل ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔ مذہب سنت و جماعت بین الجبر والقدر ہے ۴ یعنی آدمی کو پورا نہیں بلکہ تھوڑا سا اختیار دیکر یہ کیا چلتی گاڑی میں روڑا سا اٹکا دیا ہے۔ ۵ یعنی جب دل پر اختیار نہ ہو تو ایسے اختیار کو لیکر کیا آگ لگانی ہے ۶ اشارہ ہے آیۃ انا عرضنا الامانۃ کی طرف جس میں حمل امانت پر انسان کو ظلوم و جہول کا خطاب عطا ہوا ہے ۷ امانت سے مراد عقل ہے جو نیک و بد میں امتیاز کرتی ہے اور اس وجہ سے انسان مکلف ہوا ۸ یعنی گنجے کو ناخن دیئے اس نے کھجا کھجا کر سر میں گڑھے ڈال دیئے تو اس کا کیا قصور کیونکہ اس کو کھجلی نے کھجانے پر مجبور کیا ۹ فریب ۱۰ اقرار

کیا کہوں بار بار کیا کہنا | مجھ کو اعمال سے نہیں لہنا[1]
جملہ سامان یاس و غم کا ہے | صرف اک آسرا کرم کا ہے
یہ ضلالۃ ہے یا ہدایۃ ہے[2] | بے سبب تکیہ بر عنایۃ ہے
ہو نہ ہو اس طرح کی ستاری[3] | ہے تباشیر[4] صبح غفاری
صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں | زیادہ ابرام[5] سے بھی ڈرتا ہوں
مخلصی بخشئے خرابی سے | کہیں کہ دیجئے شتابی سے
ہم نے کی سب معاف بے ادبی | سبقت رحمتی[6] علی غضبی۔

خط ۴

اسی وقت تمہارا خط مقام سکندرپور[7] خاص میں پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی تمہارا دل نہیں لگتا ہوگا اور فی الواقع مدرسے کے انتظام کو کوئی شائق[8] آدمی کبھی پسند نہیں کر سکتا لیکن میں نے تم سے بار بار کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ تم مدرسے میں صرف لینے واسطے داخل ہوئے کہ انگریزی زبان میں ترقی کرو۔ اگر تم مدرسے کی پڑھائی پر بس کر دو گے تو بالکل وقت ضائع جائے گا تم باہر اپنا انتظام کر لو۔ اپنے سے بہتر ماسٹر سے ہو یا طالب العلم اُس سے مدد لو برخوردار رمنۃ[9] اور خوش آمد سے دنیا کا کام چلتا ہے اب تم کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بہت تھوڑے آدمی ہیں جن کو تم اپنا دلی خیر خواہ کہہ سکو۔ جو بے انتظامی ولی کالج میں ہے وہی اور ویسی ہی دنیا کے سب کالجوں میں ہے اور میں جانتا ہوں کہ علیگڈھ کالج بھی اس سے صاف نہیں ہو گا۔ پڑھائی کم تعطیلیں زیادہ۔ استاد نامہربان ہم سبق شیطان[10]

---

[1] یعنی اعمال سے فائدہ اٹھانا میری قسمت میں نہیں [2] یعنی ضلالۃ یا ہدایۃ ہوچکا ہے سو ہوے بے سبب مجکو عنایت پر بھروسہ ہے [3] مطلب یہ کہ اسطرح کی پردہ پوشی کہ بندے گناہ کرتے ہیں اور اُن کا پردہ فاش نہیں ہوتا خواہی نخواہی نتیجہ مغفرت کے طلوع کے آثار ہیں اور انجام کا مغفرۃ ہے [4] سپیدہ صبح۔ اول سحر [5] لگ لپیٹ تکرار [6] اس کا مقولہ آخر کا شعر ہوتا ہو[؟] میری رحمت میرے غضب پر سبقت لیگئی یہ ایک قول مشہور ہے خدا کی وسبقت الرحمتی سے بیان میں اسی کی طرف اشارہ ہے [7] ضلع اعظم گڈھ میں ایک مشہور قصبہ ہے [8] لغتہً شائق اس کو کہتے ہیں جس کا کسی کو شوق ہو لیکن مستعمل فارسی و اردو میں شوق والوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں علم کا شائق مراد ہے [9] منہ در خوشامد [10] تعطیلیں بہت کم ہوتی ہیں جلسے ہیں [؟]

تم نے مجکو ابھی تک اطلاع نہیں کہ تم نے کس سے جدید اور مفید تعارف پیدا کیا اور اپنے رات دن کے اوقات کا کیا انتظام قرار دیا۔ باہر کی تحصیل جاری کرو کہ تمہارا دل لگے ایک فن کا بیکار رہنا طالب علم کے حق میں زہر ہے پھر دل کچھ ایسا اُچاٹ ہو جاتا ہے کہ مضمون طبیعت قابو میں نہیں آتی سیر بازار اور تماشائے عجائب خانہ وغیرہ کو اپنے اوپر حرام قطعی کرو ورنہ تمکو آخر کار بہت افسوس کرنا پڑیگا میں امید کرتا ہوں کہ اس خط کے پہنچنے تک تمہارا صندوق بھی پہنچ جائیگا اور جب تمہارا سب سامان درست ہو جائیگا اور باہر کے سبق مقرر کرلو گے اور وقت بٹ جائیگا تو کوئی وجہ گھبرانے کی نہ ہوگی

میں جائز نہیں رکھتا کہ تم پرنس آف ویلز[1] کے دیکھنے کو لوگوں کے ہجوم میں گھسو ہم غریب آدمیوں کو شاہزادوں سے کیا نسبت اور ہمیشہ دیکھا ہے کہ لوگ دور سے دیکھکر اکثر کسی صاحب کو شاہزادہ فرض کر کے خوش ہو لیتے ہیں اور بالفرض اگر واقعی شاہزادے کو بھی دیکھا تو اس سے فائدہ ؟

میرا حال یہ ہے ایک لحظہ طبیعت نہیں لگتی لکھنے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا اکیلا اداس بیٹھا رہتا ہوں اور حیرت میں ہوں کہ اس طرح کی زندگی کیوں کر اور کب تک بسر ہوگی خدا کے لیئے میرے اس حال پر رحم کرو یعنی جس غرض سے میں نے اس مصیبت کو اپنے اوپر گوارا کیا ہے اس مطلب کو فوت مت کرو پڑھو اور محنت کرو اور دنیا میں نام و نمود پیدا کرو

۱۱ جنوری ۱۸۷۶ء سہ شنبہ

خط ۵

تھیکر سپنک[2] اینڈ کو کی چٹھی جو میں نے تمہارے پاس بھیج دی تھی اُس کو نکال کر دیکھو اور محاورات کو یاد رکھو۔ مجھ کو جیسی کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی آتی ہے اسی تدبیر سے آئی ہے اخبار اور چٹھی اور کتاب میں جو مضمون دیکھتا اُس کے محاورات اور طرز ادا کو خیال کر لیتا اور یہی عمدہ تدبیر زبان دانی کی ہے۔ زبان کا جاننا اس پر موقوف ہے۔ کہ اہل زبان کی تحریر و تقریر کی۔

[1] شہزادہ ولی عہد بہادر انگلستان [2] کلکتے کی تھیکر کمپنی جس کی کتابوں کی ایک عالیشان کوٹھی ہے۔ انگریزی فارسی عربی ہندی۔ بنگالی تعلیمی غیر تعلیمی سب طرح کی کتابیں رہتی ہیں۔

تعلقہ کیجائے یہی حال ہر زبان کا ہے کچھ انگریزی پر موقوف نہیں لیکن انگریزی کے واسطے یہ اس قدر سہولت ہے کہ اُس کے اہل زبان یعنی انگریز ہم کلامی کے لیے مل سکتے ہیں بخلاف عرب وعجم کے۔

تم مجکو انگریزی میں خط لکھا کرو مگر بالالتزام اُس میں کسی سے اصلاح لے کر بھیجا کرو کوئی خاص بات راز کی ہو تو اسکو البتہ عبارۃ اصلاحی سے خارج رکھو میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ عربی عبارۃ کی شرح بھی کبھی کبھی لکھ بھیجا کرو تا کہ مجھ کو معلوم ہو کہ تم کچھ کرتے ہو مجھ کو امید ہے کہ تم نے منطق کے لیے انتظام مناسب کر لیا ہوگا۔ بشیر۔ یہ بات میں تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ جس مشغلے میں تم ہو یعنی طلب علم وہ ایک بہت بڑا مشکل کام اور روز بروز یوماً فیوماً مشکل ہوتا جاتا ہے اس مشغلے میں کامیابی حاصل کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ آدمی صبر و استقلال کے ساتھ متوکلاً علی اللہ محنت[2] کا سلسلہ جاری رکھے یادداشت ایک شرط ضروری ہے .... جس سے گرامر پڑھا کر نے[3] تھے فیل[4] ہو گیا - تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی اچھی استعداد کا آدمی تھا اور کتنا محنتی اور جفاکش اور کس قدر شوق رکھتا تھا۔ جب ایسے آدمی کا یہ حال ہو تو وائے برحال اُن کے جو بے پروائی سے پڑھیں اور جو پڑھیں اسکو بھلا دیں میں نے سنا ہے کہ اُس پر ناکامی کا اسقدر سخت صدمہ ہوا کہ وہ بہت بیمار رہے۔ اُس سے ثابت ہے کہ وہ بڑا غیور ہے اور ایک مرتبہ پھر[5] شریک ہوگا۔ بشیر۔ اگر تم کو مدرسے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہو صاف کہدو۔ میں تمہارے واسطے سواری کا انتظام کر دوں بشیر قسم ہے خدا کی مجھ کو تمہاری آسائش جائز میں روپیہ خرچ کرنا ہرگز بار نہیں۔ تم مجھ پر جیسی سخت فرمائش چاہو کر دیکھو ان شاء اللہ میں اس کو فی الفور بجا لاؤں گا اس کے عوض تم میری صرف ایک فرمائش پوری کر دو وہ یہ کہ پڑھو اور لیاقت پیدا کرو خدا تم پر دین دنیا کی برکات[6] نازل کرے۔ میں تمکو بار بار لکھ چکا ہوں کہ ہر زبان کی صرف نحو بڑی ہی مفید چیز ہے اس پر زیادہ توجہ کرو حساب کی کتاب جو تم پڑھتے ہو اُسکی عبارت بھی سبقاً سبقاً

---

[1] بے فکر بروزن[2] خدا پر بھروسہ کر کے[3] امتحان میں گر گیا۔ ناکام رہا[4] غیرۃ مند[5] مجلس امتحان میں حاضر ہوگا[6] بہت زیادہ برکتیں۔

پڑھنی چاہیئے تم اعمال مشق کرتے ہو اور مطالب کتاب سے مطلق بے خبر ۱۷ فروری سنہ ۱۸۷۶ء

خط ۶

ہر انگریزی تلفظ کی تصحیح پر تمکو خود توجہ ہوگی اور اس میں شک نہیں کہ جس قدر تم نے مجھ سے پڑھا ہی وہ قابل اطمینان نہیں لیکن تم ہی نے مجھ سے یہ بھی کہا ہی - کہ تلفظ میں چنداں اختلافات نہیں نکلتے تاہم جب تک سبق ہو یا جب تک تمہارے ماسٹر گفت وگو کریں اُن کے الفاظ کو کامل غور کے ساتھ سنتے رہو اور خوب خیال رکھو کہ کس لفظ کو کیونکر ادا کیا -

انگریزی میں ایکسنٹ[1] بھی ایک بڑی ضروری چیز ہی جس کی طرف ابھی تک تم نے مطلق توجہ نہیں کی اس کے معنی ہیں زور دینا دباؤ ڈالنا مثلاً لبرٹی ایک لفظ ہی اس میں آر پر زور ہی اُسی کو پکار کر اور مخاطب کو سنا کر اور زور دیکر بولنا ہوتا ہی اسی طرح کل الفاظ مرکب میں کسی حرف پر ایکسینٹ ضرور ہوتا ہی -

مخارج حروف میں شاید چنداں دشواری نہیں - صرف - سی - ٹی - اس - آر - چار - حروف قابل لحاظ ہیں - سی جب کاف کی آواز دیتی ہی تو اُس میں ہائے ہوز کا اشمام کرتے ہیں یعنی اس طرح بولتے ہیں کہ ہ کی بو پائی جائے کنٹری[2] کو کہتے ہیں - کھنٹری لیکن وہ ہ محض خفیف ہوتی ہی اگر صاف ہ لگائی جائے تو غلط یاد رکھو کہ اور سی میں فقط اسی اشمام کا فرق ہی - کے میں ہ کا اشمام ناروا ہی ٹی کا حال اشمام ہائے ہوز میں سی کا سا ہی - ٹائم[3] کو ٹھائم بولیں گے مگر ویسی ہائے خفیف لگا کر - اس یا تو کبھی کھلی ز کی طرح بولا جاتا ہی وہ جیسے بوائز[4] اور کبھی س لیکن انگریز س کو اس طرح نکالتے ہیں کہ ش کی بو پائی جائے بلکہ وہ اِس جو ز بولا جاتا ہی وہ بھی اِس اشمام ش سے خالی نہیں ہوتا افسوس کہ اس بات کو تحریر میں ادا نہیں کر سکتا لیکن میں نے انگریزوں کو سنا ہی کہ سٹم[5] کو صاف س سے نہیں بولتے -

---

[1] شیخ عبدالرحیم دمری نے فرہنگ دبستان میں اسکو ضرب سے بتعبیر کیا ہی [2] جود وسخا [3] ملک [4] وقت [5] لڑکے [6] بعض -

بلکہ تس ملا دیتے ہیں تم بہ طور خود اس پر لحاظ کر لو آر کا عجب حال ہی۔ وہ شروع میں ڈبلیو کے قریب ہی۔ ایک مرتبہ انگریزی اخبار میں پرنس آف ویلز کی نسبت لکھا تھا کہ لفظ رائل[1] کی زبانسی وائل نکلتا ہی —— جو آر بیچ میں یا اخیر میں ہو تو صرف ایک حرکت ظاہر کیجاتی اور بس مثلاً فرسٹ[2] کو انگریز فرسٹ نہیں کہتے بلکہ پورے منہ سے فسٹ۔ ہاں اشمام ہائے ہوز میں پی اور کیو کو بھی شامل کرنا چاہیے پرنس[3] کو انگریز پھرنس کہینگے اور کوارل[4] کو کھوارل ڈی کو فصیح انگریز سختی کے ساتھ ادا نہیں کرتے بلکہ دَ کے قریب قریب رکھتے ہیں اور شاید اسمیں بھی ہائے ہوز کا اشمام کرتے ہوں اس وجہ سے دال کے قریب معلوم ہوتی ہی ٹی راج ایک عجیب حرف ہی۔ وہ دا در زکے بین بین ہی۔ وی میں جو ضغطہ ہی اُس پر لحاظ رکھو اسکو ہونٹ اور دانت کی مدد سے ادا کرتے ہیں ہندوستانی ڈبلیو اور وی میں کچھ فرق نہیں کرتے یہ فاحش غلطی ہی۔ اس کو خوب توجہ سے پڑھکر سمجھنا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے بہ ذریعہ تحریر کسی قدر فائدہ حاصل کر سکتے ہو تمہارے خطوط جنمیں علمی مطالب ہوں میں بہت خوشی سے پڑھوں گا۔

آج مجھ سے پھر کوئی تذکرہ کرتا تھا مشن[5] اسکول اعظم گڑھ سے شاید کلہم دو لڑکے امتحان انٹرنس دینے گئے تھے لٹریچر میں سب اچھے تھے اس واسطے کہ پادری صاحب نے اُس پر بڑا زور دیا تھا مگر سائنس یعنی علوم ریاضی ہندوستانی ماسٹروں کو سپرد تھے اُسی میں وغیرہ برے نکلے اور ناکام رہے اس میں شک نہیں کہ اگرچہ انسان کی طبیعة خاص فن سے زیادہ مناسبت رکھتی ہی لیکن امتحان پاس[6] کرنے کو ضروری ہی کہ جسقدر چیزیں مشروط ہین سب میں جواب شافی دیا جائے بشیر۔ تم ابھی سے ہر چیز پہ توجہ رکھو اگرچہ کوئی خاص چیز خلاف طبیعت ہو لیکن امتحان کی ضرورت سے چار و ناچار سب چیزوں کو دیکھنا چاہیئے اس واسطے کہ جب نمبر ہر سبجکٹ[7] میں ایک حد معین تک پہنچتا ہی تب آدمی پاس ہوتا ہی۔

والدعا۔ ۱۸ فروری سنہ ۱۸۷۶ء

۱ شاہانہ ۲ اول ۳ شہزادہ ۴ جھگڑا ۵ پادریوں کا مدرسہ ۶ امتحان میں کامل عیار نکلنا ۷ مضمون۔

خط ۷

تلفظ کے اعتبار سے تو تمہاری انگریزی اُسی وقت صحیح و مستند ہوتی کہ تم کو چھ برس کی عمر سے مدرسہ میں انگریزی شروع کرائی گئی ہوتی مشہور بات ہی اور ٹھیک بھی ہی۔ کہ بڑے ہو کر زبان سوٹی ہو جاتی ہی اور آسانی کے ساتھ مخارج حروف پر نہیں ٹوٹتی۔ غرض تصحیح تلفظ انگریزی متقاضی تھی کہ تم کو شروع سے مدرسے میں داخل کیا جاتا مگر وہ وقت تھا تمہارے کیرکٹر (چال چلن) کے فارمیشن بننے کا یعنی تمہارے دل میں آئندہ کے چال چلن کی بنیاد دوہری جا رہی تھی اور بچوں کی زندگی میں بھی وقت زیادہ نگرانی چاہتا ہی اور یہی ضروری نہایت ضروری چیز ہی جس سے مدارس میں بالکل غفلت کیجاتی ہی میں نے تم کو اپنے پاس رکھ کر تمہاری انگریزی کو بگڑنے دیا مگر فی زعمی[1] تمہارے کیرکٹر کو سنبھالا۔ اگر مجھ کو اپنی انگریزی پر وثوق[2] ہوتا ہی تو میں تم کو تمام عمر کسی مدرسے کی صورت تک بھی نہ دیکھنے دیتا پر کیا کروں میں انگریزی کا کلاونت[3] نہیں ہوں عطائی ہوں۔ اور بس کہ ہنوز نوعمری ہی۔ اور کیرکٹر راسخ[4] نہیں ہی تمہارے چال چلن کی طرف سے ہمیشہ خائف ہوں۔ اگر تم نے اسکو بگڑنے دیا جس کے محاذات[5] اور گھاتیں[6] مدرسے میں بہ کثرت ہیں تو یاد رکھو انگریزی سیکھنا کیا اگر خدا نہ خواستہ انگریز بھی ہو جاؤ تو دنیا میں کام بالی نہیں ہو گی نہیں ہو گی۔

خط ۸

تمہارے خط نے جو بعد الاصلاح ملفوف ہی مجھ کو سخت رنج پہونچایا۔ میں نے تم کو انگریزی کی طمع سے جدا کیا سو میں دیکھتا ہوں کہ انگریزی۔ عربی دونوں جانا چاہتی ہیں عربی تو یقیناً جا چکی۔ رہی انگریزی سو میں پاتا ہوں کہ ایسی مکروہ غلطیاں تمہاری چھٹی میں ہیں کہ تنزل استعداد اُس سے ظاہر ہی۔ تمہاری انگریزی اب ایسی ہونی چاہیئے کہ میں اس میں کوئی غلطی گرفت نہ کر سکوں اس واسطے کہ میں انگریزی داں نہیں ہوں

[1] اپنے پندار میں [2] اعتماد [3] جو لوگ علم موسیقی کو اصول کے مطابق سیکھتے ہیں کلاونت کہلاتے ہیں یعنی پکا مستند باقاعدہ راگ گانیوالے اور عطائی نقال بے ڈھنگو سنائی کو کی سے اڑائی اور الاپنے لگے [4] ٹھیرا ہوا جا ہوا مستحکم [5] محل احتمال [6] محل ظن۔

ہمکو انگریزی کا شوق نہ خدا کے فضل سے انگریزی کی ضرورۃ لیکن جب ایسی فاحش غلطیاں دیکھوں تو کیوں کر صبر کروں۔ تمہارا یہی حال رہا تو میری برسوں کی محنت دہلی میں ضائع کر دو گے میں نے تم سے بار بار کہا کہ خطوط کی اصلاح ضروری۔ کسی کو دکھا لیا کرو اور جو اصلاح دے اُس کو خیال رکھو تم نے ایسی خود رائی اختیار کی ہے کہ تمکو میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں ہوئی اگر یہی انگریزی ہے جو تم نے لکھی تو لعنۃ بر ایں ہیچ۔ میں نے صرف موٹی موٹی غلطیاں گرفت کیں۔ اگر عبارۃ کی عمدگی اور محاورات پر نظر کرتا تو ایک حرف باقی نہ رہتا۔ بے شک تمہارے ایسے خطوط سے مجھ کو اندازہ ملا کرے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ تم کو دہلی میں منطقی نہیں ملتے تو کیا اب اتنے بڑے شہر میں کوئی اتنا نہیں کہ تم کو انگریزی میں اصلاح دے دیا کرے مگر تم سمجھتے ہو کہ دہلی اعظم گڑھ ہے اور تمہارا باپ وہاں کا بھی حاکم ہے۔ اگر تمہارا یہی حال ہے تو دہلی میں رہنا تمہارے حق میں زبوں ہے۔ میں اس کالج سے باز آیا۔ بلا سے انگریزی میرے یہاں عمدہ نہیں عربی تو ہے۔ خط اصلاحی کو حسب عادۃ عجلۃ سے مت پڑھو۔ بلکہ بغور۔ غالب ہے کہ سوالات عربی کا جواب تم خوب سمجھ لوگے

۲۰۔ فروری ۱۸۷۶ء۔ تحصیل بگرا۔

سوالاتِ عربی کا جواب

(قَالَتْ مَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ مَا مَوْصُولَۃٌ اَیِ الْاَرْوَاحَ الَّتِیْ) تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ یہ حدیث کی عبارت ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ شاید صحیح بخاری شریف میں نظر پڑی۔ یعنی یہ ہیں۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں روحیں فوجیں ہیں جمع کی گئی یعنی عالم ارواح میں روحوں کے گروہ اکٹھے ہیں۔ اُن میں سے جو متعارف یکدگر ہیں یعنی جن روحوں میں اُس عالم ارواح کا تعارف ہے اور ایک دوسرے کی شناسا ہیں وہ اس دنیا میں بھی ایک دوسری سے اُنس و الفت کرتی ہیں اور جو روحیں۔

لے ایسی بیہودہ انگریزی پڑھا کی پھٹکار رعہ ایک خط تو یہ اور دوسرا خط ہم دونوں میں مولوی نذیر احمد صاحب کی تعلیم کا نمونہ موجود ہے کہ کیسی تحقیقات سے بیٹے کو پڑھاتے اور اُس کا پڑھنا چاہتے تھے حقیقۃ میں اگر اس کاوش کے ساتھ ایک کتاب بھی پوری نکل جائے کافی ہے

بیگانہ اور اجنبی اور ناشناسا ہیں وہ یہاں بھی باخود با اختلاف رکھتی ہیں اور واں بھی برابر بگاڑ رہتا ہی حاصل مطلب یہ کہ دنیا میں جو ملاپ اور بگاڑ اور موافقہ و مخالفہ ہی وہ اثر و نتیجہ ہی روحی الفت و نفرت کا فَالْمُقَصِّرُ تُرِيْدُ أَنْ تَاخُذَ مِنِّي مَرَّتَيْنِ۔ مَالْمُقصر صیغہ واحد مذکر حاضر مصدر تقصیر بمعنی کوتاہی کردن مصدر مجرّد تصور۔ یعنی تو اُس میں کمی اور کوتاہی نہیں کرتا۔ تیرا ارادہ یہ ہی کہ مجھ سے دو مرتبہ یعنی دوبارہ لے۔

ایناب جمع ناب بہ معنی دندان نشتر یعنی کچلی عربی میں دانتوں کے چار نام ہیں اوپر اور تلے کے اگلے دو دانت ثنایا۔ اس کا مفرد ثنیۃ۔ ثنایا کے پہلو میں دونوں طرف اوپر تلے کے چار رباعیات۔ پھر ان کے پہلو میں ایناب پھر اضراس جمع ضرس یعنی داڑھ حقن وَمَا قَحُنَ حُرِّأ حقن مصدر مجرد کے معنی ہیں باز داشتن خون از ریختن اور ہدر کے معنی ہیں خون ریختن پس لفظی معنی حقن وما ھدر کے یہ ہیں کہ بچایا خون کو جو بٹیا گیا تھا اور مرادی معنی یہ ہیں کہ جاتی ہوئی جان بچائی یعنی اگر وہ نہ بچاتا تو وہ جان تلف ہو جاتی اور ضائع جاتی اور خون گرایا جا چکتا۔

خط ۹

یہ چٹھی تمہاری پہلی چٹھی سے بہتر ہی۔ اس میں بھی تم نے اصلاح نہیں لی اور لکھنے کے بعد نظر ثانی بھی نہیں کی۔ اب معلوم ہوتا ہی کہ تم کچھ جملوں کے یاد کرنے پر متوجہ ہوئے پس زبان دانی کی یہی تدبیر ہی۔ تم صلوں اور روابط میں اکثر غلطی کرتے ہو۔ اردو میں کہتے ہیں میں نے اُس سے کہا عربی میں۔ قُلتُ لَہٗ۔ انگریزی میں آئی ٹولڈ ہم۔ یا۔ آئی سیڈ ٹو ہم۔ دیکھو کتنے اختلافات ہیں۔ روابط پر بہت خیال رکھو کہ کس فعل کے ساتھ ٹو[1] یا آوف یا فار یا فرام یا کیا صلہ لاتے ہیں یاد کرنے کو واقع میں نظم عمدہ چیز ہی لیکن یاد بھی ایسی کہ جب کسی لفظ پر ٹو کا جھٹ سنہ پڑھ دی۔ روابط تھوڑے ہیں مگر ورت بہت لیکن خیال سے لکھوگے تو رفتہ رفتہ ذہن پر چڑھ جائیں گے۔ گرامر تمہاری بہت خام ہی۔ چاہیے مدرسے میں تاکید ہو یا نہ ہو اُس کو درست کرو۔ ورنہ بے گرامر زبان کا آنا معلوم۔ اپنے تئیں میرے

[1] تک۔ کا۔ سے۔ لیے۔ [2] فعل۔

اور قیاس مت اکرو برخوردار من۔ میں نے اتنا بھی بیدواستادی کیا تو بہت کیا اور سو بات کی ایک بات تو حاجت ہی محکو اب کیا ضرورت ہے کہ اپنا سر خالی کروں۔ لیکن اگر آج کوئی مجھ کو یقین کرا دے کہ بی۔ اے کا درجہ حاصل کرانے سے میری تنخواہ چھ سو ہو جاے گی تو خیر اب بھی امتحان دینے کو موجود ہوں۔

دہلی میں تمہارے لکھنے کا سامان درست نہیں۔ ہندوستانی روشنائی سے انگریزی کو ٹر خانے ہو خط بگڑتا ہی۔ خوش خطی بھی عجب ہنر ہی خوا مخواہ اچھا خط دل کو بھلا لگتا ہی اگر کالج میں خط کو درست نہ کرو تو خیر بگڑنے دینا بھی عقل کی بات نہیں۔ چندے بنا کر ہاتھ روک کر لکھو پھر تو گھسیٹ بھی اچھی ہوگی۔

بشیر۔ افسوس اگر تم نے عربی نہ پڑھی۔ عجیب چیز ہی۔ نرے[1] انگریزی داں جہاں دیکھے بے تمیز اور مبہوت نہ اپنی کہہ سکیں اور نہ دوسرے کی سمجھیں۔

[1] یہ بڑے تعجب کی بات ہی کہ مولوی نذیر احمد نے کسی استاد سے انگریزی نہیں پڑھی اور ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہی کہ انگریزی میں بی۔ اے تک کی ان کی نظر میں وقعت نہیں تو یہ واقعہ مولوی نذیر احمد کی کمال ذہانت کی دلیل ہی مولوی بشیر الدین احمد بیان کرتے تھے کہ دہلی کالج کے پرنسل نے بہتیرا چاہا کہ مولوی نذیر احمد انگریزی پڑھیں مگر مولوی نذیر احمد کے والد نے اجازت نہ دی یہاں تک کہ غدر سنہ ۵۷ء کے بعد جب مولوی نذیر احمد الہ آباد میں مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر ہوے تو عبداللہ خاں مرحوم امین عدالت کے مکان پر ٹھیرے وہ بڑے جید انگریزی داں تھے انھوں نے مولوی نذیر سے عربی شروع کی اور اس کے معاوضے میں مولوی صاحب کو انگریزی کی ترغیب دی۔ مولوی صاحب اکثر دورے میں رہتے جب صدر مقام الہ آباد کو آتے تو خاں صاحب سے تصحیح الفاظ کر لیتے اور رومن ڈکشنری کی مدد سے خود مطلب استنباط مطلب کر لیا کرتے دو برس میں انگریزی اخبار سمجھنے لگے ۶۵ء مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کا نرا انگریزی داں ہونا پسند نہیں کرتے ان کی یہ رائے ہی نرے انگریزی داں بے تمیز اور مبہوت ہوتے ہیں اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو فی الواقع ہندوستانی نرا انگریزی داں ہندوستانی سوسائٹی میں بے تمیز اور مبہوت دونوں ہوتا ہی کیونکہ اسنے نہ تو اپنی سوسائٹی کا ادب نہ قاعدہ سیکھا نہ اپنی سوسائٹی کے قاعدے کی اس کے نزدیک کچھ قدر و وقعت ہی وہ اپنی سوسائٹی کی ہر چیز کو حقارت کی آنکھ سے دیکھتا ہی حتی کہ اپنی مادری زبان تکمیل در تہذیب کی طرف بھی اس نے مطلق توجہ نہیں کی اس کو اپنی زبان میں استدلال و مناظرہ کی قدرت نہیں وہ ایک خیال کو بھی اپنی خالص بولی میں ادا نہیں کر سکتا وہ اپنی زبان کو اس طرح اٹک اٹک کر اور رک رک کر ادا کرتا ہی کہ بقیہ

بقیہ برصفحہ ۳۲

میں تم کو انگریزی کی اصلاح کے لیئے اس لیئے تاکید کرتا ہوں کہ تمہاری استعداد کو جلد ترقی ہوگی اور خط لکھنے کے بہانے ایک بڑا کام نکل جائیگا۔ تم مجھے خط لکھنے کا ایک معمول باندھو یعنے میں دو خط ایک انگریزی مگر اصلاحی خوش خط نظر ثانی کیا ہوا اور دوسرا عربی کا

بشیر۔ تمہاری کیا رائے ہے تم کو کالج میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ یا یہاں میرے پاس زیادہ تھا۔

خط ۱۰

یہ چٹھی بھی اچھی ہے مگر میں نے پھر اصلاح دی مسٹر تو میرے ایک بڑے مہربان حال تھے اور اوائل میں میری چٹھیوں میں اصلاح دیا کرتے تھے اب تک اُن کی بعض اصلاحی چٹھیاں میرے پاس ہیں۔ لو صاحب بورڈ کے سکرٹری اور میور صاحب کے داماد تھے۔ اُن کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے لکھا کرو جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو اور جو لفظ ہو مانوس اور کثیر الاستعمال۔ دیکھو تمہاری چٹھی میں جو لفظ میں نے قلم زد کیئے ہیں فضول ہیں کہ بے اُن کے بھی کام چل سکتا ہے اصلاح کے لیئے . . . کے پاس چٹھی بھیجنا کیا معنی اصلاح رو در رو ہوتی چاہیئے کہ لفظ بنایا جائے اُس کی وجہ زبانی پوچھ لو بوسہ بہ پیام۔ اصلاح چٹھی کے لیئے تم اپنا کوئی ماسٹر کیوں نہیں تجویز کرتے؟ مجھ کو . . . کی انگریزی میں تامل ہے شاید میری رائے بر بسر غلط ہو۔ خاک از تو دہ کلاں بردار

بشیر۔ بہت کچھ اپنے واسطے پڑھو لیکن خدا کے لیئے عربی میری خاطر سے اگر تمکو زیادہ

ص فصاحت کا کیا مذکور ہے اس کی گفتگو میں نہ روانی ہے نہ سلاست نہ برجستگی نہ شگفتگی اُس کے سر میں شاید معلومات مفید کے جواہر بھرے ہیں مگر اُس کے منہ پر مہر لگی ہے کہ وہی ایک رستہ ان موتیوں کے باہر نکالنے کا ہے کیا مشکل ہے۔ کہ انگریزی نہ پڑھیں تو ٹکڑوں کو محتاج پڑے پھریں اپنے علوم نہ سیکھیں تو بے تمیز مبہوت سمجھے جائیں۔ اور دونوں کا حوصلہ کریں تو اتنا وقت نہیں سے ذکر خدا و عشق بتان یا درفتگاں۔ دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے غرض انگریزی عملداری میں ہندوستانی بھلے آدمیوں کی مٹی ہی پلید ہے یہ اونٹ کہیں ایک کروٹ بیٹھ بھی چکے ؛ ؎ فارسی کا یہ ایک محاورہ ہے یعنی جس طرح بوسہ بہ پیام امکان وقوع نہیں رکھتا اسی طرح اصلاح بدون مواجہ و مشافہہ نہیں دی جاسکتی غرض یہ ہے کہ اصلاح غائبانہ مبتدی کے حق میں مفید نہیں ؛ ؎ مٹی اٹھاؤ تو بڑے ڈھیر سے مراد یہ ہے کہ علم حاصل کرنا ہو تو کامل کا

فرصت نہ ہو تو اتنا تو کرو مناسبت عربی باقی رہی تھوڑا تھوڑا ابھی کرتے رہو گے تو چند روز میں ایک ذخیرہ ہو جائے گا ورق اور صفحہ نہیں تو دو سطر ایک سطر۔ دن اور گھنٹا نہیں تو منٹ[۱] یا سکنڈ[۲] مفتاح[۳] الادب کو خوب سمجھ کر ابھی سے یاد کر چلو ورنہ وہ تمہارے بس میں آنے والی نہیں ہے۔

خط ۱۱

میاں سبحان[۴] بخش

وعلیکم السلام الحمد[۵] اللہ علی العافیہ مجکو امید ہی کہ تم خوش دل کے ساتھ رہو گے اور اگر تمہاری مدد سے میاں بشیر علم حاصل کریں تو یہ ایک ایسا احسان مجھ پر کرو گے جس کی تلافی سوائے شکر گزاری میرے پاس کچھ نہیں۔ علم[۶] شے بہ از جہل شے۔ اگر بہلا پہلا کر بشیر کو فارسی پڑھائی تو وہ بھی خالی از منفعت نہیں بشیر کے عادات اخلاق کی زیادہ نگرانی رکھو کیونکہ دنیا اور دین دونوں کی درستی عادات کی درستی پر موقوف ہی۔

خط ۱۲

بیوی[۷] صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو۔ اس خط میں ایک ایک پرچہ . . . صاحب

---

۱ گھنٹے کا ساٹھواں حصہ ۲ منٹ کا ساٹھواں حصہ ۳ عربی قواعد صرف نحو کی ایک کتاب مدارس کے مصرف کی ۴ مولوی نذیر احمد صاحب جب بجنور ضلع کانپور میں تحصیلدار تھے تو اس شخص کو بشیر الدین احمد کے کھلانے کے لیے نوکر رکھ لیا تھا جب کہ وہ شیر خوار تھے اور یہ شخص بھی سات آٹھ برس کا ہو گا پھر یہ شخص برابر بشیر الدین احمد کی رفاقت میں رہا سعدی نے کیا اچھا کہا ہے سگ اصحاب کہف روزے چند ؛ پے نیکاں گرفت مردم شد یہ شخص پڑھ لکھ کر مولوی ہوا اور اب وعظ گوئی سے اپنی معاش پیدا کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک لڑکا جو ادریس میں ۵ نام تھا کا رہ گیا وہ حیدر آباد کے علاقہ میں تیس چالیس کا منشی ہے اس سے ظاہر ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب کے یہاں نوکروں سے صرف خدمت ہی نہیں لی جاتی بلکہ ان کی تعلیم اور اصلاح حالت پر بھی نظر رہتی ہے الکا یہ نمونہ ۵ واجب التقلید ہے ۶ نادانی ہر طرح کی ستائش ہے شے چیز کے نہ جاننے سے اسکا نہ جاننا بہتر ہے مگر جہان فارسی کا نام ہے مولوی نذیر احمد اسکو مقارت ہی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور سچ ہے دنیا کے اعتبار سے انگریزی کے مقابلہ اور دین کے لحاظ سے عربی کے آگے فارسی ہے بھی بے قدر ۷ اللہ بشیر الدین احمد کو نوکر چاکر اندر باہر بیوی صاحب کہا کرتے تھے ہوتے ہوتے بیوی صاحب ان کا علم ہو گیا اب خاندان کے چھوٹے بڑے سب اونکا یہی نام لیتے ہیں۔

کے خط کا ملفوف ہی۔ جس قدر متعلق مطلب نہ تھا اس کو میں نے سرخی سے قلم زد کر دیا ہی خط کی عبارت فارسی ایسی ہی کہ اسکو بہ آسانی سمجھو گی۔ ۔ ۔ صاحب اور بیگم صاحب[1] دونوں کو ابتک منظور ہی تم نے بات[2] کو کھٹائی میں ڈال رکھا ہی۔ اگر تم کو دلی میں اچھی جگہ ملتی ہی تو دیر کیوں کر رہی ہو ورنہ باہر تو۔ ۔ کی بات صاحب مجکو بہت پسند ہی۔ اب تم سے کوئی امر مخفی نہیں۔ صورۃ۔ ہنر۔ عادۃ وغیرہ جتنے امور قابل لحاظ ہیں سب تم کو معلوم ہیں پس صلاح مشورہ کر کے رائے کو یکسو کر چکو مگر یہ بھی سمجھ لو کہ یوں تو رہنا جانا بہ اختیار خدا ہی لیکن بہ نظر ظاہر کوئی امید اس ضلع میں میرے رہنے کی نہیں معلوم ہوتی بہت رہا تو گرمیوں گرمیوں۔

آخر صاحبزادہ بلند اقبال نے عربی کو بالائے طاق رکھ دیا میری دو برس کی محنت پر پانی پھرنا چاہتا ہی کیا اگر آدہ گھنٹا یا پاؤ گھنٹا ہر روز یا ہفتے میں دوبار یا تعطیل کے دن بشیر عربی پر صرف کرے تو کچھ مشکل ہی مگر نہ کرنا منظور ہو تو سو حیلے اور ہزار بہانے ہیں بھی کالج میں پڑھتا تھا اور یہ سب آفتیں تھیں مگر باہر کا سبق نہ ناغہ ہونے دیا یہ ہر کیف یہ انتظام کرو کہ میاں بشیر پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنے پائیں ۔ یکم مارچ ۱۸۷۶ء

خط ۱۳

بشیر میں تمہارا عربی خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ شاباش۔ شاباش اسی تحقیق سے اگر پچاس سبق ہو جائیں تو کیا کہنا ہی بس اکسیر سمجھو میں نے دو گھنٹے کی محنت میں تمہارے اس خط کو درست کیا ہی مہربانی کر کے اس کا کوئی لفظ چھوڑ مت دینا جس لفظ کی تم سند نہ پاؤ یا تسکین نہ ہو اس کو مولوی ۔ ۔ ۔ یا ۔ ۔ ۔ صاحب سے حل کر لو بات بین تحۃ مگر معقول شرط طالب العلمی ہی یہی تحقیق ہر زبان اور ہر فن میں پیش نظر رہی تو بشیر اس طرح ایک یا دو سال کا پڑھنا کافی ہی۔ بشیر صاف لکھو کہ تم اپنی جماعت میں اول نمبر کے لڑکے سمجھے جاتے ہو یا کسی مضمون میں کوئی لڑکا تم سے بھی اول ہی تو محنت کر کے اس کے برابر ہو جاؤ کھیلنے کھیلنے سبحان بخش سے ذراسی فارسی بھی کبھی کبھی دیکھ لیا کرو۔ آخر کو ایک چیز ہی تو

۳ مارچ ۱۸۷۶ء

[1] مولوی بشیر الدین احمد کی منگنی کی بات چیت مراد ہی [2] فارسی کی طرف سے کیا بے رغبتی اور بے مبالاتی ہی۔

خط ۱۴

آج ایک ہفتہ کے بعد تمہارا خط ملا ہے۔ جو شخص تمہاری طرح ایسے مکان میں رہتا ہو کہ وہاں ساری ساری دن کان پڑی آواز نہ سن پڑے اُس کو اس بات کا یقین کرانا سخت مشکل ہے۔ کہ دنیا میں لوگ خط کے منتظر بھی رہا کرتے ہیں ۔

بشیر گو تم اُس قدر تحصیل علم کا شوق نہو جس قدر بہ اقتضائے حالات زمانہ ہو چاہیئے یا جس قدر میں چاہتا ہوں کہ ہوتا ہم میں کیا جو تم کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم سمجھ دار ہو تمہاری سمجھ کے بھروسہ پر میں تمکو یہ خط لکھتا ہوں شرم و حیا شرطِ ادب و جوہر شرافت ہے لیکن شرم تین قسم کی ہے۔ شرعی۔ عقلی۔ عرفی۔ شادی بیاہ کے بارے میں جو شرم لوگ کیا کرتے ہیں وہ نہ شرعی ہے عقلی بلکہ محض عرف یعنی راہ و رسم دنیا کی پابندی ہے۔ تم کپڑا اور کتاب اور کھانا یہاں تک کہ ٹوپی اور جوتی یعنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں میں ہمیشہ اپنی ذاتی رائے کامل آزادی اور بے باکی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے ہو پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسے امر اہم کی نسبت جس پر تمہارے دین و دنیا کا بناؤ بگاڑ منحصر ہے تم سے رائے نہ طلب کی جائے تم شاید یہ حیلہ کروگے کہ یہ معاملہ مشکل ہے اور مجھ میں ایسے امور عظیمہ کی نسبت رائے دینے کی قابلیت نہیں سچ ہے رائے طلب کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تمہاری رائے پر عمل بھی کیا جائے بلکہ صرف اتنی غرض ہے کہ تمہاری طبیعت کا رجحان اور میلان دریافت ہو میں تمہارے بیاہ کی نسبت مستعجل ہوں ... کے یہاں جو تذکرہ ہوا تھا تم کو معلوم ہے اُن کو بھی انکار نہیں اور جب اصل سخن میں اتفاق ہے تو چھوٹے اختلافات مہر وغیرہ کے رفع ہو جائیں گے دہلی میں جہاں اس کی گفت و شنود ہو وہاں کے حالات تم کو بہ آسانی معلوم ہو سکتے ہیں پس تم اپنی رائے بھی ظاہر کرو کہ تم کو کیا منظور ہے اور کس جگہ تعلق پیدا کرنا پسند ہے۔ برخوردار۔ یہ شرم کی بات نہیں ہے۔ انسان کی خلقت اسی طرح کی ہے مرد اور عورت میں مخالطت ہو اور ان کی نسل چلے تم خیال کرو کہ اگر شرم کی بات ہوتی تو میں کیوں پوچھتا۔ میرا یہ اصرار پوچھنا اس کی دلیل ہے کہ تم کو اپنی رائے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں کرنا چاہیئے اگر تم کو لوگوں کا خیال ہے تو اپنی رائے کو اعلان کے ساتھ مت ظاہر کرو اپنی ماں کے کان میں کہہ دو

یا اپنی بہنوں سے بیان کر دیا مجھ کو لکھ بھیجو یا لکھوا بھیجو ۔ ۔ ۔ صاحب کے خطوط برابر چلے آتے ہیں ۔ ایک پرچہ جس میں اُن کا معمولی لفظ ماہتی ہے آپ ہی تمہارے ہنسنے کو بھیجتا ہوں اس پرچے سے بھی اُن کی گرویدگی ظاہر ہوگی ۔ بیٹی والا اس سے زیادہ کیا کرے گا تم لوگوں نے بیچارے کو دُبدھے میں ڈال رکھا ہے ۔ بات کو نبک سو کر چکو ۔ بھئی سنو ۔ دوری پر جو کچھ اعتراض ہو ۔ تم کو دہلی میں ایسا گھر نہیں ملے گا اور اس متانت و زاری کے ساتھ اور اگر ملے تو چشم ما روشن و دل ما شاد

۔ ۔ ۔ صاحب مجھ کو ہر خط میں ملامت لکھتے ہیں کہ تو نے میاں بشیر کو ناحق چھوڑا ۔ تجھ سے بہتر اُن کو پڑھانے والا نہیں ملے گا ۔ میں ہمیشہ اُن کو سمجھاتا ہوں کہ انگریزی میں میاں بشیر بڑا فائدہ اُٹھا رہے ہیں ۔ سو بشیر مجھ کو شرمندہ مت کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ کے لیے ۔ ۔ ۔ صاحب نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اہتمام کیا ہے ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ دونوں کو نوکر رکھ لیا ہے ۔ حق یہ ہے کہ بے چارہ بڑی ہمت کرتا ہے اور اس وقت تک تعلیم بھی عمدہ ہو رہی ہے ۔ سچ کہا ہے تدبیا کرتے کی یعنی علم اُسکا جو محنت کرے ۔ انگریزی بولنے کا کیا حال ہے ۔ تم کو خود بھی تو حال و سابق میں تفرقہ محسوس ہوتا ہوگا ۔ ۔ ۔ تھرڈ کلاس میں ہے ۔ ۔ بشن اسکول میں پڑھتا ہے غرض ہر طرف اور ہر جگہ لوگ کچھ کر رہے ہیں ع فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست ۔ اس ضلع سے علی گڑھ میں بھی بہت سے لڑکے گئے ہیں اور چلے جاتے ہیں ۔ علی گڑھ کی کیا تخصیص ہے شوق ہو تو یہاں کی مکتب آکسفرڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹی کا حکم رکھتے ہیں ۔

۸ مارچ ۱۸۷۶ء

خط ۱۵

خط فارسی تمہارا پہنچا ۔ میں تم کو خود چند بار فارسی کی طرف متوجہ کر چکا ہوں ۔ اس میں کیا شک ہے کہ اردو سے فارسی بہ مدارج بہتر ہے ۔ اتنی بات سمجھ لو کہ انگریزی ۔ عربی ۔ فارسی یہ سب دوسرے ملکوں کی زبانیں ہیں ہم کو من حیث المعاشرۃ اپنی اردو کے ۔

ا؎ آنکھ ہماری روشن دل ہمارا خوش یعنی ازیں چہ بہتر ۲؎ تیسری جماعت ۳؎ آکسفرڈ اور کیمبرج انگلستان کے دو بڑے دار العلوم ہیں ۔ ۴؎ دار العلوم ۵؎ بہ لحاظ معاشرت

علاوہ کوئی دوسری زبان درکار نہیں لیکن اردو ابھی حالت طفلی میں ہے یعنی کلہا ڈھائی تین سو برس اسکو پیدا ہوئے گزرے ہوں گے۔ میر تقی اور سودا کے اشعار میں بھی بہت سے الفاظ عجیب پائے جاتے ہیں جو اب متروک و مہجور[1] ہیں جیسے جاگہ بجائے جگہ ستی بجائے سے آئیاں بجائے آئیں وغیرہ۔ شروع میں بھاکا کے الفاظ اردو میں اس قدر کثرت سے تھے کہ ابتدائی اردو کا ایک جملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا سب سے پہلا اردو یعنی ریختہ گو ولی تھا اسکے اشعار سنو تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ لیکن یوماً فیوماً اردو کی تہذیب ہوتی گئی یہاں تک کہ میر تقی نے ایسا ریختہ کہا کہ فارسی کو مات کیا سودا اُن کا ہمعصر تھا ازاں بعد ناسخ و آتش کا زمانہ ہوا تو ان کی بولی اور بھی صاف ہے اب آخر میں شیخ ابراہیم ذوق حکیم مومن۔ میرزا غالب اور دبیر و انیس لکھنوی نے نوا ردو کو خوب ہی رونق دی۔ انگریز کبھی کبھی کچھ توجہ کرتے ہیں کہ اردو کو رونق ہو مگر یہ سینکڑوں برس کے کام ہیں غرض اُردو میں افسوس ہے کہ علم نہیں اور بولی ٹھولی کا بھی وہ لطف نہیں جو عربی فارسی میں ہے شعر عربی کا جب تم کو مزہ ملے گا تو یقین و باور کرو آدمی پر وجد کی کیفیت طاری ہو ہو جاتی ہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم کو میں نے دیکھا کہ با این وقار مجمع امتحان میں انگریزوں کے روبرو گانے لگتے تھے علم اور لطف زبان کی جست وجو میں ہم دوسری زبانوں کے حاجتمند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نری اردو سے کام نہیں چلتا اور چار و ناچار دوسری زبان سیکھنی پڑتی ہے اب دوسری زبان کون سی اختیار کی جائے جس کے ذریعہ سے علم حاصل ہو اور بولی کا مزہ ملے۔ سو برخوردار وہ زبان انگریزی ہے کلام الملک ملک الکلام[2] انگریزوں کی جست وجو انگریزوں کی تلاش و محنت اس درجے کی ہے کہ کسی قوم نے اس صنعت میں ان کی ہمسری نہیں کی اب انگریزی کا یہ حال ہے کہ گنجینۂ علوم ہے۔ یونانی اور عربی اور عبرانی اور سنسکرت اور لیٹن[3] وغیرہ میں جو ذخیرے تھے۔ انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لیئے ہیں اب یہ عجیب بات دیکھی جاتی ہے کہ اصلی زبان میں ان علوم کا پتہ نہیں مثلاً جبر و مقابلہ فی الاصل عربی میں تھا اس کا نام الجبرا[4]

---

[1] متروک مہجور مترادف ہیں [2] بادشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہے [3] زبان لاطینی [4] ناموں پر الف لام کا داخل ہونا اسکی شناخت ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے۔

اس کا گواہ ہے۔ انگریزوں میں کوڑیوں جبر و مقابلے ہیں۔ عربی میں مجھکو آج تک کوئی رسالہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اور غالب ہے کہ مصر و روم میں بھی ہونگے تو اب انگریزی کتابوں کے ترجمے ہوں اصلی کتابیں معدوم اور مفقود اس سے قطع نظر انگریزی زبان حکام وقت ہے اگر اس میں علوم بھی نہ ہوتے تو اس کا زبان حکام وقت ہونا کافی تھا کیونکہ اس صورۃ میں وہ ذریعہ رسائی رہی۔ غرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے سب سے مقدم انگریزی اس کے بعد عربی اس لیئے کہ وہ کلاسیکل ہے۔ فصاحۃ اور بلاغۃ اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عربی شعار اسلام ہے میرے نزدیک جو مسلمان[1] عربی نہیں جانتا وہ نام کا مسلمان

---

[1] جس طرح ہمارے دین اسی طرح ہماری کوڑیاں [illegible] ہے سچ تو یہ ہے قرآن عربی اور آخر کار ان خلد اللہ جنتہ میں بھی عربی ہی بولنی ہوگی جو عربی نہیں جانتا وہ مسلمان کاہے کا۔ ابھی ذرا سا بھی شک نہیں کہ بے عربی جانے آدمی قرآن سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکتا اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ نظم قرآن معجز ہے کی تصدیق بدون عربی کے کیونکر ہوسکتی ہے عربی بے شبہہ دوسرے ملک کی زبان ہے اور اس کا سیکھنا بھی اشکال سے خالی نہیں مگر فی الواقع وہ اتنی مشکل نہیں جسقدر لوگوں کی بے تدبیروں نے اسکو مشکل بنا رکھا ہے اوسط درجے کے ذہن کا آدمی وسط درجے کی محنت کرے تو دو برس میں اچھی خاصی طرح عربی عبارۃ کے پڑھ لینے پر قادر ہو جاسکتا ہے بشرطیکہ صرف نحو کے سیدھے سیدھے مسئلے سیکھنا چاہے اور مولویوں کی منطقانہ کٹھ حجتی سے قطع نظر کرے مولوی نذیر احمد صاحب کے خطوط میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ انھوں نے بیٹے کو اردو زبان میں عربی کی صرف نحو پڑھائی اور دو برس میں مولوی بشیر الدین احمد عبارۃ عربی کے پڑھ لینے پر قادر ہوگئے اور قرآن کے معنی سمجھنے لگے لیکن یہ ایک سخت مصیبت ہے کہ لوگ پرانی طرز تعلیم کو بدلنا نہیں چاہتے نتیجہ یہ ہے کہ صرف و نحو کی مشکلات دیکھکر لوگ عربی سیکھنے کا حوصلہ نہیں کرتے اور زبان عربی ہے کہ مسلمانوں میں سے مٹتی چلی جاتی ہے اگر چندے یہی حال رہا تو عنقریب وہ وقت آجائیگا کہ لوگ الحمد کی جگہ ابجد اور الحمد پڑھنے لگیں گے اور اس پر لڑیں گے عربی کو ہندو یا عیسائی یا پارسی تو سنبھالنے سے رہے ہندوستان کی ملکی زبان یہ نہیں دنیا کا کوئی کام اس پر بند نہیں پس ہندوستان میں عربی سنبھلنے کی صرف ایک ہی صورۃ ہے کہ مسلمان تقاضائے مذہب اسکی حمایۃ و رعایت کریں اب مسلمان اتنی بات خود سوچ سکتے ہیں ان کی موجودہ بے توجہی پر عربی ٹھیر بھی سکتی ہے یا نہیں ہمارے سمجھنے میں تو عربی گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب انا للہ و انا الیہ راجعون اول تو ہمارے نزدیک عربی کچھ ایسی مشکل نہیں اور فرض کیا کہ مشکل ہے بھی تو اے بندگان خدا دنیا کے لیئے کیسی کیسی زحمتیں اٹھاتے ہو انگریزی پڑھتے ہو قانون یاد کرتے ہو اور ہزاروں طرح کے ناچ ناچتے ہو یارو عربی کو دین کے لیئے خدا رسول کے لیئے اپنی عاقبت کے سنبھالو عربی گئی اور اب اس کے جانے میں کسر ہی کیا رہ گئی ہے تو سمجھو کہ دین گیا ایمان گیا اور دین و ایمان کے ساتھ دنیاوی فخر و امتیاز غرض یہ کہ عربی کیا گئی گویا ہماری فصاحۃ ہماری بلاغۃ ہمارا علم ادب سب گیا۔ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۱۲

ہے۔ سب کے بعد فارسی وہ بھی اس وجہ سے کہ ہماری اردو میں فارسی کی ترکیبیں بہت ہیں اور فارسی کے بدون تکمیل اردو ممکن نہیں۔ حاصل کلام فارسی کو اتنا دیکھو کہ اصل مطلب فوت نہ ہو یہ کون کہے کہ فارسی کچھ نہیں علم شئی بہ از جہل شئی اگر کسی کو موقع ملے تو اس کو سنسکرت اور ترکی اور پشتو اور چینی زبانوں کا سیکھنا تضیع اوقات سے بہتر ہے۔ تم تکمیل انگریزی پر اپنی تمام ہمت صرف کرو فارسی کو لہو و لعب کے عوض میں لکھو لیکن فارسی میں بہت ہزاروں الفاظ عربی کے ہیں اُن کو نظر انداز مت کرو تحقیق عجیب چیز ہے جو کچھ تحقیق کے ساتھ کرو۔

اصلاح کے متعلق یہ بات ہے کہ مثل اُس لڑکے کے ہے جو چلنا سیکھتا ہے اور اصلاح دہندہ اس کو چلنا سکھاتا ہے۔ ہم لوگ بچوں کو انگلی پکڑا دیتے ہیں لیکن چلنے کا سارا بوجھ لڑکے پر ڈالتے ہیں مگر فرض کرو کہ بجائے انگلی پکڑا دینے کے ہم لڑکے کو اٹھا دیں اور خود دوڑے دوڑے پھریں تو اس سے لڑکے کو کیا فائدہ ہوگا۔ اصلاح دہندہ اگر خود ساری عبارت لکھ دے مبتدی کو کچھ نفع نہیں۔ بڑی اصلاح شوق ہے۔ جب کوئی ہوتی ہے تو آدمی وہ نکالتا ہے جو اُستاد کو نہ سوجھے گی۔

.. کہاں ہیں اور چوہدری اللہ آباد میں ہوں یا پھولپور میں نے اس غرض سے پوچھا کہ شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔ اگرچہ اصلی مدد خدا کی چاہیئے لیکن قرابت مندی انسی ان کے لیئے ہوتی ہے سالی اور بہن لفظ دو ہیں اور معنی واحد ... کے مجھ پر حقوق ہیں اور مجھ کو اُن کی مصیبت سے رنج ہوتا ہے۔

یہ تو طے ہو گیا کہ بندوبست میں اں صاحب رہیں اور مجھ کو ضلع ملے علی گڈھ کا نام سن کر بورڈ نے کہا کہ نذیر احمد بڑا ہی خوش نصیب ہے اُس کو بے نمبر ترقی ملی اب کیا ضرورت کہ ضلع بھی اُس کو اُسی کی تعیین سے ملے غرض جواب صاف ع یہ راحت ملی ایسی محنت کے بعد میں علی گڈھ کو لے کر کیا بھاڑ میں ڈالتا۔ یہ خدا صرف تمہارے لیئے کہ تم کسی طرح پڑھ ہو بشیر تم چار پانچ برس لگ لپٹ کر محنت کر ڈالو تو کچھ بات نہیں۔ پھر ان شاء اللہ ساری عمر اس محنت کا فائدہ اٹھایا کرو گے۔ میں نے جس بے سر و سامانی سے پڑھا تمہاری ماں اُس کی گواہ ہیں اُنھیں سے پوچھو کہ مجھ کو اطمینان سے سونا حرام تھا یہ محنت ایک حیلہ ہو گئی۔ اور

خدا نے مجھ کو افلاس اور بے قدری کے عذاب سے نجات دی تم بھی کبھی اپنی حالت کو میری اُس حالت سے مقابلہ کیا کرو اب جو میں سست اور کاہل ہو گیا ہوں تو اس وجہ سے کہ کوئی اختیاری تدبیر باقی نہیں ورنہ اس پیری میں بھی میری کتاب بینی جوان ہی بار بار امتحان وکالت کو جی للچاتا ہے۔ لیکن بیس برس کی خدمت اور تعزز پر نظر کر کے ہمت قصور کرتی ہے اب جو مجھ سے رہ گیا ہو تم کر دو۔ ع - اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ انگریزی کا انتظام ابھی خاطر خواہ تم نے نہیں کیا گریمر کے قواعد مستحفظ ہوں اور جو پڑھو سو از بر۔ اصلاح دینے والا کوئی آدمی با استعداد ہو اور ہر وقت ایک دُھن لگی رہے تب جانو کہ انگریزی آئی اور انگریزی کی کیا تخصیص ہے ہر علم کا یہی حال ہے لفظ اُس اور اِس کی بابت یہ ہے کہ تم کو لکھنے والا انتہاء حرکات بالحروف اردو میں نہیں تو اوس بالواو کیوں ہو اور اوس ہو تو اس کی جگہ ایس کیوں نہ ہو اسی طرح اُٹھانا وغیرہ لیکن ایک غلط دستور واؤ لکھنے کا رواج پا گیا ہے۔ تم چاہو دستور غلط کی تقلید کرو یا پابند صحت ہو کر ترک واؤ کا التزام رکھو۔

۲۱ مارچ سنہ ۱۸۷۶ء

خط ۱۶

تمہارے[1] خط کو جس میں تم نے . . . صاحب کے خاندان کی نسبت اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے میں نے بہت خوشی سے پڑھا۔ شاباش۔ آزادی اور معقول پسندی اسی کا

۱؎ مولوی نذیر احمد صاحب کا طریق عمل دانشمندانہ اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک کا ہر ایک باپ اس کو اختیار کرے مذہب اسلام میں تو بھی کچھ ہے ایجاب و قبول بھی پسند و انتخاب بھی ہے رضامندی بھی مگر وہی مثل ہے کہ ہاتی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور یہ ساری باتیں کتابوں میں لکھنے کے لیئے ہیں عمل درآمد میں کہیں ان کا نشان گمان نہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے باصرار بیٹے کو اظہار رائے پر مجبور کیا (دیکھو خط ۱۴) نوجوان بیٹا بقول سعدی۔ در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی حسن صورت پر ریجھا تو مولوی نذیر احمد صاحب نے سمجھا کر بیٹے کی شورش کو فرو کیا کہ یہ تعلق مرنے بھرنے کا ہے حسن صورت کے علاوہ دین داری ہنرمندی نیک دلی اطاعت شعاری بہت سی باتیں جمع ہوں تو راحت کی توقع کیجائے آخر کار مولوی نذیر احمد صاحب نے بڑی چھان بین کے بعد بیٹے کو مولوی حاجی نواب قطب الدین خاں مرحوم کے یہاں بیاہا اور جس طرح بیٹے کی تعلیم میں اہتمام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اسی طرح ان کے لیے بہتر سے بہتر بی بی کے بہم پہنچانے میں حق سعی ادا کیا۔

نام ہے۔ مجھ کو بھی تمہاری رائے سے اتفاق ہے اور بات ابھی لگا رکھی ہے اور چوں کہ یقینًا۔۔ صاحب کو تم سا آدمی مل نہیں سکتا۔ ہم کو عجلت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک ہماری طرف سے جواب صاف نہ ہو وہ لڑکی کہیں جا نہیں سکتی۔ لیکن ایسے معاملات میں جملہ اطراف وجوانب پر نظر کر لی ہوتی ہے۔۔ صاحب کے گھر کا دستور کچھ عجب طرح کا ہے۔ نو برس ہوئے کہ زن و شوہر میں کچھ تعلق نہیں۔ اس کا اثر اُن کی اولاد پر بہت ہی زبون ہو رہا ہے۔ اُن کو نہیں دکھایا جاتا کہ تعلق زن و شوئی کیا ہے اور اس تعلق سے کیسے کیسے حقوق ایک کے دوسرے پر ثابت ہوتے ہیں اُن کی طرز ماند و بود ہماری طرز ماند و بود سے اس قدر مختلف ہے کہ جو اُن کے یہاں ہنر ہے۔ اُس کو ہم لوگ عیب سمجھتے ہیں ع آنچہ فخر است در گفتار آں ننگ من ست۔ یہی بے تعلقی اگر خدا نخواستہ ہمارے یہاں ہو تو گھر ایک دم نہ چلے۔ ضرور ہے کہ مفارقہ ہو جائے پھر صورتوں کا سوچ بچار غضب ہے۔ اُن کو صرف اپنی صورتوں پر ناز ہے بلکہ دنیا کو بدصورۃ سمجھتے اور بد صورتوں سے نفرتِ قلبی رکھتے ہیں۔ جب مزاج کی یہ کیفیۃ ہو تو واقع میں ایک دن کا نباہ نظر نہیں آتا۔ مہر وہ ایک کوڑی نہیں گھٹائیں گے سمٹن[1] صاحب بے چارے تو تخفیف مصارف شادی کی فکر میں تھے وہ بھی پیش رفت نہ گئی۔ مہر سے اُن کو بحث نہ تھی اور سچ یہ ہے۔ کہ ہمارے انتظام خانہ داری بے ہماری آمادگی کے درست ہو نہیں سکتے گورنمنٹ کو کیا دخل تلچ آتش بازی۔ اور دنیا بھر کی تفضیح ممکن نہیں کہ نہ ہو جس طرح مولوی[2]۔۔ کا خاندان خفیفہ مرگ سے واقف نہیں۔۔۔ صاحب کا خاندان نہیں جانتا کہ پردیس کیا چیز اور جہاں تک مجھ کو بیگم صاحب کا حال معلوم ہے وہ بیٹی کو جدا نہیں کریں گی گو اس وقت منہ سے کہیں لیکن جب پالکی ڈیوڑھی پر آن کھڑی ہوگی تب حقیقۃ کھُلے گی۔ بے شک زن و شوہر میں اتحاد ہو تو ماں باپ کا کچھ زور نہیں لیکن تخالف صورۃ تخالفِ مزاج۔ تخالفِ عادت کے ہونے

---

[1] اُن دنوں جب کا یہ خط ہے اعظم گڑھ میں کلکٹر تھے ؛ [2] اس سے ایک لوی صاحب مراد ہیں جن کے خاندان میں بڑی بڑی عمروں کے لوگ موجود تھے اور اتفاق سے ان کے یہاں موت بہت کم ہوتی تھی ان کی عورتیں کسی کے یہاں پُرسے کو جاتیں تو تکلف بھی رو نہ سکتیں مجلوان کا نام معلوم ہے مگر ظاہر کرنا کیا ضرور ہے۔ اب سنا کہ اس خاندان میں بھی دوسرے خاندانوں کی طرح لوگ مرنے لگے۔ [3] رسوائی۔

اس اتحاد کا ہونا موہوم۔ بچھ حسن کی مثال ایسی ہے جیسے عمدہ کھانا جس نے نہیں کھایا اس کا جی للچاتا ہے اور جو ذرا کھائے وہ اُس کی مطلق قدر نہیں کرتے ہیں سنے . . . کو نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ اب بھی وہ شہر میں اپنا جواب نہیں رکھتی لیکن . . . صاحب کا برتاؤ اُن کے ساتھ کیسا ہے۔ دہلی میں بیشک اکثر جگہ وفنا دیکھی لیکن خدا کی قسم ایک ہمارے گھر کی عورتیں ہیں کہ ہر طرح کی عمدگی اُن میں ہے پاکدامنی۔ دین داری۔ ہنر خانہ داری۔ شوہروں کی اطاعت وفرماں برداری۔ نیک دلی کفایت شعاری۔ اور ان باتوں کے ساتھ اسقدر پڑھنا لکھنا جو ہماری سوسائٹی کی حالت موجودہ کے لحاظ سے عورتوں کو ضرور ہے کیا ہے جو انمیں نہیں مطلب یہ ہے کہ دہلی میں بھی جستجو کی جائے شاید کوئی اچھی لڑکی مل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ تم کو زیادہ آسائش پہنچائے گی بعض عورتوں کے حالات پر نظر کر کے مت ڈرو۔ دہلی میں ہزاروں خاندان ہیں۔ اگر زن وشو میں موافقت نہ ہو تو دنیا کا انتظام کیوں کر چلے مجھ کو صرف تمہارا منشائے خاطر معلوم کرنا تھا سو ہوا تم اس بات کو اپنے ذہن میں مت رکھو مجھ کو اور اپنی ماں کو اس کا فکر و انتظام کرنے دو۔

خط ۱۷

اجی حضرۃ! انگریزی میرے نزدیک گرتی جاتی ہے کچھ تم کو اس کی پرواہی یا نہیں فارسی ہو چکی عربی نری الف لیلہ سے کیا ہوتا ہے۔

... نے ایسی بالیاں کس لیے بنوائیں جن کو کان برداشت نہیں کر سکتے کیا یہ کہاوت ان کے کان تک نہیں پہنچی بھٹ پڑے (بھاڑ میں جائے) وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ عورتوں کے زیوروں میں ہاتھ پاؤں گلے کے زیور سب پسندیدہ ہیں۔ زینۃ بے زحمتہ۔ اور کان ناک میں سوراخ کرنا زمان جاہلیت کی ایک رسم ہے کہ چلی جاتی ہے۔

میاں بشیر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امسال گرمی زیادہ سخت پڑے گی کوئی ہلکی سی تبرید پیا کرو پانی میں تھوڑا کیوڑہ بڑی تفریح کا باعث ہے۔ بافراط محرک نزلہ ان اطراف میں آب وہوا اچھی نہیں۔ چیچک۔ تپ۔ بلکہ ہیضہ بھی ہے غازی پور فیض آباد میں زیادہ شورش سنی جاتی ہے۔ اعتدال کے ساتھ آسائش جسمانی کا حاصل کرنا ضروریات سے ہے۔ خصوصاً گرمی اور برسات کے دو موسم ردی ہوتے ہیں احتیاط رکھنی چاہیئے ۔ ۱۳۔ اپریل ۱۸۷۶ء

خط ۱۸

خط جس میں اطلاع ولادۂ مندرج ہی تو پہنچا۔ مجھ کو لڑکیوں کے بارہ میں کیا سمجھاتے ہو مجھ کو تو مطلق اولاد سے افسردہ دلی ہی تم جیو اور خدا تم کو صالح و نام آور و با اقبال کرے پھولو پھلو مجھ کو دوسرا بیٹا درکار نہیں ... اور ... اپنے گھروں میں آباد ہوں اُن کو خوشی ہو۔ مجھ کو بیٹیوں کی تمنا نہیں تمہارے آنکھوں دیکھتے۔ ظہیر۔ نصیر۔ حسینہ دو توام لڑکے اور اسکے ڈھکے کتنے ہوے اور مر مر گئے۔ ع کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو روئیے۔ فرقہ نسوان عموماً اور ہندوستانیوں کی عورتیں خصوصاً کیسی تباہ حالت میں ہیں کیا تم ... کی مصیبۃ پر نظر نہیں کرتے۔ پھر بھلا کوئی عاقل لڑکیوں کے ہونے پر خوش ہو سکتا ہی وہ جو وعید والی ہی وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۱ یہ سب انسداد دخترکشی کے لیے تھا جس کا عرب میں بہت رواج تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۲ جب مجھ کو اور تم سب کو اس کی حیاۃ و ممات کی طرف سے اطمینان نہیں تو ایسے مہمان چند روزہ کی نسبۃ خوشی و ناخوشی کا کیا محل ہی۔ ۳ لَهُ مَلَكٌ يُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ۔ خداوند کریم نے اپنے فضل سے مجھ پر بسط رزق بہت کچھ کیا اور میں بہت بہت اس کی نعمۃ کا شکرگزار ہوں اگر دس لڑکیاں ہوں تو مجھ پر دو بار نہیں مگر ہوں اور صاحب نصیب ہوں نہ یہ کہ جب قوۃ تکلم پیدا کیں اور دلوں کو فریفتہ کرنے لگیں تو کنار اور چھوڑ کر آغوش لحد میں جا کر سوئیں یا جئیں تو ... کی سی اسوا الحیوۃ جئیں۔ ۴ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ۔ بڑی مبارک باد یہ ہی کہ تمہاری والدہ نے جان بری حاصل کی

---

۱ جب اُن میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری پہنچے تو منہ اُس کا رنج و غیظ کے مارے سیاہ پڑ جائے اپنے لوگوں سے بیٹی کی برائی کی شرم سے چھپتا پھرے آیا وہ اُس کو زندہ چھوڑے اور ذلۃ قبول کرے یا مٹی میں داب دے ۲ اور کہ زندہ گاڑ دی بیٹی پوچھی جائے کہ تو کس گناہ پر ماری گئی ۳ دنیا کا ایک فرشتہ ہی جو روز منادی کرتا ہی کہ تو موت کے لیے پیدا ہو اور ویرانی کے لیے تعمیر کر ۴ اپنے غم و رنج آشکار و نہاں کی شکایۃ خدا ہی سے کرتا ہوں۔ اقتباس ہی کلام مجید

اب اُن پر تاکید کرو کہ یہ کم بخت دولت کیا ہو کچھ تو اپنے تن بدن کو لگائیں۔ نام تجویز کرتے مجھ کو تامل ہوتا ہے یہ کم نصیب جلد جلد مرتے اور میرا نام بھی خراب کرتے مجھ کو ابو المحامد و محمودہ کا سخت قلق ہے کیسے پیارے نام تھے اس لڑکی کی کیا تخصیص تھی۔ خدا کے فضل سے میرے یہاں سب روحیں مبارک قدم تھیں۔ اس لڑکی کی آمد کے ساتھ مجھکو علم ہیئتہ کی کتاب پر پانسو روپیہ انعام ملا جس کی مطلق توقع نہ تھی۔ اول تو میں اس کتاب پر چارسو پا چکا تھا۔ پھر یہ مال تھاوِن صاحب کا کہ اُن کی وفاۃ کی وجہ سے لاوارث ہو گیا اور بڑا خداشہ یہ تھا کہ ہمارے بالفعل کے لفٹنٹ گورنر بہادر انعام کے مخالف ہیں اور جب سے زمام حکومت ان کے ہاتھ میں ہے شاید ہی ایک انعام دیا ہے وہ بھی انعام کے نام سے نہیں بلکہ کاپی رائٹ اپنی حق تصنیف خرید کیا ہے لیکن مجھ کو روپئے سے مطلب ہے چاہے انعام ہو یا حق ترجمہ کے دام جی چاہتا ہے کہ یہ انعام مُقارنِ ولادۃ واقع ہوا ہے بھیج دوں مگر روپیہ اعظم گڑھ میں ملے گا لہٰذا اوائل مئی میں بھیجوں گا۔ اسی پانسو میں ہاتھ پاؤں کا زیور پورا کیا جائے اور غالب ہے کہ کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہو۔

بشیر- میں تمہارے امتحان کے نتیجے کا منتظر ہوں نہ صرف نتیجے کا بلکہ اس کا بھی کہ تم سے جواب دینے میں کیسی کیسی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اکثر فہم سوال میں غلطی ہوتی ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ عبارتِ سُوال کو بغور دیکھکر سمجھا جائے کہ مستفسر کیا پوچھتا ہے۔ پھر بسا اوقات لوگ اظہار علمیتہ کی نظر سے فضول باتیں لکھتے چلے جاتے ہیں [۲] آینڈ دی مور یوناٹ دی مور یو آر تمہارا یہ پہلا امتحان ہے۔ ابھی سے اپنے تئیں سنبھالو تم مجھکو بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف متوجہ کرتے ہو اور مجھ کو ہر دم و ہر لحظہ تمہارے خیال سے فرصت نہیں۔ تم ماشاء اللہ نقد ہو اور یہ نسیہ یعنی قرض اور کیا۔ تم نے نہیں سنا کہ [۳] نقد را بہ نسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست۔ لڑکیاں آخر کی بھرتی ہیں جن سے سوائے تکلیف کے کچھ توقع نہیں۔ مجھ کو خوف ہے کہ یہ روح جدیدۃ العہد کچھ تمہارا وقت ضرور صرف کرائے گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلو مگر بہت تھوڑی دیر۔ گریمر انگریزی عربی سے

---

۱ مولوی بشیر الدین احمد کے ماموں مولوی عبدالحامد ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے اور بیٹی کے نام ہیں جو بشیر خواگی میں مرگئے ۲ اور جس قدر زیادہ بکو گے زیادہ کھٹا کروگے۔ ۳ نقد کو ادھار پر چھوڑنا عقلمندوں کا کام نہیں۔

تم نے قطع نظر کر رکھا ہے اور میں ہمیشہ اُس کی ضرورۃ تم پر ثابت کر رہا ہوں کوئی استاد انگریزی داں صاحب استعداد اصلاح انگریزی کے واسطے اب تک تجویز نہیں ہوا۔ یہ تمہاری ملن ساری کا حال ہے۔ والد تمہارا۔

۱۸۔ اپریل ۱۸۷۶ء روز سہ شنبہ

خط ۱۹

میں تمہارے اس خط کے پڑھنے سے مطلق خوش نہیں ہوا۔ میں شروع سے کہتا تھا کہ شیر محصّل کا یہ کام ہے کہ جو یوماً فیوماً پڑھے اُسکو ضبط کرتا جائے اور ہر وقت امتحان کے لیئے آمادہ رہے۔ نہ یہ کہ جو پڑھے[۱] مقابل کے . . کی طرح توپ دیا۔ اب یہ عذر کہ مجھکو امتحان کی خبر صرف دو دن پہلے ہوئی۔ عذر[۲] بدتر از گناہ ہے۔ تم کو اس کا بھی استحقاق نہیں کہ دو منٹ پہلے تم کو خبر ہو۔ یو مسٹ[۳] بی ریڈی ایٹ اے مومنٹس نوٹس۔ تم دو دن کو غنیمۃ نہیں سمجھتے پھر جواب جو میں دیکھتا ہوں ہرگز پورے نمبر کے لائق نہیں۔ تمہاری یادداشت ایسی ہے جیسے کوئی بھولا ہوا خواب بیان کرے مثلاً ممتحن پوچھتا ہے کہ لم کیا عمل کرتا ہے۔ تم جواب دیتے ہو "آخر سے حرف علۃ ساقط کر دیتا ہے اور آخر میں ساکن کرتا ہے" یہ نرا مہمل جواب ہے لم کا اصلی عمل ہے اسکان الآخر۔ اُس کا ظہور تین طور سے ہوتا ہے۔ اگر آخر میں نَ اعرابی ہے تو حذف نون بھی اسکان الاخر ہے۔ اور اگر آخر میں حرف علۃ ہے تو حذف حرف علۃ ہی اسکان الآخر سمجھا جائے گا۔ ورنہ حذف حرکۃ حرف آخر سے اسکانُ الآخر ہو گا۔ کہاں یہ جواب اور کہاں تمہاری بکواس تمہارا گھر کا ترجمہ دَارُکُمْ یا بَیْتُکُم یا دَارُکُنَّ یا بَیْتُکُنَّ ہونا چاہیئے۔ لفظ تمہارا سے کیوں کر جانا کہ مخاطب مذکر ہے اور جب مفرد کو بہ تعظیم خطاب نہ کریں تو دارک یا دارکِ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے تم ضمائر اُردو سے مذکر و مونث کا امتیاز کر نہیں سکتے۔ اُن کے بیٹے کا ترجمہ اِبْنُھُم غلط اَبْنَاؤُھُم صحیح۔ بیٹے اور بیٹا میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ قُلْنَ تم لکھتے ہو دو جگہ اور وہ ہے تین جگہ۔ (۱) جمع مونث غائب ماضی معروف (۲) جمع مونث غائب ماضی مجہول (۳) جمع مونث حاضر امر معروف اصل اِن کا قَوَلْنَ۔ قُوِلْنَ۔ اُقْوُلْنَ ہے۔

---

[۱] بلی کا قاعدہ ہے کہ اپنی نجاست کو دبا دیا کرتی ہے [۲] یعنی گناہ تو خیر گناہ تھا ہی اُس پر عذر نامعقول کرنا گناہ سے بھی بڑھکر ہے۔ [۳] تم کو دم کے دم میں مہیا رہو جانا چاہیئے یعنی ہر لحظہ آمادہ رہنا چاہیئے۔

اگرچہ امر کا قاعدہ تم نے نہیں لکھا مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا جواب
ضرور غلط اور ناتمام ہوگا مستفسر نے امر میں حاضر کی تخصیص نہیں کی تو جواب میں امر حاضر و غائب
دونوں کا قاعدہ لکھنا ضرور ہوا کہ امر دو طرح کے ہیں حاضر و غائب۔ حاضر میں (۱) واحد مذکر حاضر
(۲) تثنیہ مذکر حاضر (۳) جمع مذکر حاضر (۴) واحد مونث حاضر (۵) تثنیہ مونث حاضر
(۶) جمع مونث حاضر چھ صیغے ہیں جن کے بنانے کا ایک قاعدہ ہی اور غائب میں چھ غائب
کے اور دو متکلم کے اور از بس کہ امر متکلم کے صیغے امر غائب کے صیغوں کی طرح بنتے ہیں امر متکلم
کے صیغوں کو تغلیباً امر غائب میں داخل کر دیا۔ کیا امر حاضر اور کیا امر غائب آخر صیغہ
دونوں کا حال یک ساں ہی کہ (۱) تثنیہ مذکر غائب (۲) تثنیہ مونث غائب (۳) تثنیہ مذکر
حاضر (۴) تثنیہ مونث حاضر (۵) جمع مذکر غائب (۶) جمع مذکر حاضر (۷) واحد مونث حاضر
سات صیغوں سے نونِ اعرابی ساقط اور نونِ اعرابی آخر میں نہیں تو حذف حرکۃ حرف آخر
یعنی اسکان بہ شرطیکہ آخر میں حرف علۃ نہ ہو ورنہ حذف حرف علۃ اول صیغہ میں جو تصرف
کرنا ہوتا ہی وہ امر حاضر و غائب میں مختلف ہی۔ امر غائب میں لام مکسورہ اول میں لگانا ہوتا ہی
اور امر حاضر میں پہلے حذف علامۃ مضارع یعنی تَ پھر بعد حذف التاء اگر متحرک ہی تو آخر
میں عمل لم اور اگر بعد حذف التاء ساکن ہی تو ابتداء بالسکون زبان عرب پر دشوار ہی اُس
کے رفع کرنے کو ہمزۂ وصل کہ وہ ملانے کی حالۃ میں لفظاً گر جاتا ہی اور لکھا جاتا ہیں باقی رہتا ہی
شروع میں لاتے ہیں اور حرکۃ ہمزہ تابع حرکۃ عین کلمہ ہوتی ہی لیکن عین مفتوح و مکسور دونوں کے
لیے ہمزہ وصل مکسور ہوتا ہی۔ یہ ہی پورا پورا قاعدہ امر کا۔ اب غور کر دیکھو تم نے لکھا ہرگز نہیں
تمہارے انگریزی کے جوابوں سے بھی بدحواسی اور عجلۃ ظاہر ہی یہ نہیں کہ مستفسر کی بات پر
خوب غور کر کے اور اطراف و جوانب پر اچھی طرح نظر ڈال کر ایک تُلا ہوا جواب دیا جائے مجھ کو
تم نے سمجھ لیا ہی کہ اس کی عادۃ بکنے کی ہی۔ خدا خود تمہارے دل میں ڈالے کہ اگر ایک
امتحان بگڑا تو خیر اگلے امتحانوں کے لیئے ایسی آمادگی کرو کہ ہر سال کا نمبر کامل حاصل ہو
تمہارے سوالات آخر کسی ممتحن نے دیکھ کر اُن پر نمبر لگائے ہوں گے۔ انھی سے پوچھو
کہ کیوں جناب میرے جواب میں کیا نقص تھا اور اپنے اس استفسار کی غرض اُن پر ظاہر کر دو کہ

میں صرف اس مطلب سے پوچھتا ہوں کہ امتحان آیندہ میں غلطی نہ کروں ۔

کیوں جی کانپور میں کہاں کالج ہی - البتہ وہ ملتقی[1] ہی دو ریلوں کا اور غدر میں جو انگریز مارے گئے اُن کا مموریل[3] گارڈن وہاں بنا ہی - بٹھور ایک قصبہ ضلع کانپور میں ہی وہ بڑا تیرتھ ہی راجہ رام چندر نے وہیں علم حاصل کیا اور وہاں ہر سال بڑا میلا ہوتا ہی - الہ آباد میں گنگا جمنا کا سنجوگ[2] ہی - اکبر کا قلعہ وہاں اور آگرے میں مشہور ہی ۔

خلاصہ یہ کہ میں نے تمہارے جواب پسند نہیں کیئے - اب جو نمبر تم کو وہاں کے ممتحن دیں اُن سے مجھ کو ضرور اطلاع دو اور لکھو کہ تم اپنی کلاس میں کیسے رہے - بڑا گریہ ہی کہ جو پڑھو تحقیق سے پڑھو اور یاد رکھو خصوصاً گرمیہ کہ یہ جس قدر ضروری ہی اُسی قدر تم اُس سے بے پروائی رکھتے ہو - ایک بڑا خوف یہ ہی کہ لکھکر نظر ثانی کرنے کی تمہاری عادت نہیں ہم لوگ تو اپنے جوابوں کے مسوّدے لے آتے تھے اور اُن کو کتابوں سے لاکر ملا لیتے تھے - بھلا خیر اگر ضیق وقت کی وجہ سے مسودہ نہ کر سکو تاہم جواب کو بہ غور دیکھنا ضروری ہی میں تم کو کسی قدر معذور بھی سمجھتا ہوں کیوں کہ یہ تمہارا پہلا امتحان تھا - یقین ہی کہ ان شاء اللہ تمہارے آیندہ امتحان عمدہ ہوں گے بہ شرطیکہ امتحان کا بُرا ہونا یا کسی ہم جماعت سے گھٹ کر رہنا تمہارے نزدیک موجب بے غیرتی ہو بھئی میرا تو یہ حال تھا کہ امتحان بگڑا تو مدتوں مجھ کو ملال رہتا تھا نحن رجال[4] وَھُم رِجال سب کیا کہ کوئی ہم سے اچھا ہو - ضرور ہمارا قصور رہتا ہی اور اگر ایک دفعہ کوئی بازی لے گیا تو دوبارہ کیوں لے جائے لا یُلدَغُ المؤمنُ من جُحرٍ واحدٍ مرّتین[5] - سچ کہا ہی عند الامتحان یُکرم الرجل او یُہان[6] معزز وہ ہیں جن کو امتحان میں کامیابی نصیب ہی - دہلی میں تمہاری تضییع وقت کے بہت سامان ہیں مگر پڑھنے لکھنے میں تمہاری مدد کچھ نہیں اور جو ہی اُس سے مستفید ہونے کا تم کو سلیقہ نہیں متنبی کے چند شعر لکھتا ہوں سہل ہیں جب تم کو امتحان سے پوری فرصت ہو تو ان کا حل لکھو مگر بے مدد غیرے

---

۱ ملنے کی جگہ - ۲ سنجوگ - ۳ یادگار باغ - ۴ ہم بھی مرد ہیں اور وہ بھی مرد (مرد برابر) - ۵ ایمان دار آدمی ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا یعنی پہلی ہی خطا پر متنبہ ہو جانا دلیل عقلمندی ہی - ۶ امتحان کے وقت کھلتا ہی - کہ یہ آدمی قابل عزت ہی یا ذلت -

صَحِبَ[1] النَّاسُ قَبْلَنَا ذَا الزَّمَانَا — وَعَنَاهُمْ فِي شَأْنِهِ مَا عَنَانَا
فَتَوَلَّوْا بِغُصَّةٍ كُلُّهُمْ مِنْهُ — وَاِنْ سَرَّ بَعْضَهُمْ اَحْيَانَا
رُبَّمَا تُحْسِنُ الصَّنِيعَ لَيَالِيهِ — وَلٰكِنْ تُكَدِّرُ الْاِحْسَانَا
وَمُرَادُ النُّفُوسِ اَصْغَرُ مِنْ اَنْ — نَتَعَادَى فِيهِ وَاَنْ نَتَعَانَا
غَيْرَ اَنَّ الْفَتَى يُلَاقِي الْمَنَايَا — كَالِحَاتٍ وَلَا يُلَاقِي الْهَوَانَا
وَلَوَ اَنَّ الْحَيٰوةَ تَبْقَى لِحَيٍّ — تَعَدَّدْنَا اَذَلَّنَا اَشْجَعَانَا
وَ[2]اِذَا لَمْ يَكُنْ مِنَ الْمَوْتِ بُدٌّ — فَمِنَ الْعَجْزِ اَنْ تَكُونَ جَبَانَا
كُلُّ مَا لَمْ يَكُنْ مِنَ الصَّعْبِ فِي الْاَنْفُسِ — سَهْلٌ فِيهَا اِذَا هُوَ كَانَا

فقط ۲ - مئی ۱۸۶۷ء

خط ۲۰

مجھ کو ابھی تک تمہارے اُسی خط کا جھگڑا لگا ہے جس میں تم نے حال امتحان لکھا تھا اور جھگڑے کیوں نہ لگے ہیں زمانے کے حال پر نظر کرتا ہوں پھر اپنی طرف دیکھتا ہوں کہ اربعین[3] سے متجاوز ہوا ضعف قویٰ مجھ کو محسوس ہونے لگا۔ تمہاری بدشوقی اور بداستعدادی کا یہ حال کہ پہلی سطر میں مرجع واحد اور ظلّلکُمْ میں کم اور اَیَّاکِ میں کِ اور لیالیہ میں ہ تین طرح کی ضمیریں شاید ہیں نے تم سے کبھی خط لکھوایا ہے اور اس میں زادت[4] معالیہ وبودِک فی ایامہ وکیالیھا آیا تھا۔ تم نے ضمیروں میں وہ غلط مبحث کیا کہ خیال کرنے

[1] ہم سے قبل بھی لوگوں کے اس زمانے کی رفاقت کی ہے اور اس کی بابت اُن کو بھی وہی رنج پونہچا ہے جو ہم کو پس سب کے سب اُس سے ناخوش ہی پھرے۔ اگرچہ لوگوں کو گاہ گاہ خوش بھی کیا۔ کبھی کبھی اُس کی راتیں حسن سلوک کرتی ہیں لیکن یہ احسان بھی تکدر سے خالی نہیں۔ دلوں کی مراد اتنی نہیں کہ ہم اس کے لیے آپس میں عداوت و رنج کریں۔ سوا اس کے کہ جوان مرد کالی کالی موتوں کا مقابلہ کر لیتا ہے اور ذلت و توہین برداشت نہیں کر سکتا اور اگر زندگی کسی صاحب حیات کی قائم رہتی تو ہم میں سے جو بہت ذلیل ہوتا اُسی کو ہم شجاع گنتے [2] اور جب کہ موت سے کوئی چارہ ہی نہیں تو ڈرپوک اور بزدل ہونا اخل عاجزی وناتوانی ہے۔ نفس کے لیے جتنی دشوار باتیں ہیں وہ جب تک نہیں ہوئیں جبھی تک دشوار ہیں اور جب ہوگئیں تو پھر محض آسان [3] چالیس برس [4] اُس کے رتبہ بلند ہوں اور روز و شب میں برکت آئے۔

سے ایذا ہوتی ہی۔ ہنوز دلی دور عربی دانی کا کیا مذکور ابجد تک درست نہیں۔ اب دوسری سطر پر چلو تو اداے میں الف ممدودہ کیا معنی ادا۔ ایک وزن مصدر مجرد ہی۔ جیسے بقا۔ نما۔ ادا الفریضۃ ادا الدین۔ ادا الیہ باحسان۔ فعال کا فاعال کیوں ہونے لگا۔ عربی آتی ہو اور قواعد مستحفظ ہوں تو معلوم ہو کہ لوگ کیسی کیسی غلطیاں کرتے ہیں۔ ادا ادب کو اداے ادب۔ آداب میں الف ممدودہ ہی۔ وہ جمع ہی ادب کی جیسے اقوال افعال اسی طرح آداب کا آداب ہوا۔ گویا ادب کا فرض ادا کرنے کے بعد۔ خدمت بھی بہ قاعدہ رسم الخط غلط ہی تا زائدہ ہیں سب گول ۃ یا چھوٹی لکھنی چاہئیں پس خدمۃ ہو الوگوں کی سند مت پکڑو یہاں قاعدہ کا مذکور ہی۔ پھر خدمۃ کے مونث ہونے میں کیا شک ہی۔ علامۃ تانیث ۃ موجود اس کی صفۃ متقدسۃ یا مقدسہ ہونی چاہیے نہ مقدس کہ وہ صیغۂ مذکر ہی۔ سنو صاحب تم ہو محصل۔ تمھاری نظر چھوٹے چھوٹے قاعدوں کا حفظ نہ کرے گی تو تم کو قاعدہ یاد کیوں کر رہے گا۔

تم کو میری اس عیب گیری سے تکلیف ہوتی ہو گی مگر معاف کرو میرا فرض ہی کہ تم کو تمھارے عیوب پر مطلع کروں۔ تم نے عربی کا امتحان تو کچھ بھی نہیں دیا اور یہی حال ضرور انگریزی کا ہوا ہو گا کیوں کہ جس کی عادۃ احتیاط کی ہوتی ہی وہ سب چیزوں میں احتیاط کرتا ہی انگریزی سے میں خود عاجز ہوں اس واسطے کہ مجھ کو نہیں آتی اور اگر میری تقدیر میں لکھا ہی تو خدا کرے وہ علم دین ہو۔ میں بڑھاپے میں انگریزی سیکھ کر کیا کروں گا۔ مگر تم اس کے سخت حاجۃ مند ہو۔ تم مجھ پر نظر مت کرو کہ میں ایک سگ دنیا ہوں لیکن مجھ کو چھوڑ کر علم تمہاری ددھیال اور ننھیال کے لیئے تمغاے شرف رہا ہی کیا افسوس کی بات نہیں کہ تم خاندان علما میں ہو کر عربی میں خام رہو۔ بہ خدا مجھ کو ... وغیرہ کی حالۃ پر نظر کر کے افسوس ہوتا ہی۔ ہم لوگ ایسے نا اہل پیدا ہوئے کہ علم سے مناسبۃ نہیں۔ سو الشیر تم سنبھالو ع اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند۔ اگر صرف قران کا ایک رکوع بہ نظر تحقیق دیکھتے رہو یا حدیث کی کوئی کتاب شروع کر دو تو بھی خالی از منفعۃ نہیں مگر جو کچھ پڑھو تحقیق اور تدقیق کے ساتھ خدا تم کو توفیق دے اور میں اپنے جیتے جی عالم اور فہیم[له] بن دیکھوں۔

[له] تام آدمی۔

تم نے چھوٹی لڑکی کا نام بشریٰ خوب تجویز کیا۔ مجھ کو پسند ہی۔ میں نے اپنے خط میں فُعلیٰ مونث افعل التفضیل لکھا تھا۔ وہ بھی ہی مگر ایک فُعلیٰ صفتی کہلاتا ہی۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ یہ تو ایک نامنصفانہ بانٹ ہی ضِیزیٰ اصل میں ضُیزیٰ تھا۔ یٰ کی رعایۃ سے ضٗ کو کسرہ دیا گیا ہی لغۃ میں ضیزیٰ کے معنی لکھے ہوں گے جائرۃٌ من الجور۔ یہ قرآن کی آیۃ وردت[1] علیٰ مُشرکی العرب کانوا یعتقدون انّ اللّٰہ تعالیٰ اتّخذ من الملٰئکۃ بناتٍ فاجابھم اللّٰہ بانّھم یُحبّون لانفسھم البنین ویجعلون للّٰہ بناتٍ فحینئذٍ قسمتُھم قسمۃٌ جائرۃ لایقتضیھا العدل والانصاف فانّ اللّٰہ اِن کان متّخذًا ولدًا لاستحقّ البنین۔ کبھی کبھی مرد خدا دو ایک سطر عربی بھی لکھا کرو۔ ۴ مئی ۱۸۷۶ء

خط ۲۱

مجھ کو اس کی خوشی ہی کہ تم اتنے بُرے نہیں رہے کہ فیل ہو جاؤ لیکن تا وقتیکہ تم نصف سے زیادہ نمبر حاصل نہ کرو پاسڈ[2] وتھ کریڈٹ یا اکوئٹڈ[3] ہم سلف وتھ سکسس کے مستحق نہیں ہو سکتے کیوں صاحب تم قاعدہ پڑھتے ہو تو تم کو کرٹیسائز[4] کا کیا خوف۔ کوئی کیسی ہی نکتہ چینی کرے تم کو جواب اطراف و جوانب کو بچا کر دینا چاہیے۔ تم کو مدرسوں نے پاس کیا یعنی اُنھوں نے تمھارا پاس خاطر کیا۔ بشیر۔ زبان دانی مقدم ہی۔ صرف۔ نحو۔ لغۃ۔ انشا۔ محاورات۔ امثال و حکایات پر زیادہ زور دو زبان دانی کے نمبروں پر بڑا لحاظ ہوتا ہی۔ اور سائنس گو فی نفسہ افضل ہی لیکن عام پسند نہیں۔ غرض ایسا قصد کرو کہ امتحان آیندہ میں یہ نقص باقی نہ رہیں بے شک کلاس میں ۰ ۸ طلبہ ہیں اور سب پر سبقت لے جانا مشکل ہی لیکن آخر کوئی

---

[1] عرب کے مشرکوں کے رد میں نازل ہوئی ہی جن کا اعتقاد یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو بیٹی بنایا ہی اُن کے اس اعتقاد کے جواب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہی کہ وہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں پس ایسی حالۃ میں اُن کی بانٹ نامنصفانہ بانٹ ہی جس کو عدل و انصاف قبول نہیں کرتا کیوں کہ اللہ اگر کسی کو اولاد ہی بناتا تو بیٹوں کا مستحق تھا۔

[2] تعریف کے ساتھ پاس کیا۔

[3] کامیابی کے ساتھ نکل آئے۔ [4] نکتہ چینی۔

اوّل ہوگا۔ کیا وجہ کہ وہ کوئی تم نہ ہو اور دوسرا ہو۔ ابھی چالیس دیکھ کر ڈر رہے ابھی حضرة یونیورسٹی کے امتحان میں ہزاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ؎

مرد باید کہ ہراساں نہ شود　　مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

کام یابی کی تدبیر یقینی یہ ہے کہ جو پڑھا ہے بہ تحقیق اور جتنا نظر سے گزرا یاد۔ اگر کوئی قاعدہ یا محاورہ یا کوئی مضمون قابل یادداشت آگیا ایک نشان خاص حاشیہ کتاب پر کر دیا یا بہ طور یادداشت ایک کتاب میں لکھ لیا اور اوقات فرصة میں غور کرتے رہے۔ محنة پائداری کے ساتھ جاری رکھو نہ یہ کہ سارا وقت غفلة میں ضائع کرو امتحان قریب ہو تو گھبرا جاؤ۔ اور ہر مہینے خود اپنا امتحان لے لیا کرو خود سوال بنا لیئے یا دوسرے سے بنوا لیئے اور بطور مشق اُن کے جواب لکھے۔ عربی میں اگر کہو میں سوالات بھیج دیا کروں۔ کمالِ فن عجیب قدرة اور قوةّ ہے۔ ایک زبان میں عمدہ معلومات ہو تو دوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں ضرور مدد ملتی ہے۔ جس قدر لوگ مجھ سے تعارف رکھتے ہیں سب تمھارا حال اکثر پوچھا کرتے ہیں ع فکر ہر کس بہ قدر ہمتہ اوست۔ کوئی کہتا ہے خوب کیا۔ کوئی کہتا ہے بُرا۔ یہ تمہاری کوشش اور محنة پر منحصر ہے کہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک احمق بناؤ یا دانش مند۔ خدا کرے کہ تم کو امتحانوں میں کام یابی ہو اور زور استعداد تم کو نصیب ہو۔ ریڈ صاحب بہادر تمہارے حالات کے مستفسر تھے اگر مناسب سمجھو تو کبھی کبھی ان کو چٹھی لکھا کرو۔ گرمی کا دن پہاڑ ہوتا ہے۔ دن کا سونا خلاف انتظام الٰہی ہے۔ [1]وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا اور ایک نقصانِ عاجل یہ ہے کہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں رات اُن پر دوبھر ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ تم نے دن کے سونے کی عادة نہیں کی تو دن بھر کیا کرتے ہو۔

تم نے ایک خط میں جنابمن لکھا۔ جناب اور من دو کلمے جداگانہ ہیں۔ اُن کا ملانا خلاف قاعدہ۔ عوام کو عائشہ میں بڑی غلطی ہے۔ عائشہ اور آسیہ دو نام ہیں۔ عائشہ

[1] رات کو ہم نے پردہ بنا دیا (کہ لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر آرام اور چین سے بسر کریں) اور دن کو روزگار کا (لوگ تلاش وجہ معاش میں سرگرم پھریں)۔

کے معنی جیونی یا جینے والی۔ عیش سے نکلا جس کے معنی زیستن۔ اور پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں اُن بیوی کا نام ہے۔ جو حضرت ابوبکر رضہ کی بیٹی تھیں۔ آسیہ علَم ہے فرعون کی عورت کا جس کے لغوی معنی غم خوار کے ہیں۔ آسی غم و غم خوارگی۔ پس اسٔیہ یا عاشیہ یا عاسیہ سب غلط یاد رکھو۔

لوگوں کی ضرورتوں میں کام آنا اچھی بات ہے لیکن اول خویش بعدہٗ درویش اپنی ضرورت تو سب پر مقدم ہے۔ ایسا مت کرو کہ تمہارا کام کا وقت لوگوں کے خطوط لکھنے یا بچوں و مبتدیوں کی تعلیم میں صرف ہو۔ تمہارا خط لکھنا اگر بہ کار آمد ہے تو صرف اسی قدر کہ مجھ کو لکھو۔

نحو میں توضیح المرام نہایت عمدہ کتاب ہے بہ شرطیکہ جی لگا کر غور سے اُس کو بالاستیعاب دیکھو اور یاد رکھو۔ مایغنیک فی الصرف بھی صرف میں اچھی ہے۔ مشارق الانوار جس کا ترجمہ مولوی خرم علی صاحب نے کیا تمھارے لیئے نافع ہے۔ ہر روز دو حدیث کا سمجھ کر دیکھنا بڑا فائدہ دے گا لیکن اپنے مطالعے سے استفادہ کرنا تم سے امید نہیں اس نظر سے میں بھی یہی صلاح دوں گا کہ عربی میں کوئی نہ کوئی چیز باہر ضرور پڑھو۔ تم نے منطق کا نام سن کر ہمت ہاردی ورنہ اب تک دو تین چھوٹی چھوٹی رسالے ختم ہوئے ہوتے اور ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو گئی ہوتی۔

اکثر سرکاری مدارس میں یہ دستور ہے کہ مئی۔ جون کے مہینوں میں مہینے سوا مہینے کی تعطیل ہوتی ہے تم نے اپنے کالج کی نسبت کیا تحقیق اور اگر بالفرض تعطیل ہو گی تو کب اور کتنے دن کی اور تم نے دی بسٹ یوز آف اٹ[له] کیا تجویز کیا شاید تمہارا میرے پاس چلا آنا زیادہ مفید ہوگا اس سے کہ دلی میں تمہارا وقت گراں بہا ضائع ہو۔

خط ۲۲

۱۲ مئی ۱۸۷۶ء

بشیر۔ اضافۃ یا حروف جارہ یا ظروف کی وجہ سے کے آتا ہے اور جب جملہ صفتہ یا صلہ آتا ہے تو کہ۔ برخواست غلط۔ برخاست صحیح۔ خواستن چاہنا۔ خاستن اُٹھنا۔

تمھارے آنے کی بابتہ بہت غور کیا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تم کو بلا لوں مگر حرارت موسم سے جی بہت ڈرتا ہے۔ اگر دھوپ میں ریل پڑ گئی تو تکان سفر اور گرمی سے شاید تم علیل ہو جاؤ۔ ہمت نہیں پڑتی کہ بلاؤں۔

له اس کا عمدہ استعمال ۔۱۲

بشیر۔ انگریزی کی زبان دانی پر پوری توجہ کرو۔ لٹریچر بڑی ضروری چیز ہے اس کا علاج ہے یادداشت کہ صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق یاد کوئی خیال نہ ہو جس کا طرز ادا تم کو سند آ گیا ہو نہ ہو اور گریمر۔ مجھ کو نئی روح کے حالات لکھتے رہو۔ خدا کرتا کہ بچ جاتی۔ اللہ تعالی اپنا کرم کرے

خط ۲۳

بشیر۔ تمہارا خط پونہچا۔ اشعار مشکل تھے مگر اشکال صرف لغات عربیہ کا ہے۔ عبارۃ مغلق نہیں۔ میں نے محنت سے جواب لکھا ہے۔ مہربانی فرما کر غور سے پڑھو۔ بے مصرف سمجھ کر پھینک مت دینا۔

میں طیار اور طوطا کو رو بہ راہ سمجھتا ہوں۔ ہندی لفظ ہیں جن کا ماخذ عربی میں نہیں فارسی میں طوطی دوسرا جانور ہے۔ لیکن اگر کوئی توتا اور تیار لکھ دے تو غلط نہیں کہا جا سکتا تم بشری کے لیئے دل چھوٹا مت کرو۔ یہ انتظام الٰہی ہے۔ اور ضرور اس میں کوئی مصلحت مضمر ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ[1] میں اب اچھا ہوں مگر تنہائی بہ جائے خود علالت جی خوش نہیں رہتا۔ خدا تم میں تلافی کرے اُن صدمات متواترہ کی جو سنیارع اولاد سے مجھ کو اور تمہاری والدہ بے چاری کو پونہچے ہیں۔

بشیر۔ گرمی ہے اور موسم ردی۔ احتیاط اور حفظ صحۃ کرو واللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہے والدعا

۱۸۔ مئی ۱۸۷۶ء

خط ۲۴

بیوی صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو۔ یہ بھی ایک دنیا کا دستور قرار پایا گیا ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاتا ہے لوگ اُس کی ماتم پرسی کیا کرتے ہیں۔ میں تم کو یہ خط اُس دستور کے مطابق نہیں لکھتا کیوں کہ مصیبۃ تنہا تم پر نہیں مجھ پر بھی ہے۔ میاں بی بی کا عجیب رشتہ ہے کہ مرد و عورۃ نکاح کے ہو جانے سے دنیا کی سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں

[1] ہم خدا کے ہیں اور اُسی کی طرف پھر جانے والے ہیں۔ یہ آیۃ ہے۔ نزول مصیبۃ کے وقت مفید صبر و تسکین۔

یہ بات کسی اور رشتہ میں نہیں پائی جاتی ہے۔ میرا تمھارا مال مشترک۔ گھر مشترک۔ کھانا پینا مشترک اولاد مشترک۔ آبرو مشترک۔ خوشی مشترک۔ رنج وغم مشترک۔ اگر یہ لڑکی جیتی تو کیا تمھاری اکیلی کی بیٹی ہوتی۔ نہیں میری تمھاری دونوں کی۔ پس اب اگر مر گئی تو کیا تمھاری اکیلی بیٹی مری۔ نہیں میری تمھاری دونوں کی۔ پھر بھی میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اس سے بڑا قوی تعلق تھا۔ لیکن روحانی تعلق کی وجہ سے شاید جس دن وہ مری ہے میرا دل خود بخود بے قرار تھا اور میں نے اُسی گھبراہٹ میں میاں بشیر کو خط بھی لکھا۔ تاریخ ملا کر دیکھو۔ غالب ہے کہ خط کی تاریخ اور اس کے مرنے کی تاریخ ایک ہوگی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ظہیر۔ نصیر وغیرہ کے مرنے سے یہ تو بخوبی تجربہ کر چکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ رہا رنج وہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے۔ میں تم پر الزام نہیں لگاتا۔ اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ نصیر کو کس قدر پیار کرتا تھا۔ اُس کی قبر میری آنکھوں کے سامنے ہے اور میں سوتا بھی ہوں۔ ہنستا بولتا بھی ہوں۔ دُنیا کا کوئی کام مجھ سے نہیں چھوٹتا۔ تو جب ظہیر۔ نصیر کے رنج کو ہم نے چند سال میں بھلا دیا۔ تو یہ لڑکی بے چاری کی دن کی تھی۔ آخر پھر دنیا اور دنیا کے کام۔ کتابوں میں بہت ٹھیک لکھا ہے کہ دانا اور احمق صبر دونوں کرتے ہیں مگر فرق اتنا ہوتا ہے کہ احمق رو دھو کر چپ کرتا ہے اور دانا شروع سے خدا پر نظر کر کے چپ ہو رہتا ہے غرض صبر تو آخر کرنا پڑے گا۔ پس کیا فائدہ کہ اپنا ثواب ضائع کریں دل کو مضبوط کر آنسو پونچھ سنبھل بیٹھو۔ خدا ہمارا مالک ہے۔ اُس نے دیا۔ اُس نے لیا۔ خدا کو ہم سے عداوت نہیں بیر نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے ہمارے نفع کے لیئے کرتا ہے۔ لیکن اپنی کم فہمی کی وجہ سے ہم اُن مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ دنیا کے انتظام پر نظر کرو تو تن درستی مال۔ اولاد۔ حکومت۔ شرافت۔ دین داری۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں ہیں اور یہ نعمتیں خداوند کریم نے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کی ہیں[1] فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ ہم کو بھی اس نے اپنی رحمتوں میں سے بہت بڑا حصہ عطا فرمایا ہے تو کیا ہم ٹھیکہ دار ہیں کہ خدا کی سب نعمتیں اپنے گھر میں گھسیٹ کر بھر لیں اور پھر اولاد سے بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہم محروم نہیں۔

[1] ایک سے ایک بڑھکر بنایا ہے۔

اُن کی عمروں میں خدا برکت دے۔ ان کو دین و دنیا کی فلاح ہو کافی ہیں اب زیادہ اولاد ے کر کیا کرو گی اُنہی پر اپنی محبت صرف کرو۔ ان کے حق میں خدا سے دعائیں مانگو۔ اور مصیبت پر صبر کرو کہ خدا کی مرضی۔ شاید عاقبت میں انہی مصیبتوں کے طفیل سے ہم پر رحم ہو کسی اُستاد کا کیا اچھا قطعہ ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا ۔۔۔ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

اے خدا ہم کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ آدمی کو چاہیئے کہ جب اُس پر کوئی مصیبت نازل ہو دوسرے بندگانِ خدا کے حال پر نظر کرے اور وہ پائے گا کہ ہزاروں آدمی اُس سے بدتر حالت میں مبتلا ہیں۔ تم گھر کے گھر میں بے چاری ۔۔۔ کو دیکھو۔ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ ہم ڈھ کروں احسان اور جھڑکیوں سلوک بھول جائیں اور تنکے بھر رنج کی برداشت نہ کریں۔ بشیر بچہ ہے۔ تم کو روتے دیکھ کر سہما جاتا ہوگا۔ اُس کے حال پر رحم کرو۔ اپنے حال پر رحم کرو کہ کیا تمہاری حالت ہوگئی ہے آخر یہ کالبدِ خاکی سدِ سکندر تو نہیں ہے۔ اسی طرح رنجوں کے مارے اس کو تحلیل کر ڈالو گی تو کیا انجام ہوگا۔ ۴ جون ۱۸۶۷ء

خط ۲۵

بشیر۔ لاؤ اُس مختصر اور گول قصے کے قاعدے کو زیادہ صاف کر ڈالیں۔ واضح ہو کہ سوائے الفاظ عربی کے گول ۃ لکھنی روا نہیں کیوں کہ یہ رسم الخط عربی کی ہے اور بس عجمی الفاظ میں ہمیشہ لمبی ت لکھنی ہوگی۔ جیسے بُت۔ دست۔ آتش پرست۔ مست۔ ہمالیہ پربت۔ سوت۔ مورت۔ عربی میں صرف چار قسم کی ت لمبی لکھی جاتی ہے۔ (۱) وہ تا جو ماضی کے صیغوں میں علامتِ فعل یا ضمیرِ فاعل یا مفعولِ مالم یُسمّ فاعلہٗ ہو جیسے ضربت ضربت ضربتِ۔ ضربتُ وغیرہ (۲) تا جمع مونث سالم جیسے مسلمات صناعات واہیات۔ نبات۔ (۳) تا رہ اصلی جیسے وقت۔ سبت۔ التفات۔ قوت۔ موت۔ (۴) جب لام کلمہ حذف ہو کر کلمہ ثنائی رہ گیا۔ تو اُس کے آخر میں جو تارِ تانیث لاحق ہوگی طولانی لکھنی ہوگی جیسے۔ بنت۔ اخت۔ اصل مادہ بنو۔ اخو ہے۔ ان چار قسموں کے

علاوہ جتنی تیتیں ہیں سب کو مختصر یا کول لکھنا ہوگا۔ ہذا فاحفظہٗ

تمھارے خط کے ایک لفظ لوالی میں بحث تھی لولو بروزن فعلل ایک وزن رباعی مجرد کا ہے۔ اُس کی جمع بروزن فعالل کہ ایک وزن منتہی الجموع کا ہے لآلی ہونی چاہیے لیکن عدول کسرے سے طرف ضمے کی درست نہیں تو لآلی رہ جائے گا۔

بشیر۔ تم بھائی بہن ملکر ماکو تسلی دو اور سمجھاؤ۔ غموں کے مارے اُن کا بدن بہت تحلیل ہوگیا ہے۔ تَاللّٰہِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ یُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ [1] ۔

بشیر۔ چند روز کے لیے ایسا التزام کرو کہ اکثر اپنی ماں کے پاس بیٹھا کرو تاکہ اُن کو ایذا دہ تصورات کا موقع نہ ملے۔

خط ۲۶

کیوں جی خیریۃ کیا لفظ ہے؟ ضرور عربی ہے۔ خیر و شر ایک دوسرے کی ضد ہیں پس ی اور ۃ مصدری ہوگی جیسے۔ قابلیۃ۔ جاہلیۃ۔ ی اور ۃ لگا کر صرف صفۃ کے صیغوں کو مصدر بناتے ہیں یعنی اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ صفۃ مشبہہ چنانچہ لفظ خیر اسم اور صفۃ دونو ہے بھلائی اور بھلا تو خیریۃ ٹھیر الیکن دہ جانے کہ لفظ خیر خود مصدر ہے تو اُس کو ی ۃ لگا کر مصدر بنانے کی کیا ضرورۃ ہے چنانچہ خیر و عافیۃ کہتے ہیں بس آیندہ سے صرف خیر یا خیر و عافیۃ لکھا کرو۔

تم نے غلط سنا کہ میں . . . کو پڑھاتا ہوں۔ صرف ایک دن مولوی صاحب کی آنکھوں میں درد شدید تھا۔ میں نے پڑھا دیا۔ میں اُن کو پڑھاتا نہیں بلکہ اُن کے پڑھنے پر رشک (حسد نہیں) البتہ کرتا ہوں۔ ماشاء اللہ ایسا کھرا اور ٹکسالی پڑھنا میں نے تو امیر زادوں میں نہیں دیکھا اور سبب اصلی اس کا یہ ہے کہ اوّل تو مولوی . . . کا طرز تعلیم ایسا ہے کہ بے یاد اور بے مطالعہ اُن سے کوئی پڑھ نہیں سکتا۔ اُن کو نئے مطالب کے بتانے میں تامل ہوتا ہے تا کہ پڑھا ہوا۔ دوسرے یا کہ لڑکوں سے محنت بہت لی جاتی ہے یہ بلا کی گھی ہے اور ہر روز

---

[1] اس کو لوا دریا درکو بلے پہ خدا کی قسم تو یوسف کی یاد سے باز نہ آئے گا یہاں تک کہ تیرے ہوش و حواس جاتے رہیں یا ہلاک ہو جائے یہ اخوان یوسف کا قول ہے یہاں اقتباساً نقل ہوا ہے۔ مرجع موت اور یوسف سے مجازاً

بلا ناغہ صبح سے نصف شب تک۔ اس میں کہاں تک فشار گردے دلی کرے گا۔ اب تم اپنی حالت
سے مقابلہ کرو۔ یاد اور مطالعہ دو لفظ ہیں جو تمھاری ڈکشنری[1] میں داخل نہیں رہی محنت
وہ اگر ہے بھی تو برائے نام۔ میاں بشیر۔ علم کسی کی میراث نہیں کرتے کی بڑی مشہور بات ہے۔
تم ان سب سے بہتر ہو بہ شرطیکہ جی لگاؤ اور کامل توجہ صرف کرو۔ تمھارا پڑھنا دنیا کی کل
ضرورتوں پر مقدم ہے۔ خدا کے لیے تم اسے غفلت مت کرو۔ تم فارسی کو زیادہ نہیں
تو اس قدر درست کر لو کہ مراسلت کر سکو۔ اگر غور کرو تو ایک پہاڑ کاٹنے کو ہے۔ فارسی انگریزی
عربی۔ علوم۔ ایک دفتر ہے لیکن ہمت قوی رکھو خدا تمھارا مددگار ہے محنت کیے جاؤ۔ ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۶ع

خط ۲۷

تمھارا دلی سے نفرت کرنا بہ تمھارے حق میں ایک فالِ نیک ہے جس کو خدا نے عقل وغیرہ
وہبیہ دی ہوگی ضرور ہے کہ وہ اہلِ دہلی کے اوضاع و عادات ناپسند کرے۔ تم اپنے تئیں
ایسا سمجھو کہ بہ ضرورتِ تحصیلِ علم پردیس میں ہو۔ تم ان جھگڑوں میں مت پڑو دَعْ[2] فِئَةً اَضَلَّهَا
اللّٰہُ کَیْفَ تُرْشِدُھَا میں جانتا ہوں کہ ان کو دینا اکارت ہے لیکن کیا کروں دینا ہی پڑتا ہے
تم اگر وہاں نہ ہوتے تو شاید برسوں بھی میں دلی کی خبر نہ لیتا اور تم کو معلوم ہے کہ میں نے ان
لوگوں کو ناقابلِ خطاب سمجھ کر مطلقاً ترکِ مراسلت کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے ان لوگوں کو
گزند کیا پہنچا ہے۔ میں کسی طرح ان کا بارِ خاطر نہیں۔ خدا نے تمام عمر مجھ کو ان کا شرمندۂ احسان
نہیں کیا اور جہاں تک ہو سکتا ہے سلوک کر دیتا ہوں۔ اگر شیوۂ انصاف سے دیکھو تو مرد
اور عورت بڑے اور چھوٹے ہر ہر متنفس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایصال نفع ضرور کیا ہے۔
احسان فراموشی کا علاج نہیں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے
مجھ کو ان کی مدح و ذم دونوں سے مستغنی کیا ہے۔ اگر یہ لوگ میری مدح کریں تو مجھ کو کیا
بخش دیں گے سوائے اس کے کہ مجھ کو خوش کر کے دو چار روپے مجھ سے لیں۔ مجھ کو کون سا
نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اور اگر ساری دلی میں مجھ کو برا کہتے پھریں تو میرا کیا نقصان۔

[1] لغات کی کتاب [2] چھوڑ اُس گروہ کو جس کو خدا نے گم راہ کیا ہے۔ کیوں کر تو اُس کو راہ پر لائے گا۔ متنبی
کے شعر کا ٹکڑا ہے پورا شعر یوں ہے۔ یا عاذل العاشقین دَعْ فِئَةً۔ اَضَلَّهَا اللّٰہُ کَیْفَ تُرْشِدُھَا۔

ہی قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ[1] اب وزرا بجنور والوں کی غیرۃ کو دیکھو کہ مولوی... صاحب کا مجھ پر کتنا بڑا حق ہے اور اگر آ ملکڑے ہوں تو میں اُن کو ٹال نہیں سکتا۔ اُن کے ہاتھوں سے مجھے کبھی کسی قسم کی ایذا نہیں پونہچی اور اُن کے مدمقابل حضرات دہلی ہیں کہ عمر بھر دیتا رہا اور پھر بھی اُن کے مزاج درست نہ ہوئے۔ حقیقہ میں یہ مادۃ حسد ہے۔ ان کو جلن اس بات کی ہے کہ خدا نے ان میں سے کسی کو یہ نعمۃ نہیں دی۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[2]

بشیر خدا کے لیئے تم اپنے خیالات اونچے حوصلہ فراخ ہمتہ بلند نظر سیر رکھو ؎

حقا کہ با عقوبتہ دوزخ برابر ست رفتن بہ پایمردی ہمسایہ در بہشت

تُف ہے اُس آسائش پر جو دوسرے کے طفیل میں حاصل کی جائے خدا تم کو کسی کا دست نگر نہ کرے اور ہمیشہ تمھارے ہاتھ سے لوگوں کو دلواتا رہے۔ برخوردار۔ تم ان سب باتوں سے قطع نظر کرو اور پڑھنے میں جی لگاؤ جس کی بڑی ضرورۃ ہے۔ تم اپنی کوئی حاجۃ...... سے متعلق مت رکھو اور تم کو میرے برتاؤ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کہاں تک تمھارے مقابلے میں روپیئے کو عزیز رکھتا ہوں۔ اے دشمنانِ عقل۔ اگر روپیہ تمھارے خلاف خواہش کچھ پس انداز ہو گیا ہے تو تم کو اس کا حسد کیوں ہے میں تو اس کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ یہ لوگ کبھی خوش ہو نہیں سکتے تا وقتے کہ اپنے حسد کے مطابق مجھ کو تنگ حال نہ دیکھیں وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ[3]..... بشیر۔ کہاں تک تم سے دکھڑا روؤں معاملے کی صفائی کا یہ حال کہ گھر کے گھر میں نصف روپیہ غائب تم ان جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع مت کرو ؎

عَجِبْتُ مِنْ شَيْخِيْ وَمِنْ زُهْدِهٖ وَذِكْرِهِ النَّارَ وَاَهْوَالَهَا
يَكْرَهُ اَنْ يَّشْرَبَ فِيْ فِضَّةٍ وَيَسْرِقُ الْفِضَّةَ اِنْ نَالَهَا[4]

اگر کہیں یہ خط نظر پڑ گیا تو نار فساد مشتعل ہو گی اور تم پر سب مل کر وِرغہ کریں کے اس خط

---

[1] کہدے کہ اپنے غصے میں جل مرو۔ اقتباس ہے [2] خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمۃ سے اختصاص بخشتا ہے اور خدا بڑا ہی فضل والا ہے [3] خدا نہیں چاہتا مگر یہ کہ اپنی روشنی کو پورا کرے... اگرچہ کو برا لگے۔ اقتباس ہے [4] مجھ کو شیخ اور اس کی پرہیزگاری نیز اس کے ذکر دوزخ سے تعجب آیا۔ چاندی کے برتن میں کچھ پینے کو بُرا جانے اور پائے تو چرائے۔

کو پڑھ کر چاک کر دینا میں نے صرف تمھاری اطلاع کے لئے یہ حال لکھا ہے ورنہ میں نے تو سمجھ لیا ہے ع شاد و باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ ..... کے باب میں یہاں بیٹھا ہوا کیا کہوں۔ دو مصالحہ اچھا ہے۔ بشرطیکہ صمیم قلب سے اس کی خواہش ہو اور طرفین سے اس کی تمنا کی جائے فاصلحا و الصلح خیر۔[1]

بشیر ذرا کھانے پینے میں احتیاط رکھا کرو وہ احتیاط یہ ہے کہ اوقات منضبط۔ خلاف وقت مت کھایا کرو اور اقسام اطعمہ بھی مضر ہیں۔ ایک غذا سے جو جی کو بھائے پیٹ بھر لینا ضامن تن درستی ہے۔ ۱۵ - جون ۱۸۷۶ء

خط ۲۸

تمھارے کان بھی اس مصرع سے ضرور آشنا ہوں گے ع خدا پنج انگشت یک ساں نہ کرد۔ طول اور وضع اور تعداد انامل[2] کے اختلاف سے انگلیوں کو اعانۃ اور استعانۃ کا عمدہ موقع دیا گیا ہے یعنی انگلیوں کے اختلافِ حالۃ نے ہاتھ کو زیادہ قوی اور بہ کار آمد بنا رکھا ہے مگر اس اختلاف کی بھی ایک حد ہے معین جس میں افراط و تفریط کی گنجائش نہیں۔ یہی حال ہے ایک خاندان کے لوگوں کا اگر ان کی حالتیں ایک اندازہ مناسب تک متفاوت ہیں تو یہ اختلاف منفرداً ان کے اور مجتمعاً سارے خاندان کے حق میں مفید ہوگا لیکن فرض کرو کہ کسی کے ہاتھ کی ایک انگلی بے موقع بڑھ کر گز بھر کی ہو جائے تو وہ لمبوتری انگلی عذاب ہوگی اپنے حق اور دوسری انگلیوں کے حق میں اور سارے ہاتھ کے حق میں۔ تمول کے اعتبار سے اپنے خاندان کے ہاتھ میں وہ لمبوتری انگلی میں ہوں نہ آپ خوش رہ سکتا ہوں ورنہ اوروں کو خوش رکھ سکتا ہوں

خط ۲۹

آج میں ... صاحب کے یہاں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھا کہ ... اور ... مولوی صاحب سے سبق پڑھتے اور ہر وقت ان کو ... صاحب اپنے روبہ رو بٹھا کر یاد کراتے۔ دانا احق[3] نما اگر نہ دیکھا ہو تو ... صاحب کو دیکھو کہ اس شخص کا قیافہ اور گفت و گو خالی

---

[1] پس دونوں مل جاؤ اور ملنا اچھی بات ہے۔ [2] انامل جمع انملہ انگلیوں کے بند یعنی پوریں۔ [3] یعنی ظاہر میں دیکھو تو معلوم ہو کہ احمق ہے مگر حقیقت میں بڑا سیانا ہے۔

از شگفتہ وسادہ لوحی نہیں۔ لیکن اپنے معاملات کو یہ شخص بڑے انہماک اور اہتمام سے انجام دیتا ہے۔ رعایا سے تعلقہ کو حسن تدبیر سے ایسا سر کیا آج وہ علاقہ مثل زر ہو رہا ہے۔ اب ان بچوں کی تعلیم میں اس بلا کی آمادگی اور تن دہی ہے کہ اگر اس کی کیفیت واقعی لکھی جاوے تو مبالغہ معلوم ہو۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں خیال گذرا کہ یہ شخص تین بیٹے رکھتا ہے اور جائداد وافر و مستمرے کا مالک ہے۔ اگر اس کے لڑکے نہ بھی پڑھیں تاہم کم سے کم ہر متنفس سو سو روپیہ ماہوار آمدنی رکھے گا۔ میرا کیا حال ہے کہ ایک بیٹا اور پیشہ نوکری اور علم میراث خاندانی۔ تو جب... صاحب کو اپنے بچوں کی تعلیم میں یہ سرگرمی ہے مجھ کو اس سے ہزار چند ہونی چاہیئے لیکن میں یہاں تم وہاں دور بیٹھے کیا کر سکتا ہوں۔ سوا اس کے کہ خطوط کے ذریعہ سے تاکید کیا کروں۔ لیکن پھر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آدمی کے دل کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے انسان کا بدن قید کیا جا سکتا ہے۔ اس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے ہیں۔ کان میں روئی ٹھونس سکتے منہ پر مہر لگا سکتے پر دل کو قابو میں نہیں لا سکتے۔ پس نہ میں تم پر جبر کرتا نہ تاکید بلکہ بہ عجز و الحاح تم سے عرض کرتا ہوں۔ کہ بشیر خدا کے لیے لیاقت پیدا کرو میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ تم سے توقعات پیدا کر لوں۔ جب تک تم کو لیاقت حاصل ہو اور اس لیاقت پر کوئی فائدہ مترتب ہو ضرور نہیں کہ میں جیتا رہوں۔ میرے باپ نے میرے پڑھانے میں بڑی جان فشانی کی تھی لیکن افسوس کہ وہ مرحوم و مغفور۔ تغمدہ اللہ باحسانہ واسکنہ بحبوحۃ جنانہ دنیا سے ناکام گئے۔ میرے ڈپٹی کلکٹر ہونے سے ان کو مطلق نفع نہیں پہنچا۔ پس ان کی محنت کا نفع نہ ان کو بلکہ مجھ کو اور تمہاری ماں بہنوں کو اور تم کو اور دوسرے اعزہ و اقارب کو پہنچا۔ جو معاملہ میرے والد اور میرے ساتھ ہو اگیا میرے اور تمہارے ساتھ ہونا ناممکن ہے اس سے قطع نظر خدا نے مجھ کو ایسی حالت میں رکھا ہے اگر اس کو ثبات ہو تو شاید تا دم مرگ مجھ کو ضرورت نہ ہوگی کہ تم کو تکلیف دوں۔ پس ایسی حالت میں میرا تم پر بار بار موکد ہونا بہ خدا صرف تمہارے ذاتی نفع کے لیے ہے جس کو میں بہ اقتضائے شفقت پدری اپنے ذاتی نفع پر مقدم رکھتا ہوں

لہ احمق نادانی لہ ہر وقت ایک کام کے پیچھے پڑے رہنا لہ جس کو ہمیشہ کے لیے قیام ہو لہ خدا ان کو اپنے احسان سے ڈھانپے اور اپنی جنتوں کے بیچوں بیچ بسائے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند۔ جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را
نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر۔ ہر آں چہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو
سود و زیان کا تفرقہ نیک و بد کا امتیاز نہیں۔ لیکن اتنا کہوں گا کہ تم کو بے قراری کا شوق
نہیں یہ اگر ہو تو پھر وہی تمھارا اُستاد ہی وہی تمہارا بازو مان۔ آدمی خود ایجاد کرتا ہی کہ کیا کروں
کیوں کر کروں و نسیسٹی از دی مدر آف انونشن[1]۔ پس نسسٹی[2] پیدا کرو اور وہ نہیں ہی مگر طلب صادق
جیسے زور کی بھوک۔ تڑاقے کی پیاس۔ یہ تصور کہ شاید عربی میں تم کو بہتر پڑھاتا مجھ کو اکثر ایذا
دیا کرتا ہی لیکن وہی شوق ہو تو ہر اُستاد باپ سے بڑھ کر کام دے ع شوق در ہر دل
کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ اس کہنے سے کیا فائدہ ہو گا کہ تم فلاں چیز
فلاں شخص سے پڑھو۔ خلاصہ یہ ہی کہ اپنے وقت سے پورا پورا فائدہ لو۔ تم بھی نہیں
کہہ سکتے کہ یہ فراغ جو تم کو ماشاءاللہ اب میسر ہی کب تک رہے گا پس اَن سرٹینٹی[3] کی
صورت میں صرف اس قدر تعطل[4] جائز ہی جو حفظ صحت کے لیئے ضروری ہی۔ میں کیا صرف تاکید کرنے
پر قانع ہوں میرا دل کم بخت کب صبر کرتا ہی۔ میں تمھارے فائدے کے لیئے پس انداز بھی
کرتا جاتا ہوں۔ لیکن سمجھتا ہوں کہ علم سے بڑھ کر دولت نہیں۔ اور اگر دولت علم پر میرا وہ اختیار ہوتا جو
روپیے پر ہی تو بشیر خدا کی قسم میں تم کو زبان تک نہ ہلانے دیتا۔ افسوس اسی کا ہی کہ دولت علم بے
اپنی محنت کے جمع ہو نہیں سکتی خدا اس کا گواہ ہی وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا[5] کہ میں تم سے روپیے
کو دریغ نہیں کرتا۔ اگر تم فیس مدرسہ کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدہ علمی حاصل کر سکو تو میں
بطیب خاطر اُس خرچ کو گوارا کروں گا چاہے وہ کتاب کے دام ہوں یا معلم کی اُجرت۔
الغرض میں تمھاری تعلیم میں ہر طرح کی کوشش مالی و دماغی و جسمانی و روحانی کرنے کو موجود
تھا اور ہوں اور رہوں گا۔ گو تم نے اب تک کامل شوق نہیں کیا لیکن پھر بھی مجھ کو تم سے امید ہی
اور میں باور کرتا ہوں کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور شوق کرو گے کیوں کہ خدا نے تم کو سمجھ اچھی
دی ہی[6] وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اگر میں تم کو نامور اور کامیاب زندگانی میں چھوڑ کر دنیا

---

[1] حاجت ام الایجاد ہی یعنی حاجت سے سب باتیں پیدا ہوتی ہیں [2] حاجت۔ منورة [3] تذبذب۔ عدم تیقن [4] بے کاری
[5] اور خدا کی گواہی بس ہی [6] اور یہ خدا کی دین ہی جس پر چاہے فضل کرے۔

اٹھ جاؤں تو ان شاء اللہ تعالٰی بڑے اطمینان سے جاؤں گا رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔[1]

۱۹ رجون ۱۹۶۷ء

خط ۳۰

کل تمہارا خط مولوی ... صاحب کے نام کا نظر پڑا۔ تم اس کو دشمنی تجویز کر دیا دوستی مجھ کو ہر وقت تمہارے عیوب پر نظر رہتی ہے۔ تمہارے خط میں کئی غلطیاں تھیں۔ سلام و علیک تمہاری معمولی غلطی ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ سلام علیک یا السلام علیک صرف وہی عبارت ہیں سلام کے لیئے موضوع ہیں۔ سر دوح کوئی رگ نہیں۔ سر دوالبتہ ایک رگ ہے جس کا خون نکالنے سے امراض وجہ[2] کا ازالہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی غلطیوں کو کہاں تک گرفت کرو گے۔ ہفت اندام کو ہفتم اندام۔ باسلیق کو باسلیخ بولتے ہیں۔ جمادی بروزن فُعالٰی مونث کا صیغہ ہے۔ الف مقصورہ علامت تانیث موجود ہے پس الثانیہ اس کی صفت ہو سکتی ہے نہ الثانی یعنی جمادی الاولیٰ و جمادی الثانیہ کہنا چاہیئے نہ کہ جمادی الاول اور جمادی الثانی جمادیٰ کے معنی ہیں زمین شور کے۔ چونکہ یہ مہینا عرب میں خشکی اور گرمی کا ہے جمادی کہلایا۔

۲۱ رجون ۱۹۶۷ء

خط ۳۱

تمہارا بہت وقت مراسلت میں صرف ہوتا ہے مطلق کھیلنے سے تو خط لکھنا پڑھنا بہتر ہے لیکن سٹڈی[3] میں خلل انداز ہو تو واجب الترک ہے اور جو شخص اس کثرت سے خط لکھے گا ممکن نہیں کہ وہ سٹڈی کے لیئے زیادہ وقت بچا سکے۔ میں تم کو منع نہیں کرتا لکھو پڑھو مگر اپنا اصلی مطلب فوت مت ہونے دو۔ عبث لگاوٹ تم ان کشامرہ[4] اور یورپ والوں سے کرتے ہو ان نابکاروں میں اُس کا عشر عشیر[5] بھی نہیں پاتا۔ ونا مہ ق ا اُس

---

[1] خدایا تو نے مجھ کو ملک دیا یعنی حکومت اور باتوں کی تاویل کا سلیقہ سکھایا اے پیدا کرنے والے آسمان و زمین کے تو آخرۃ میں میرا حامی مددگار رہ اور مجھ کو مسلمان اور ملا مجھ نکوکاروں سے
[2] چہرے کی بیماریوں کا دفعیہ
[3] مطالعہ کتاب۔ مراد ہے لکھنا پڑھنا تحصیل علم
[4] کشمیری کی جمع
[5] دسویں حصے کا دسواں یعنی سواں حصہ
[6] خلقۃ ۔

درجے کو پونہچی کہ ایک خط بیرنگ آجائے تو منہ بنائیں۔ گالیاں دیں۔ اور بے چارے ہرکارے سے ناحق دست و گریباں ہو پڑیں[۱] ۔ یہ اُلّو کے پٹّھے اشعار کیا سمجھیں مگران کو مثل اخفش[۲] بناکر مشق بہم پونہچانا اچھا ہی اس کا لحاظ رہے کہ تمہارے الفاظ پر یہاں بڑی گرفت ہوتی ہے اور یہ اچھی بات ہی۔ تم نے کہیں السّلامی علیکم لکھا تو یہ صریح غلط تھا۔ سلامی مضاف۔ مضاف الیہ یٰ اضافۂ معنوی ہی کیوں کہ جب صیغۂ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو اسی کو اضافۂ معنوی کہتے ہیں اور اضافۂ معنوی تعریف پیدا کرتی ہی مضاف میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو ورنہ تخصیص۔ تو یہاں یائے متکلم اعرف المعارف مضاف الیہ ہی تو سلامی معرفہ ہوا اب اُس پر الف پر لام آ نہیں سکتا۔ اور بھی چند غلطیوں کا تذکرہ یہ لڑکے مجھ سے کرتے تھے۔ اس میں بُرا مت مانو یہ ایک فائدے کی بات ہی۔ تمھارے عبارۃ پر ان کو سرقے کا احتمال ہی یعنی یہ کہ کسی کی عبارۃ چراتے یا کسی دوسرے سے لکھواتے ہو۔ ان میں شق دوم سخت مذموم ہی۔ سرقہ ابتدا میں سب کرتے اور اُس کا کوٹ[۳] نام رکھتے لیکن جب کوٹ کرو استاذوں کا کلام۔ صرف نامی لوگوں کے کلام پر نظر پڑتی رہے لیکن بشیر انگریزی کا درست کرنا مقدم ہی۔ اور یہ تو فراغِ خاطر کے مشغلے ہیں۔ اگر ابھی سے طبیعۃ کو اِدھر مصروف کروگے تو انگریزی سے محروم رہ جاؤگے۔ کجا اُردو فارسی۔ کجا انگریزی ستان[۴] بینہما بہرکیف جو کچھ کسی کو لکھو معترضانہ مخاصمانہ اُس کو مکرر دیکھ لیا کرو۔ والسّلام۔ ۲۷- جون ۱۸۷۶ع

خط ۳۲

کل و الاطولائی خط میں نے بھیجتے تو بھیج دیا لیکن تب سے خدشہ لگ رہا ہی دیکھئیے انجام کیا ہو۔ عقلوں کی سلامتہ اور نفوس کی صلاح معلوم۔ کسی معقولات کا اثر پیدا کر دینا متعذر۔ تم کچھ عقل رکھتے ہو لیکن تمھاری وقعۃ کیا ہی اور پھر کوئی آدمی اپنے تئیں احمق کیوں سمجھنے لگا سعدی کا کیا اچھا قطعہ ہی اور سچ یہ ہی کہ اس کا سارا کلام نظم و نثر عمدہ اور یاد رکھنے کے

۱؎ ہاتھا پائی کرنے لگیں ۲؎ اخفش بڑا عالم نحوی تھا اُس نے اپنا طریقہ یہ رکھا تھا کہ باریک مسائل نحو کو اپنے ایک بکرے کے آگے بیان کرتا تھا اور توضیح در توضیح کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اتفاق طور پر جب بکرے کا سر ہل جاتا تو الگ ہو جاتا اور سمجھتا کہ اتنی توضیح کافی ہی ۳؎ ایراد اقوال اساتذہ ۴؎ دونوں میں بڑا بل ہی۔

لائق ہے۔ ؎

چناں کہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم	یکے جہود و مسلماں مناظرہ کردند
وگر دروغ بود ہمچو تو مسلمانم	جہود گفت بہ توراۃ می خورم سوگند
صحیح نیست خدایا جہود میرانم	بہ طنز گفت مسلماں کہ گر قبالۂ من
بہ خود گماں نہ برد ہیچ کس کہ نادانم	گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد

بشیر۔ اگر ہو سکے تو بہ نظر تحقیق اس شخص کا کلام پیش نظر رکھو۔ میں کہاں سے کہاں جا نکلا غرض جتنے احمق ہیں وہ اپنے پندار میں احمق نہیں تو ایسی صورۃ میں کیا توقع کی جا سکتی ہے خصوصاً جب کہ اتو عائی رنجش درمیان میں ہو اگر تم دیکھو کہ زیادہ بے لطفی کا احتمال ہے تو اُس خط کو پھاڑ ڈالو اور . . صاحب کو مت سناؤ اور مجھ کو میری حالۃ پر چھوڑ دو۔

بشیر۔ خدا کے لیے جی لگا کر پڑھو اور پڑھنے پر محنۃ کرو۔ چند روز کی تکلیف ہے اور ان شاء اللہ عمر بھر کی آسائش۔ تم کو دہلی والوں کے جھگڑوں میں دخل دینا ضرور نہیں۔ تم یہ سمجھو کہ تحصیل علوم کی ضرورۃ سے مسافرانہ دہلی میں ہو۔ کتاب سے سروکار رکھو اور تمھارا وطن یا گھر میرے دل میں ہے جس قدر تم ان لوگوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہو گے آسائش میں رہو گے رہی یہ بات کہ فلاں شخص ہم سے کم محبۃ کرتا ہے اس کی کچھ شکایۃ نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اُس نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کی محبتوں کا محتاج نہیں کیا خدا کی محبۃ و مہربانی کافی ہے۔ تمھارا مزاج میری طرح اُس پر مریہے اور جب تم کو خلاف توقع لوگوں کی مداراۃ نظر آتی ہے تو بہ اقتضائے بشریۃ رنج ہوتا۔ استغنا کو اپنا اصول زندگی قرار دو غالب نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎ جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ۔ کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی۔ لگ لپٹ کر ضروری امتحان سے فراغۃ حاصل کرو۔ پھر کہاں تم اور کہاں دہلی۔ یہ بھی امور اتفاقیہ میں سے ہے ؎ با نیک خواہان متفق باش۔ غنیمۃ داں امور اتفاقی۔

یاد آیا کہ تم نے کسی خط میں المسلم[1] مرآۃ المسلم کو مرأۃ المسلم لکھا۔ مرآۃ اصل میں مفعلۃ ہے اوزان آلہ میں سے ہے مفعل۔ مفعلہ۔ مفعال۔ مادہ رای۔ مصدر مجرد رؤیۃ مرآیۃ کی ی

---

[1] مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے۔

بہ وجہ تحریک فتح ماقبل الف ہوگئی۔ مرآۃ یعنی دیکھنے کا آلہ وہ کیا ہے آئینہ۔ فارسی کی انشاؤں میں اکثر الفاظ عربی ملے جلے رہتے ہیں۔ جب کوئی ترکیب دیکھو اُس کی اصلیت تحقیق کرو مثلاً خاطر نیاز آثر اور تسلیمات کورنش سمات اور اسی طرح کے ہزاروں لفظ ہیں کہ بے توجہی میں نظر سے گزر جاتے ہیں اور تحقیق کرنے بیٹھو تو ایک گھنٹے سے کم میں وہ لفظ ٹھکانے نہیں لگتا۔

۲۸۔ جون ۱۸۷۶ء

خط ۳۳

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنی رائے کے ظاہر کرنے میں مطلق پاک نہ کرے جو لوگ ظاہر نہیں کرتے وہ رائے تو رکھتے ہیں۔ مگر بزدلی یا نفاق کی وجہ سے اُس کے اظہار پر قادر نہیں۔ گو تم اپنے پندار میں اپنی رائے کو منصفانہ سمجھتے ہو اور عجب نہیں کہ ایسی ہی ہو بھی لیکن میں اُس کے منصفانہ ہونے کا قائل نہیں ہوں تاہم میں تمھاری مدح کروں گا کہ تم نے ویکر سکش[۱] کی جانب داری کی۔ انسان جس سوسائٹی[۲] میں ہوتا ہے وہ اپنے تئیں سوسائٹی کے انفلوئنس[۳] سے بچا نہیں سکتا پس پہلی دلیل تمھاری پارشیلٹی[۴] کی تمھارا اُس سوسائٹی میں ہونا ہے اِنَّ[۵] الْاِنْسَانَ خُلِقَ ضَعِیْفًا کے صنف میں ضعفائے بھی داخل ہے میں ایسا ہٹ دھرم نہیں (یا نہیں ہونا چاہتا) کہ تم مجھ کو میری فالٹس[۶] پر متنبہ کرو اور میں اعتراف کرنے سے عار کروں۔ میں تمھاری نظر میں اپنے تئیں اُس سے زیادہ نیک بنانا چاہتا ہوں اور اُس سے زیادہ معقول پسندی کی صفت ظاہر کرنے کی فکر میں ہوں جتنی کہ مجھ میں ہے اور یہ آدمی کے نیچر[۷] کا اقتضا ہے۔

خط ۳۴

تمھاری انگریزی نہ میرے پاس ہے اس واسطے کہ میں نے دیکھنے کا قصد بھی نہیں کیا اور دیکھتا تو کیا دیکھتا۔ اگر تم سوچ کر لکھو اور پڑھنے میں طرز ادا اور محاورات کا لحاظ کر لیا کرو تو شاید میرے برابر لکھ سکو۔ اور نہ وہ انگریزی۔۔ کے پاس ہے کیوں کہ اُن کو اتنا دماغ کہاں البتہ

۱ؔ صنف ضعیف یعنی نسواں ۲ؔ صحبت مجمع ۳ؔ اثر ۴ؔ جانب داری ۵ؔ یہ ہے کہ آدمی ضعیف پیدا کیا گیا ہے ۶ؔ قصور
۷ؔ طبیعت۔ سرشت۔

... بدد گریمر اُس میں اصلاح دے رہے ہیں۔ کیا تم اس لڑکے کی افتاد مزاج معلوم نہیں
ایک دو برس کے بعد وہ متقدمین پر بھی ضرور جرح[1] کرے گا۔ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد۔ مولوی ... کو تو کنایۃً میاں جی بد استعداد کہنے لگا۔ تم کو نہ
وہ پہلے کچھ سمجھتا تھا۔ نہ اب سمجھتا ہے اور اس کا سبب خود اُسی کی جہالۃ اور نادانی ہے۔ پس
تم ایسے احمقوں سے کیا معارضہ کرتے ہو کَلِّمُوا[2] النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ تم کو خدا نے
اُس پر اور ایسے ہزاروں پر برتری دی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ[3] عَلٰی ذٰلِكَ وَلَا فَخْرَ۔ تم اپنی حالۃ
کا موازنہ اپنے ابنائے جنس میں کرو۔ ... اپنے فخر خاندان ہیں مگر اُس خاندان کو علم وفضل
سے کیا مناسبۃ فارسی کو تو اُس نے مدۃ ہوئی طاقِ بلند پر رکھ دیا بدین عبارۃ "موت کر چھوڑا"
عربی میں ہر روز مولوی صاحب سے تو تو میں میں ہوا کرتی ہے۔ انگریزی کا حال مجھ کو معلوم نہیں
کسی سے کہتا تھا کہ گریمر ڈپٹی صاحب نہیں جانتے لنتہ میں نے کئی پوچھے اُن کو
نہیں آئے پھر نہیں معلوم انگریزی کیا جانتے ہیں۔ یہ اُس کا کہنا حق تھا مگر وہ
حق جس کو اَلْحَقُّ مُرٌّ[4] کہا ہے۔ ... کے مزاج میں ابھی کچھ سلامۃ روی ہے مگر عارضی ع
عصمۃ بی بی ست از بے چادری۔ تم کو کوئی ضرورۃ ان لوگوں سے بگاڑ کرنے کی نہیں
ہے۔ میں بھی ان لوگوں سے تفریحاً ملتا ہوں تم بھی ایسا ہی تعلق رکھو۔ دل خوش کن دو چار
باتیں کہیں سنیں الگ ہو گئے۔ غلطیاں جو تم نے گرفت کیں سب درست ہیں اور بہت
غلطیاں تم نے نظر انداز کیں ... خط لکھا ایسا کہ سراپا غلط۔ خود غلط املا غلط انشا
غلط۔ ایک جگہ تم نے زبانِ مقطوع البیان کو زبان مقطوع اللسان سمجھ کر لتاڑ کی ہے
زبان مقطوع اللسان یا لسان مقطوع اللسان بے شک مہمل ہے مقطوع البیان بھی عبارۃ
اچھی نہیں قاصر البیان چاہیے۔ لیکن کیا ... نے یہ لفظ اپنی طبیعۃ سے ایجاد کیا ضرور کسی
انشا سے لیا ہوگا۔ عجمیوں نے عربی کی ایسی بہت سی مٹی پلید کی ہے۔ کاش اسی کاوش سے
انگریزی پر نظر ہو اور ای کاوش یہی کاوش چندے عربی میں چلی جائے ماشاء اللہ ولا

[1] اعتراض [2] لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو [3] اور اس پر خدا کی ستائش نہ نازش
[4] سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔

قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ ۔

ایک محقق کا مقولہ ہے کہ انگریزی دو قسم کی ہے کتابی اور روزمرہ جسے (کرنٹ انگلش) کہتے ہیں۔ روزمرے کے واسطے اور قوۃ تحریر زیادہ ہونے کے واسطے اور معلومات عامہ کے واسطے مطالعۂ اخبار انگریزی ضرور ہے۔ تم کسی سوسائٹی یا کلب میں جایا کرو یا خود کوئی عمدہ اخبار لیا کرو۔ بشیر۔ پڑھنے کے سامنے خرچ کو نہیں دیکھنا چاہیئے اگر خدا برکت دے تو یہ خرچ ایسا ہے کہ چندروز میں اضعافاً مضاعفہ اس سے حاصل ہو گا پس یہ خرچ تجارۃ رابحہ۔

تم نے خط میں ذرا لکھ کر ذرا بنایا اصل میں ذرّہ عربی ہے۔ ذرّات جمع۔ تصرفات عجم سے مخفف ہو گیا تو لکھا یہ ذرا درست فقط۔

خط ۳۵

مولوی ... صاحب تمھارا اسباب لے گئے ہیں۔ تم اپنی ضرورۃ کی چیزوں سے مطلع رکھو۔ کتاب وغیرہ جو کچھ درکار ہو لکھ بھیجو۔ میں روانہ کر دوں گا۔ تم جو چاہو فرمایش کرو میری طرف سے بھی ایک فرمائش ہے کہ تم پڑھو۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

تم نے اپنا آخر فارسی خط تو درست کیا کہ ہاتھ سنبھال کر لکھتے ہو تو بھلا معلوم تا ہے۔ ذرا سا لحاظ قاعدوں کا کر لو کہ کس طرح حروف کو ترکیب دیں تو اور عمدگی پیدا ہو لیکن انگریزی خط کو تم نے پیٹ بھر کر بگڑنے دیا۔ خوش خطی کوئی کمال نہیں مگر ہنر ہے اور شروع میں تھوڑا سا اہتمام کرنے سے آدمی خوش خط ہو جاتا ہے اور جب ہاتھ نے ایک روش اختیار کر لی تو گھسیٹ میں بھی وہی شان باقی رہتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں ہنر

ؔ جو کچھ خدا نے چاہا اور قوۃ نہیں ہے مگر خدا کی مدد سے اور کافر قریب ہے کہ تجھ کو وعظ سنتے وقت اپنی نظروں سے ڈگا دیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے۔ یہ آیۃ دفع نظر کے لیے پڑھتے ہیں۔ ؔ مجلس ؔ انجمن سے چند در چند ؔ پُرمنفعۃ تجارۃ ۔

خوش خطی نہیں ہے تو کیا ضرورة ہے کہ تم میرے حائے سناقص کی تقلید کرو۔ خذ ما صفا ودع ما کدر اگر کچھ میں کوئی صفة ہے خدا تم میں وہ صفة علی وجہ الکمال پیدا کرے میرے عیوب سے خدا تم کو بچائے آمین ذرا انگریزی خط پر توجہ کرو۔ اگر قلم ودوات کاغذ علی وفق المراد نہیں تو چند پیسوں کی چیز ہے اور ہنر اگر ہاتھ میں آ گیا تو دولة لازوال۔

گو تم کو اپنی والدہ سے عارضی ناخوشی ہو لیکن بشیر تم کو خدا نے عقل دی ہے۔ تم اُن کی پوری اطاعة کرو ماں میں نمونہ شفقة الٰہی کا ہے اور ماں باپ کے جو حقوق شارع نے قرار دیئے ہیں وہ حقیقة میں تلافی ہے اُن احسانوں کی جو ماں باپ اپنی اولاد پر کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری والدہ کبھی تم سے بے سبب ناخوش ہوں لیکن ~ آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے۔ عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے۔

۲ جولائی ۱۸۷۶ء

خط ۳۶

مجھ کو تمہاری تین باتیں پسند آئیں۔ تم نے فارسی خط کچھ درست کیا قرآن مجید پر تمہاری نظر ہے کہ اس سے استشہاد کرتے ہو۔ یہ بڑی مفید چیز ہے۔ عبارة فارسی لکھنے پر قدرة پیدا کرتے جاتے ہو۔ اگر زبان انگریزی۔ گرامر۔ کمپوزیشن۔ اور علوم ریاضی میں بھی اسی نسبتہ کے ساتھ توجہ کرو تو بس کافی ہے۔ اس کو سمجھ لو کہ عربی فارسی لوگوں یعنی ابنائے جنس میں سرخروئی پیدا کرنے کی چیز ہے اور انگریزی تو فی زماننا ہذا رزق کی ڈوئی ہے۔ اگر انگریزی کو شرط رزق کہا جائے تو بجا۔ پس انگریزی کی طرف مزید توجہ لازم۔ اور ظاہرا تم یہ نہیں کرتے اور برا کرتے ہو۔ اجی حضرت انگریزی ہو تو اور عربی فارسی رو کھن۔ جتنی عربی فارسی تم اب جانتے ہو دنیا کی کاروائی کو بہت ہے۔ لیکن انگریزی کیا ہے ہیچ بدتر از ہیچ۔ اس کو خدا کے لیے سمجھو۔ مصیبة یہ ہے کہ مجھ کو انگریزی نہیں آتی ورنہ تم غفلة نہیں کرنے پاتے ۳۔ جولائی ۱۸۷۶ء

خط ۳۷

بشیر۔ اب میں بھی سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملا ہوں۔ میں نے پادری صاحب سے بائبل پڑھنی شروع کی ہے۔ افسوس کہ اُن کو ہفتے میں دو دن فرصة ہوتی ہے وہ صرف

۵۱ نتھرے ہوئے کو لے لو اور گدلے کو چھوڑ دو ۵۲ ان دنوں ۵۳ اصل زر راس المال ۵۴ توراة و انجیل کتاب مقدس

ایک گھنٹے۔ لیکن اتنا بھی خالی از منفعت نہ ہوگا۔ پہلے ہی سبق میں مجھ کو اپنی چند غلطیوں کی تنبیہ ہوا ہوگی۔

خط ۳۸

شبیر الدین احمد بارک اللہ فیک[1]۔

خدا کی شان ہے وہ شخص جو برسوں دہلی کو خط لکھنا نہ جانے اب دہلی کے خط کو ترستے ہیں تمھارے طرز مزاج سے خوب آگاہ ہوں اور مطمئن ہوں کہ تم نے خط کا لکھنا اپنے ارادے سے بند نہیں کیا عجب نہیں کہ تم کو وہاں کے عقلا نے مخبر یا نمام[2] کہا ہے اور تم نے اُس تہمت کا انتقام یوں لیا ہے کہ مراسلۃ موقوف۔ لیکن ترکِ مراسلۃ میں تم اپنا بڑا نقصان کر رہے ہو۔ آخر میں تم کو یہاں دور بیٹھا ہوا تعلیم نہیں کر سکتا تاہم نیک صلاح تو دے سکتا ہوں۔ مجھ کو امید ہے کہ عربی کے اصلاحی خطوط فائدہ دیتے ہوں گے۔ انگریزی میں اصلاح نہیں نہ سہی صلاح کیا کم ہے۔ پس تم بہ قدرِ تعلق تعلیم ترکِ مراسلۃ مت کرو اگر علیٰ وفق العادۃ[3] المعہودہ تمھارے اصلاح طلب خطوط کا سلسلہ جاری رہے مجھ کو رضامند رکھنے کے لیے کافی ہے میں انھی خطوط سے تمھاری ذاتی خیر وعافیۃ بھی مستنبط کر لیا کروں گا۔ تمھارے امتحانی سوالات کل میں نے واپس کر دیئے۔ سوالات کا واپس دینا ایک اچھا طریقہ ہے اس سے تم کو اپنی غلطیوں پر تنبہ ہو سکتا ہے۔ میں نے سید احمد خاں کے کالج کے کاغذات بھی تم کو بھیجے تھے اب سید احمد خاں نے پنشن لی اور بہ نفس نفیس مقیم علی گڑھ رہیں گے ضرور ہے کہ اب مدرسے کا انتظام یوماً فیوماً عمدہ ہوتا جائے۔ سید احمد خاں کو سکالرشپ[4] بہت مل گئی ہیں اور یہ جلبِ[5] رغبات کا اچھا ذریعہ ہے۔

مائیننک فی الصرف۔ کے پروف عنقریب آنے والے ہیں۔ میں اُن کو تمھارے پاس بھیجتا رہوں گا۔ مائیننک اور توضیح المرام گو اُردو ہیں لیکن غور سے سمجھ کر پڑھو اور یاد رکھو تو صرف ونحو میں کافی ہیں۔

پہلے امتحان میں جس مضمون میں بُرے رہے اُس پر زیادہ توجہ کرو۔ مجھ کو اپنے لکھنے پڑھنے سے بے خبر مت رکھو کیوں کہ اُس کا گزند تمھاری طرف عائد ہوتا ہے۔ ۳۔ اگست سنہ ۱۸۶۷ء

---

[1] خدا تم میں برکت دے [2] چغل خور یعنی چین [3] معمولی عادۃ کے موافق [4] وظیفہ [5] رغبتوں کی کشش۔

خط ۳۹

میں نے ... کا خط بجنسہٖ بھیج دیا تھا اور پوچھا تھا۔ کہ جو کہو سو کردوں؟ لیکن تم نے میرے استفسار کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اس واسطے کہ مطلقاً مجھ کو خط لکھنا ہی غیر ضروری رہا ہو اب ... نے اپنے والد کو لکھا ہے کہ ... سخت محتاج ہے اور ... بیمار اور لڑکی کا نکاح درپیش کچھ آپ دیجئے اور کچھ ڈپٹی صاحب سے دلوا دیجئے۔ میں نے تم کو لکھا تھا اور تم کو پہلے سے معلوم بھی ہوگا کہ ... سے میں نے ایک طرح کا وعدہ ضرور کیا تھا مگر وعدہ ایسے عام الفاظ میں تھا کہ میں نے کسی مقدار خاص کی تعیین نہیں کی اور اس میں فی الحقیقہ یہ شرط معہود فی الذہن مضمر[۱] تھی کہ وہ انجازِ وعدہ[۲] تک تم لوگوں کو رضامند رکھے۔ سو اُس دشمن عقل نے شاید ایسا نہیں کیا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ من حیث القرابۃ[۳] ... کو کچھ استحقاق نہیں لیکن استحقاق تعارف ہے ع اِنَّ المَعَارِفَ فِی اَھْلِ النُّھیٰ ذِمَمٌ[۴]۔ دہلی کے لوگوں سے اُس اطاعت اور وفاداری کی توقع رکھنا جو یہاں کے نوکر کرتے ہیں ایک توقع بے جا ہے۔ خصوصاً ہرجائی اور ہر بابی جیسے ... اور ... کہ یہ لوگ اپنی چرب زبانی سے شکم پروری کرتے ہیں۔ کسی کے پابند نہیں چاپلوسی اور خوش آمد سے جہاں موقع ملا کام نکال لیا اگر ان کا یہ شیوہ پیش نظر رکھو تو پھر ان کی کوئی حرکت ناگوارِ طبع نہ گزرے۔ تم اپنی غلط فہمی سے توقعات بیجا پیدا کر لیتے ہو اور جب خلاف توقع کوئی امر پیش آتا ہے تم کو بُرا لگتا ہے اور بے شک بُرا لگنا چاہیئے۔ مولوی ... روپیہ بھیجتے ہیں۔ میں نے بھی ... روپیہ دینے کو کہہ دیا ہے سو بھائی اگر بہ طیب خاطر تمہارا اور تمہاری والدہ کا جی چاہے تو دو ورنہ خدا کے نام کا دینا ہے۔ جس کو زیادہ مستحق سمجھو بہ تفاریق یا یکمشت اُس کو دو۔ ... وغیرہ گو یہ لوگ بُرے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسی بُرائی کے ساتھ انھوں نے اپنی عمریں تمہارے گھر یا کنبے میں بسر کردیں اور بہ وقت ضرورۃ خوش دلی یا بے دلی سے تمہارے شریکِ حال بھی یہی لوگ ہوتے ہیں میں روپیہ تم کو دیتا ہوں کہ اس کو راہِ خدا میں صرف کرو اور مصرف اس کا متعین نہیں کرتا

---

[۱] ذہن میں ٹھیری ہوئی [۲] ایفائے وعدہ [۳] قرابت کے لحاظ سے [۴] جان پہچان کی بھی عقل مندوں کے درمیان ذمہ داریاں ہیں۔

لیکن مجھ کو امید ہے کہ اس خط کے پہنچتے تک تم کو . . خوشنود کرے گی والسلام۔

۵۔ اگست سنہ ۱۸۷۶ء

خط ۴۰

چھوٹی[۱] طلائی گھڑی آج روانہ کی جاتی ہے اگرچہ لوگ منع کرتے تھے کہ لڑکوں کو ایسی قیمتی چیز کا دینا مناسب نہیں لیکن میں نے مضائقہ نہیں کیا کیوں کہ تم لڑکے تو ہو مگر خدا کے فضل سے بے تمیز بچے نہیں ہو کہ گھڑی کی احتیاط یا حفاظت ضروری نہ کرسکو۔ دوسرے تمھاری جائز خواہشوں کا پورا نہ ہونا مجھ کو پسند نہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ گھڑی اگر بے قدر ہے تو صرف اس سبب سے کہ مجھے مفت ملی ہے اور میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ جب یہ گھڑی نئی نئی مجھ کو مفت ملی تو ہنڈرسن صاحب بہادر کلکٹر کانپور نے دیکھ کر کہا کہ[۲] اینڈ کلوی کی دکان سے لااقل[۳] چھ سو روپیے کو ملے گی اور زنجیر پورے رکی۔ تو مجموع کو فی الحال لااقل پان سو کا مال سمجھو چوں کہ مجھ کو شوق نہ تھا۔ میں نے نہ تو اس کے لیے کوئی عمدہ خانہ بنوایا نہ خوش نما غلاف سلوایا اور نہ نفیس آویزے لٹکائے بلکہ کنجیاں میلی ہوگئی تھیں اتنا بھی نہ ہوسکا کہ انھی کو اجلوا لیتا یا تجدید ملمع کراتا۔ مگر اتنی احتیاط میں نے ضرور کی کہ اس کو بگڑنے نہیں دیا۔ جدھر سے گھڑی کو کی جاتی ہے کھول کر دیکھو دو سوراخ ہیں ایک سطح دائرہ یا مرکز دائرہ میں۔ اُس کی راہ گھڑی کا وقت ملایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ سوئی الٹی نہ پھرائی جائے یعنی سوئیوں کی اصل رفتار نشان ۱۲ سے نشان ۱ و ۲ وغیرہ کی طرف ہے۔ تو گھڑی کے ملاتے وقت بھی سوئیاں اصلی رفتار کے خلاف نہ چلائی جائیں ورنہ گھڑی کے پرزوں میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا سوراخ کوکنے کا ہے اور کوکنے میں سیدھی کنجی دی جاتی ہے جس طرح ہم لوگ معمولی قفلوں کو بند کرتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ گھڑی کے کھلانے میں ہمیشہ الٹی کنجی دینی ہوتی ہے تاکہ سوئیوں کی رفتار الٹی نہ ہو۔ اس کو غور سے سمجھو۔ لوگوں کی گھڑیاں دیکھو ان سوراخوں پر کنجی کے صدموں سے ایسے نشان پاؤ گے جیسے بیلوں کے نتھوں پر آر کے نشان ہوتے ہیں پر میری احتیاط پر آفریں کہو کہ ایسی جانچ سنبھال کے ساتھ

[۱] یہ وہ گھڑی ہے جو انڈین پینل کوڈ کے ترجمہ کے صلے میں مولوی نذیر احمد صاحب کو گورنمنٹ سے انعام ملی تھی پس وہ قیمتی ہونے کی علاوہ فخر کی چیز ہے۔ [۲] کلکتے کی ایک بڑی بھاری کمپنی جس کے ہاں ہر قسم کی اعلیٰ اعلیٰ گھڑیاں بنتی ہیں [۳] کم سے

کنجی پھیرتا تھا کہ دونوں سوراخ خدشہ وخراش سے محفوظ رہیں اور یہ حالۃ کامل پندرہ برس کے
استعمال کے بعد ہے۔

گھڑی کے متعلق چند باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ اوّل گھڑی کو حتی المقدور ہمیشہ ایک وقت معین پر کنجی دینا چاہیے یعنی جس وقت آج کوکی ہے دوسرے روز بھی اُسی وقت کوکی جائے۔ کنجی دینے کے لیے صبح کا وقت سب سے بہتر ہے۔ کنجی دیتے وقت دیکھ لینا چاہیے کہ کنجی گرد سے پاک ہے اور زنگ آلودہ نہیں ہے اور وہ مربع کیل جس میں کنجی دی جاتی ہے اُس میں کنجی برابر بھرپور بیٹھ جانے کے بعد آہستہ آہستہ پھرائی جائے جب تک کہ ازخود نہ رک جائے۔ دوم بے کار اور معطل رکھ دینے سے گھڑی کے خراب ہو جانے کا احتمال ہے۔ اگر استعمال نہ کرو تو یوں بھی دوسرے تیسرے کنجی دے کر رکھ دیا کرو۔ سوم۔ کنجی دیتے وقت گھڑی کو مضبوط ایک ہاتھ سے پکڑو اور صرف کنجی کو پھراؤ۔ گھڑی کو پھرانا یا چکر یا جھٹکے دینا ضرور نہیں۔ چہارم۔ گھڑی کی جیب کو ہمیشہ گرد سے پاک رکھو۔ پنجم جب گھڑی کسی کھونٹی سے لٹکائی جائے تو خیال رہے کہ وہ ہلتی نہ رہے بلکہ تھمی ہوئی رہے۔ جب نیچے رکھی جائے تو خانے میں رکھو یا کسی نرم چیز پر۔ کتاب یا میز یا کسی اور سخت چیز پر رکھنے سے دابرَش[1] ہوتی ہے۔ ششم جب کبھی گھڑی کسی وجہ سے بند ہو جائے یا اُس کے صاف کرانے کی ضرورۃ ہو تو ضرور ہے کہ کسی معتبر واقف کار درست کرنے والے کو دی جائے ورنہ عموماً یہ چھوٹ بھیئے بہ سبب ناواقف ہونے کے تمام ورکنگ[2] کو خراب کرکے گھڑی کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

خانہ اور کنجیاں دو چیزیں خراب ہیں۔ ان کو درست کرا لو۔ گھڑی کو بازیچۂ طفلاں مت بناؤ بلکہ عاقلانہ طور پر کام لو۔ سوائے تمھارے کوئی اُس کو نہ چھوئے کَائِنًا مَّنْ کَانَ[3] لوگوں میں مادّہ حسد ایسا عام ہے کہ شاذ و نادر کوئی نفس قدسی اس سے بری ہو تو ہو ورنہ دفع العین کے لیے بے ضرورۃ حاسدین کو دکھانا لاحاصل ہے مجھ کو یہ خوف نہیں کہ تم گھڑی کو بگاڑو گے۔ خوف یہ ہے کہ بہ اقتضائے شباب کہیں رکھ کر اٹھ کھڑے ہو ایسا نہ ہو دلّی کا کوئی عیار لے کر چلتا ہو۔ مدرسے کے لڑکے شاید اب بھلے مانس ہوں میرے زمانے میں کَانَ اَکْثَرُهُمْ فَاسِقِیْنَ[4]

---

[1] تھرتھراہٹ۔ لرزش [2] کیل پرزے [3] کے باشند۔ کوئی ہو [4] القرآن میں فاسق چور اور ...

مَا رَقِیْنَ کَاذِبِیْنَ ۔ تمھارا مکان جیسا کچھ غیر محفوظ ہی مجھ کو معلوم ۔ ایک دن پانچ وقت کی نماز پڑھ لینے سے تمھارے یہاں آدمی معصوم سمجھا جاتا ہی اور حال یہ ہی ؎

اے بسا ابلیس آدم روی ہست ... پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

الغرض تاکہ کسی وقت آیندہ میں لوگ میری تحمیق نہ کریں اس متاعِ گراں مایہ کو ضائع مت کرو ۔

خط ۴۱

بشیر ۔ اگر تم نے عربی اور اقلیدس میں پاس کیا تو مدح نہیں ۔ یہ چیزیں تم نے یہاں سمجھ کر پڑھی تھیں مگر تم تو جبر و مقابلہ اور حساب بھی یہاں سمجھنے لگے تھے ۔ تم زور لگاؤ اُدھر جادھر خامی پاؤ ۔

یہ تم نے کس سے سنا کہ میری تنخواہ میں اضافہ ہوا ۔ اضافے کا نمبر نہیں ۔ میور صاحب لفٹنٹ گورنر نہیں ۔ تم کو فوراً تکذیب کرنی چاہیے تھی اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِي الْبَيْتِ حق یہ ہی کہ اب وہ ولولہ مجھ میں باقی نہیں ورنہ دنیا دار الاسباب ہی چند در چند تدبیریں تھیں مگر مجھ سے اب کچھ ہو نہیں سکتا ع جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا ۔ اب تمھارا وقت ہی ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند ۔

آدمی کی ظاہری نمود کچھ بہ کار آمد نہیں ۔ اصلی نمود ہنر اور لیاقت کی ہی مجھ کو پوری امید ہی کہ تم پر کسب ہنر کی ضرورۃ ثابت ہو چکی ہی ۔ بس کسر اتنی ہی کہ اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دو اور اپنے اقران و امثال میں امتیاز پیدا کرو جب تم کو کسی مضمون میں فیل ہوتا سنتا ہوں میرا دل ٹوٹ جاتا ہی اور سوچتا ہوں کہ کیا تدبیر کروں کہ تم کو وہ مضمون آ جائے ۔ ۲۱ ۔ اگست ۱۸۷۶ء

خط ۴۲

تمھارے معاملات میں یہ بڑی مشکل ہی کہ اپنی ضرورۃ کی پیش بینی نہیں کرتے تم اپنی حوائج ضروری کا اندازہ کر کے ایک اوسط مقرر کر دو کہ اُسی حساب سے ایک مقدار کافی جمع کر دی جائے کہ وہ "بشیر فنڈ"[۱] ہو اور تم وقتاً فوقتاً بہ اختیار خود اپنی تجویز سے اس کو صرف کیا کرو جو روپیہ تمھاری

---

[۱] گھر والے تم کے حال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں [۲] خزانۂ بشیر ۔ تحویلِ بشیر ۔

تعلیم و آسائش میں صرف ہو مجھ کو ہرگز دریغ نہیں۔ میں صرف اسی قدر رکھتا ہوں کہ اپنی عادتوں کو مت بگڑنے دو کوئی آدمی نہیں جان سکتا کہ اس کو آیندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے اس سے قطع نظر۔ بگڑی ہوئی عادتیں عسر و یسر دونوں حالتوں میں تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ میرے سامنے وہی اگلے کو نمک[۲] ہیں۔ اب میری تکلیفیں انتہا کو پہنچیں۔ تمتعات دنیوی میں بس ایک کھانا تھا اس کا یہ حال ہے کہ کوئی ہفتہ فاقے سے خالی نہیں جاتا ع بس جی چکے بہت ہم اب کیا کریں گے جی کر۔

گھڑی کے بارے میں مجھ کو چند باتیں اور لکھنی ہیں۔ دو کنجیاں دو مصرفِ جداگانہ رکھتی ہیں ہیں ایک مرتبہ خوب پہچان لو کہ کون سی کنجی کس سوراخ کے لیے موضوع ہے تاکہ وضع[۳] الشئ فی غیر محلہ۔ نہ کر سکو۔ جس طرف آئینہ ہے اُسی طرف سے داخل گھڑی کھولا جاتا ہے۔ آئینہ ایک حلقے میں جڑا ہوا ہے اور حلقے میں وہ جگہ باہر نکلی ہوئی ہے جس میں ناخن اٹکا کر آئینے کو اٹھا دیتے ہیں۔ اس کے بعد دو فولادی نشان نیچے ہیں۔ ایک میں ناخن لگا کر اندر کو دبا دینے سے گھڑی خود بخود کھل جاتی ہے کوئی ضرورت داخل گھڑی کے کھولنے کی نہیں۔ رگیولیٹر کو کبھی تیز یا سُست کرنا پڑتا ہے اور اور وہ رگیولیٹر داخل گھڑی میں ہے۔ رگیولیٹر اُس پرزے کو کہتے ہیں جس سے گھڑی کی رفتار رگیولیٹ[۵] کی جاتی ہے اور وہ ایک لوہے کی سوئی ہے جس کی دونوں طرف درجے بنے ہوئے ہیں اور ایک طرف اس اور دوسری طرف ف لکھا ہوا ہے یعنی سلو[۶] اور فاسٹ۔ جب گھڑی سُست چلنے لگتی ہے یا تیز ہو جاتی ہے تو اس سے کام لیا جاتا ہے مگر عموماً عمدہ گھڑیاں رگیولیٹ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ تم داخل گھڑی کو بلا ضرورت شدید مت کھولو ورنہ احتمال ہے کہ گرد اور ذرات اس کے پرزوں میں گھس جائیں اور عمل اور ایٹماسفیر[۷] کے اثر سے گھڑی خراب ہو جائے۔ سب سے زیادہ خطرناک بات گھڑی کی مرمت ہے۔ چوں کہ گھڑی کے پرزے بہت نازک ہیں ضرور ہے کہ ہر سال اس میں واچ[۸] آئل دیا جائے یعنی صاف کرائی جائے تاکہ گرد وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ مگر جہاں عمدہ صاف کرنے والے نہ ملیں وہاں ایسے صاف

لہ تو انگریزی و منطقی ۲ے نمک حرام نوکر ۳ے چیز کو بے محل رکھنا ۴ے ملائی اور درست ۵ے کی جاتی ہو ۶ے سست تیز ۷ے ہوائے جوی اثر موسم ۸ے گھڑی میں ڈالنے کا تیل۔

کرانے سے گھڑی کا نا صاف ہی رہنا بہتر ہے۔ لوگ ایسے بدمعاملہ ہوتے ہیں کہ گھڑی کے عمدہ ولایتی پرزے بدل لیتے ہیں۔ اسی واسطے محتاط لوگ گھڑی کا مرمتہ کرانا پسند نہیں کرتے بعض وقت گھڑی ساز اپنی کم فہمی اور ناواقفیۃ سے بھی پرزے بے ترکیب جما دیتے اور گھڑی کو تباہ بلکہ از کار رفتہ کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ تم ان سب باتوں کو پہلے سے جانتے ہو لیکن بہ نظر مزید احتیاط مجھ کو لکھنا لازم تھا۔

... کو تم نے خطِ منظوم لکھا۔ اُس میں کثرۃ سے زحافات اور سکتات تھے اور بہت سے شعر ساقط الوزن۔ افسوس ہے کہ تمھاری طبیعۃ ناموزوں واقع ہوئی ہے۔ اس کی تدبیر کرو یہ عیب شاید متوارث ہے۔ ننھیال میں تمھارے ... صاحب کو وزن کا مطلق امتیاز نہیں اور ... کا بھی یہی حال ہے۔ اساتذہ نے اوزانِ اشعار کو منضبط کر دیا ہے۔ ہر خاص وزن بحر کہلاتا ہے۔ اُس میں ف ع ل - میں کلمات مقرر ہیں مثلاً۔ فعولن۔ مفعول۔ مستفعلن فاعلن۔ متفاعلن۔ فع۔ فعلاتن۔ فاعلاتن۔ نسیم کا یہ مصرعہ ع ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری۔ اس کی بحر ہے مفعولُ۔ مفاعِلُن۔ فعولُن۔ جس کی تقطیع یا توزین یوں ہے۔ ہر شاخ = مفعول۔ م ہے شگو = مفاعلن۔ فہ کاری = فعولن۔ اس طرح ہر ہر مصرع کو تقطیع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں وزن بگڑا اور جن کو خدا نے طبیعۃ کی مناسبۃ عطا فرمائی ہے وہ ایک مرتبہ پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں سکتہ یا زحاف ہے۔ شعر می گویم بہ از آبِ حیات۔ من نہ دانم فاعلاتن فاعلات۔ شعر ایک شعبہ موسیقی ہے جس میں تال اور سم سب موجود ہیں۔ تم نے وزن پر خیال نہیں کیا۔ اب سے اس کا خیال رکھو تو چند روز میں بحروں کی کو ذہن نشین ہو جائے گی اور یاد رکھو کہ ناموزونی ایک بڑا سخت عیب ہے۔

فارسی میں شاید یہ عمدہ تدبیر ہے کہ مولوی امام بخش صہبائی نے مینا بازار۔ پنج رقعہ۔ نثر ظہوری کی شرحیں لکھی ہیں۔ میں نے زمانِ طالب العلمی میں یہ کتابیں دیکھی تھیں۔ فی الواقع بڑی عمدہ ہیں۔ اگر ان کتابوں پر ایک نظرِ محققانہ ہو جائے تو فارسی میں استعداد متعارف حاصل کرنے کو کافی ہے اگر تم کچھ فارسی دیکھنے کی فرصۃ پاتے ہو تو انھی کتابوں کو دیکھو اور جب مناسبتہ پیدا ہو گئی تو بے تخصیص کتاب آدمی اخذ مفہوم کر لیا کرتا ہے۔

مشاغل متعدد اور وقت محدود ہیں وقت کے انتظام میں الاقدم فالاقدم کا قاعدہ برتنا چاہیئے یعنی مشاغل میں تقدم و تاخر ٹھیرالو مثلاً اول انگریزی اُس میں بھی مقدم زبان پھر سائنس اور انگریزی کے بعد عربی اور سب سے آخر میں فارسی۔

شاید تمھاری کلاس میں بھی سکالرشپ ہوں گی۔ ہرچند من حیث المالیۃ[۱] اس کی طمع نہیں کرنی چاہیئے لیکن اس اعتبار سے کہ سکالرشپ ایک علامتِ امتیاز ہے وہ ایک قدر کی چیز ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں جہاں تک ہو سکے سعی کرو۔

اب کے بڑے دن کے واسطے بڑی طیاریاں ہو رہی ہیں۔ ملکہ معظمہ نے خطاب قیصرۂ ہند لیا جس کی یادگار کے لیئے دہلی میں عمائدِ ہند کا اجتماع ہوگا۔ مالا عینٌ[۳] رأت ولا اُذنٌ سمعت۔

بابو شیو پرشاد صاحب کی انگریزی ایساپس فیبلز[۴] شاید تمھارے ساتھ چلی گئی ہے تلاش کی نہیں ملی یہ وہ کتاب حکایاتِ لقمان ہے جس میں سے چند حکایتوں کا ترجمہ حسب خواہش بابو شیو پرشاد صاحب میں نے کیا بابو صاحب اپنی انگریزی کتاب مانگتے ہیں اطلاع دو کہ تمھارے پاس ہے یا نہیں۔ ۲۷۔ اگست ۱۸۷۶ء۔

خط ۴۳

گھڑی کی رسید میں جو خط تم نے لکھا اُس میں یہ بھی پوچھا تھا کہ زنجیر طلائی ہے یا ملمع سو میرے علم و یقین میں وہ ضرور طلائی ہے اس واسطے کہ ایک معتبر آدمی نے ایک معتبر دوکان سے مول لی ہے اور پورے دام دیئے ہیں۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ انگریز طلائے خالص کا استعمال نہیں کرتے۔ لوگ جن کو انگریزوں کی نسبت بدگمانی ہے اس کو مکر و خدیعت پر محمول کرتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ خالص سونا اس قدر نرم ہوتا ہے کہ وہ زحمتِ نقش و نگار کا متحمل نہیں ہو سکتا اس مصلحت سے اور ٹانکے کی غرض سے اُس میں آمیزش کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے پس تمھاری زنجیر کا سونا بھی اس اعتبار سے کھوٹا ہے۔ ۱۷۔ ستمبر ۱۸۷۶ء

---

[۱] پہلے وہ جو سب پر مقدم ہے پھر جو اس سے کم ہے و علی ہذا۔ [۲] مالیۃ کے لحاظ سے [۳] جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اقتباس ہے حدیث سے [۴] حکایات لقمانیہ۔

خط ۴۴

اب تم کو ایک برس دہلی میں ہونے آیا۔ تم جانتے ہو کہ ایک برس میں کس قدر وسعت ہوتی ہے مجھے خیال ہے کہ شاید تم نے شرح ملا بالاستیعاب ایک برس میں پڑھ لی تھی۔ گو تم نے جیسا چاہیئے نہیں پڑھا لیکن ورقاً ورقاً نظر کرنے کو بھی وقت درکار ہے اب تم سوچو کہ تم نے اس برس میں کیا کیا۔ عربی میں تم نے ایک پنج ترقی نہیں کی اور یوں کہ تم کو خود بے قرارانہ شوق نہ تھا چندے یہ حیلہ رہا کہ استاد نہیں آخر کار مولوی ملے تو اب تم کو ضیق[1] وقت اور بُعد[2] کا حیلہ ہے لیکن اگر صرف تعطیل ہی کے دنوں میں اکتساب کا شغل کیا ہوتا تو بھی ایک مناسبت ہو جاتی۔ دوری کے واسطے سواری کا انتظام کر دو۔ تم کو تامل ہوتا ہے کہ میں اس خرچ کو پسند نہیں کروں گا حال آں کہ میں ایسے مصارف کو اکل[3] و شرب کے مصارف پر بھی مقدم رکھتا ہوں اس واسطے کہ تحصیل علم میں جو کچھ خرچ کیا جائے گا آگے چل کر تم کو اضعافاً مضاعفہ ملنے والا ہے۔ اگر تم اس برس یہاں ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں کہ قطبی نکل جاتی۔ اقلیدس۔ حساب۔ جبر و مقابلہ۔ سب کا حال مثل عربی کے ہے۔ رہی انگریزی۔ میں نہیں جانتا کہ تم نے کتنا فائدہ جمع کیا ہے اس کا فیصلہ تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔

بشیر۔ جہاں تک میں غور کرتا ہوں دنیا میں اپنے رہنے کی ضرورۃ نہیں دیکھتا اور نہ دنیا میں کوئی کام مجھے کرنے کو ہے۔ نہ اب کوئی نیا علم میں حاصل کر سکتا اور نہ اب وہ اگلے ولولے میری طبیعت میں باقی ہیں۔ رہی خدا پرستی اس سے تو میں کوسوں دور رہا ہوں۔ پس دنیا کا کام اگر ہے تو یہ کہ تم میرے جیتے جی پڑھ لکھ کر فراغ حاصل کرو کہ میں تمھاری طرف سے حسرۃ لے کر نہ مروں اور مرتے وقت مجھ کو اس کی تسلی رہے کہ میرے بعد تم کو مطمئن زندگی کرنے کا سامان مہیا ہے۔ میرے معدے میں ایسے فسادات ہو گئے ہیں کہ یوماً فیوماً زیادتی ہوتی جاتی ہے اور یہی حال ہے زندگی کا کہ خود بخود اس کل میں کچھ بگاڑ پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ ایک دن بند ہو جاتی ہے۔ تم اگر اور کسی غرض و مطلب سے پڑھنے کی ضرورۃ نہیں سمجھتے تو یہ مطلب کیا کم ہے کہ مجھ کو اپنے اخیر وقت میں اس تصور سے کہ تم نے پڑھا اور خوب پڑھا بڑی مسرۃ پہنچے گی

[1] تنگی۔ [2] دوری [3] کھانے پینے۔ ۱۲

تمھاری والدہ اگر نہیں آئیں تو اس میں کوئی مصلحۃ مضمر ہوگی عجب حالۃ ہو دنیا اور اہل دنیا کی کہ چند روزہ اجتماع میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے سے ملول ہو جاتے ہیں حال آں کہ افتراق ایک دن ضرور ہونا ہی۔ متنبی نے کیا اچھا کہا ہی سے وَلَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّنَا سَتُطِيعُهُ لَمَّا عَلِمْنَا اَنَّنَا لَا نَخْلُدُ۔ یعنی یہ تو ہم پہلے ہی سے سمجھے بیٹھے تھے کہ ایک دن مفارقہ ہونی ہی کیوں کہ ہم کو دنیا میں قیام[۱] خلود نہیں۔ بشیر۔ تم دلی والوں کے جھگڑوں میں اپنے تئیں مبتلا مت کرو۔ ایک ہوئی بات تمھارے سمجھنے کو بس ہی کہ تم سے علم و عقل و تجربہ و عمر سب باتیں مجھ میں زیادہ ہیں لیکن میں ان کے معاملات کے سلجھانے پر قادر نہیں ہو سکا اگر تسلی ہو تو اس میں ہی کہ بہت گزر گئی تھوڑی سی رہ گئی ہی۔ خدا اُس کو بھی آب رو کے ساتھ گزار دے اور خاتمہ بہ خیر کرے۔ اس تنہائی میں بھی راحۃ ہی۔ اتنا سمجھ لیا ہی کہ نوکروں پر بے اعتمادی نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ان لوگوں سے خصوص و اختصاص کا متوقع ہونا مناسب ہی۔ روپیہ کچھ زیادہ خرچ ہو جاتا ہی لیکن یہ لوگ مجھ کو آرام دینا جانتے ہیں۔ رہا وقت اس کو عمدہ طور پر صرف کرنا مشکل ہی۔ غرض انسان کے دل کو خدا نے کچھ ایسا بنایا ہی کہ جس حالۃ سے وہ خوگر کیا جاتا ہی اُسی میں رضامند ہو جاتا ہی۔ سے

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہی رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

البتہ اس کی خبر رکھو کہ تم کو خرچ کی طرف سے تکلیف نہ ہو۔ جب خدا نے دیا ہی تو اس سے متمتع نہ ہونا بھی ایک طرح کی ناشکری ہی۔ اب خدا کے فضل سے ایک مقدار معتد بہ موجود ہی تکلیف اٹھانے کی ضرورۃ نہیں۔ بڑی دولۃ تو تم ہو۔ خدا تم کو زندہ و سلامۃ رکھے اور توفیق نیک دے۔

تمھارے ہم عمروں کا یہ حال ہی کہ . . . نے آخر رو دھو کر باپ سے بنارس جانے کی اجازۃ لی۔ بلا مبالغہ ساری ساری رات اس لڑکے کو پڑھتے گزر جاتی ہی۔ یہ حاجی جی کی خوش قسمتی ہی۔ اور جانے کی کیفیۃ یہ کہ تنہا۔ اور جب پوچھا کہ میاں کیا کرو گے تو ہشاش بشاش جواب دیا کہ جب بھوک معلوم ہوگی بازار سے لے کر کچھ کھا لیا کروں گا۔

---

[۱] جب ہم کو یہ معلوم ہی کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں تو پھر خدا کا شکر ماننا ہی ضرور ہی۔ [۲] ہمیشہ رہنا۔

شوق اس درجے کو پونہچا ہی کہ کھانے کی ضرورت سے بھی اُس کو قطع نظر ہی وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ بھرے ... کا حال پڑھنے میں گو ... کا سا نہیں مگر مناسب حالت اچھا ہی لتھمبر جز[1] ہسٹری تک پونہچا اور اُس کو سمجھ بھی لیتا ہی۔ اس کو خودپسندی اور خویشتن ستائی اُچکاتی ہی۔ اب بے باکی یہاں تک نہیں کہ کرانی۔ انگریز۔ بابو جسے دیکھا بھڑ گیا دوسرے کی سنتا نہیں اپنی ہانک چلتا ہی۔ بشیر۔ اب کے سالانہ امتحان کے لیئے ہر ایک سبجکٹ میں ایسی طیاری کرو کہ تمام کلاس میں سب سے بہتر رہو۔ جن چیزوں میں تم کم رہتے ہو انھیں پر زور لگاؤ۔ اگلے سال مع الخیر سکنڈ کلاس میں جانا چاہیئے۔

۳۰ ستمبر ۱۸۶۷ء

خط ۴۵

سَلَامٌ لِعُودِ الهِنْدِ اَوْ كَعَبِيْرٍ   عَلَى الْوَلَدِ الْبَرِّ الرَّشِيْدِ بَشِيْرِیْ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَبْطَاءَ عَلَیَّ كِتَابُكَ فَمَا جَوَابُكَ۔ وَاَمَّا الْاِعْتِذَارُ بِالصَّوْمِ فَلَا يَعْصِمُكَ مِنَ اللَّوْمِ۔ لِاَنَّهٗ وَاِنِ اخْتَلَّ بِهِ الْاَوْقَاتُ۔ لٰكِنَّهٗ يَزِيْدُ فِی الْفَرَاغِ وَيُطِيْلُ السَّاعَاتِ۔ سِيَّمَا النَّهَارُ فَاِنَّ لَهٗ طُوْلًا لَا يَكَادُ يَزُوْلُ۔ وَلَوْ وَافَقَهُ الشِّتَاءُ مِنْ بَيْنِ الْفُصُوْلِ۔ فَلَا اَقَلَّ مِنْ رُقْعَةٍ مَرْفُوْعَةٍ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ فِیْ كُلِّ اُسْبُوْعَةٍ وَاَمَّا اِرْسَالُ الْحِكَايَاتِ اللُّقْمَانِيَّةِ اِلٰی وَاجِدِ شِيْرٍ بَرْشَادٍ فَلَا بُدَّ لِیْ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَاْتِيَنِیْ عَزِيْمُ الطَّلَبِ مِنْ لَدَيْهِ۔ وَنَحْنُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بَعْدَ شَهْرٍ بِاَهْلِنَا مُرْتَحِلُوْنَ اِلٰی سِكَنْدَرَهْ فُوْرَ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ وَالسَّنَةُ لَمَّا تَعْلَمُوْنَ لَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا شَهْرَانِ فَاسْتَعِدُّوْا لِلْاِمْتِحَانِ۔ وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ وَقَدْ جَرٰی بِهِ التَّمْثِيْلُ۔ عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ۔ يُكْرَمُ الرَّجُلُ اَوْ يُهَانُ فَيَا خَيْبَةَ مَنْ نَسِیَ مَا فِی الْكِتَابِ۔ وَلَمْ يُحْسِنِ الْجَوَابَ فَضَلَّ وَذَلَّ۔ وَصَغُرَ فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ وَقَلَّ وَاَنَا اَرْجُوْا زِيَارَتَكُمْ فِیْ زَمَانِ التَّعْطِيْلِ۔ وَاللّٰهُ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نَحْمَدُ وَنَحْنُ بِفَضْلِ اللّٰهِ فِیْ اَطْيَبِ حَالٍ وَعَيْشٍ عَنِ الْمَكْرُوْهَاتِ خَالٍ وَنَظُنُّ بِكُمْ كَذَالِكَ سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ اَقْوَمَ الْمَسَالِكِ وَالسَّلَامُ۔ وَعَلَيْهِ خَتْمُ الْكَلَامِ۔

ا؎ لتھمبرج صاحب کی تاریخ ترجمہ۔ صالح اور شایستہ لڑکے بشیر کو عودِ ہند اور عبیر کا سا سلام۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ تمھارے

خط کے آنے میں دیر ہوئی۔ اس دیر کا کیا جواب رکھتے ہو۔ اگر روزوں کا عذر ہے تو یہ الزام سے بچانے کو کافی نہیں کیوں کہ اگرچہ روزے اوقات میں خلل ڈال دیتے ہیں لیکن فراغ خاطر بڑھاتے ہیں اور اوقات میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔ خصوصاً دن کہ وہ تو ایسا پہاڑ ہو جاتا ہے۔ جیسے سر سے ٹلے ہی گا نہیں۔ اگرچہ موسم جاڑوں ہی کا کیوں نہ ہو پس مناسب ہے کہ کم از کم قلم بر داشتہ ایک رقعہ ہفتے میں ایک بار یا دو بار لکھ کر بھیج دیا کرو۔ رہا[1] حکایات لقمانیہ کا راجہ شیو پرشاد صاحب کی خدمت میں بھیجنا اس کے متعلق یہ ہے کہ قبل اس کے کہ ان کے پاس سے پیادہ طلب آئے مجھ کو اُس کی روانگی کی اطلاع ضرور مل جائے ہم اس مہینے کے بعد سکندرپور جائیں گے اور انجام کار خدا کے ہاتھ میں ہے سال کے صرف دو مہینے رہ گئے ہیں جیسا کہ تم کو معلوم ہے پس امتحان کے لئے ابھی سے طیاری کر چلو اور کیا خوب کسی نے کہا ہے جواب ضرب المثل کی طرح زبان زد ہے کہ تعظیم و توہین وقت امتحان کی معتبر ہے۔ پر اُس وقت کیا خرابی ہے اُس کی جو کتاب کی باتیں بھول گیا اور اچھا جواب نہ دے سکا پس بہکنے لگا اور رسوائی کھینچی اور لوگوں کی نظروں میں ہیٹا ہوا اور گھٹ گیا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے تعطیل میں ملوں گا اور خدا میرے لیئے کافی ہے اور وہ بھروسہ کرنے کے لیئے کیا اچھا ہے۔ یہ تو ہوا اور ہم لوگ خدا کے فضل سے بہت اچھے حال میں ہیں اور مکروہات سے پاک زندگی ہے اور گمان کرتے ہیں کہ تم لوگ بھی ایسے ہی ہو گے خدا تمھیں راہ راست دکھائے۔ آگے سلام اور اسی پر ختم کلام۔

عادۃً یوں پڑ گئی ہے کہ شب کو دو ایک بار نیند کے بیچ میں اکثر آنکھ کھل جاتی ہے اور کبھی نہیں بھی کھلتی تو طوعاً کرہاً جاگنا پڑتا ہے اور پھر قصد بھی کرتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔ پس سحر کے بعد کچھ کتاب بینی کرتا ہوں۔ آج شاید گھڑی غلط چلی کہ دیر سے بیٹھا ہوں مگر اسفار[1] صبح نہیں ہوا۔ جی میں آیا کہ تمھیں کو خط لکھوں۔ عربی کی سطریں میں نے غور سے نہیں لکھیں امید ہے کہ تم بآسانی سمجھو گے شاید ایک دو جگہ لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔ بڑے دن کی تعطیل میں آنا ہوا تو ان شاء اللہ ایک امتحان تمھارا میں لوں گا اور اگر ثابت ہو گا کہ تم نے وقت سے استفادہ کیا تو تم کو انعام بھی ملے گا۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۸۷۶ء

خط : ۴

اگر قدرتی گھڑی جس کے ذریعہ سے ساری دنیا کے گھڑی گھنٹے ٹھیک کیئے جاتے ہیں

---

[1] تڑکا۔ پو پھٹنا۔

یعنی آفتاب اور اس کا سایہ تمھارے حفظ اوقات کو کافی نہیں اور ابر و باد کے دنوں میں وہ قدرتی
گھڑی معطل رہ سکتی ہے تو چوک کا بڑا گھنٹا خبردار کرنے کو کافی نہیں ہے۔ لیکن مشکل ہے کہ جہاں
لڑکے اور کیوں کے غل میں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی دور کا گھنٹا کیا سُن پڑے گا۔
تم کو معلوم کہ میرے پاس دو گھڑیاں ہیں اور دونوں بے کار نہ تمھاری طرح مجھ کو حفظ اوقات
کی زیادہ ضرورت ہے اور نہ مردانہ زیور کی طرح مجھ کو ان چیزوں کے استعمال کا شوق میری
بدسلیقگی نے ان چیزوں کو ویسا ہی خراب کر دیا ہوگا۔ جیسا ارگن باجا۔ ایک جیبی گھڑی تو
تم کو روانہ کر دی گئی۔ فرماؤ تو کیرج[۱] کلاک۔ یعنی بڑی گھڑی بھی بھیج دی جائے ہر چند ڈاک میں
بھیجنا خالی از خطر نہیں لیکن ہزاروں لاکھوں گھڑی گھنٹے آتے ہی جاتے ہیں۔ حتی الوسع احتیاط
کی جائے گی یا اگر یہ شق پسند خاطر نہیں اور اپنا ہی گھنٹا بالتخصیص منظور ہے تو بازار سے مول لیجئے
نما لیا تم کو کلاک درکار ہوگا۔ بازاری کلاک پہلے پندرہ میں کو بکتے تھے پچھلے دنوں ایسے
سستے ہوئے کہ دس بارہ کو۔ اب بھی اتنے ہی کو ملتے ہوں گے ایک لے لو تحقیق
کرکے لکھو اچھا گھنٹا جس کے کیل پرزے خوب مستحکم ہوں اور کسی نامی کاریگر کا بنایا ہوا
ہو کتنے کو ملے گا۔ سچ کہا ہے۔ گراں بہ حکمت ارزاں بہ علت ان کم بخت گھنٹوں
میں بڑا عیب یہ ہے کہ گھڑی گھڑی بگڑا کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں تمھارے اس خیال پر
معترض ہوں۔ ایسے خیالات ہوا ہی کرتے ہیں اور خدا نے مقدور دیا ہے تو ان کو پورا
کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مجھ کو اس خصوص میں خرچ کی پروا نہیں میں
بطیب خاطر تم کو روپیہ دوں گا بلکہ جی میں آیا کہ ابھی بھیج دوں۔ پھر سوچا کہ پہلے پوچھ لوں کہ
میری گھڑی پروانت ہے یا بازار سے اپنی چیز لینے کا شوق ہے یہ چھیڑ کے لفظ دل سے نہیں
ہیں تحریر کی شوخی ہے۔

مولوی ... کا دہلی میں ہونا تم اپنے لیے بس غنیمت سمجھو۔ مولوی ... کی معلومات
چاہے علم ادب میں کم ہو مگر ان کی استعداد اچھی ہے بے شک نفحۃ الیمن اگر تحقیق سے

---

[۱] اس سے وہ ٹائم پیس مراد ہے جو سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر نے مولوی نذیر احمد صاحب مراۃ العروس
کی تصنیف کے صلے میں اپنی جیب خاص سے دی تھی اور افسوس ہے کہ چند سال ہوئے کہ وہ ریل میں جاتی رہی۔۱۲

پڑھی جائے تو اچھی کتاب ہے اگرچہ میں اُس کو بہت اچھی کیا بلکہ اچھی بھی نہیں کہتا لیکن اچھا بُرا ہونا امر اضافی ہے وہ اچھی ہے مبتدی کے لیے بُری ہے بلکہ بہت بُری منتہی کے لیے لیکن کیونکہ بھی میاں بشیر نفحۃ الیمن پڑھوگے یا منطق میرے نزدیک تو منطق کے چار پانچ رسالے نکال لیتے تو اچھا تھا۔ کم بخت ہندوستانیوں میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر مدد لینی چاہو تو مولوی . . . سے تم کو بڑی مدد مل سکتی ہے تم اُن سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہو جو مجھ سے کرتے ۔

سنو صاحب انگریزی تو سب پر مقدم ہے اور انگریزی کے بعد عربی اس واسطے کہ نرے انگریزی داں بہوت غیر مہذب دیکھے جاتے ہیں۔ رہی فارسی وہ تو نری زبان ہے ممکن نہیں کہ آدمی کل علوم میں کمال حاصل کرے جتنے کامل فن ہوتے ہیں وہ ایک فنے بھی ہوتے ہیں پس آدمی پہلے اپنی طبیعت کا موازنہ کرے کہ کدھر راغب ہے جس طرف رغبت صادقہ ہو بس وہی چیز آدمی خوب کرے گا لیکن ابھی کمال کا کیا مذکور ہے۔ یہ امتحان کے مرحلے طے ہوں تو کمال سے بحث کی جائے۔ اے کاش تم پر کسی طرح یہ ظاہر ہو جاتا کہ تمھارا لیاقت پیدا کرنا کہاں تک میرے دل کو لگا ہے۔ میری تمنا ہے کہ تم یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرو۔ تم کو خدا کے فضل سے معاش کی طرف سے فراغ کامل حاصل ہے۔ پس اے بشیر اے پیارے بشیر پڑھو اور دنیا میں نام و نمود پیدا کرو۔ یہ علم جو تم پڑھ رہے ہو دنیا و دین دونوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ خدا تم کو علم نصیب کرے۔

تم خرچ اور روپے کی پرواہ مت کرو وَالَّذِی[1] نَفْسِی بِیَدِہٖ مجھ کو تم سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ دنیا میں اب یہی ایک آرزو باقی ہے کہ تم کو خدا لایق کرے اور شاید اسی خوشی کے لیے میں زندہ رکھا گیا ہوں ورنہ جہاں تک غور کرتا ہوں دنیا میں اپنے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں پاتا۔

. . . سے تم ادب و عربیت کے سوال ناحق پوچھتے ہو۔ وہ صرف ہدایۃ النحو پڑھتا ہے۔ تم اس سے لاکھ درجے بہتر پڑھتے تھے۔ چندے مولوی . . . نے زبردستی جو

---

[1] قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کتب احادیث میں یہ قسم اکثر آئی ہے۔

کچھ بتا دیا تھا وہی اُس کا سرمایہ ہے اب مولوی صاحب معدوم البصر ہوئے ان سب کو پوری آزادی ملی۔ ۔ صاحب اپنے بچوں کے زیادہ خبرگیر رہتے ہیں۔ اس سے اُن کا پڑھنا چلا جاتا ہے مگر کب تک۔ دو چار برس بعد یہ دونوں بھی بلاتے روزگار ہوں گے جتنا کر رہے ہیں یہ بھی غنیمت ہے ورنہ ان لوگوں کو علم سے کیا مناسبت۔ لیکن بشیر تمھارا اور حال ہے۔ یہاں برخوردار علم نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور ۔ ۔ فخر خاندان ہے ہیں مگر تم کہو کہ تم بھی ایسا خیال کر سکتے ہو۔ ان لوگوں کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ مت کیا کرو۔ ان سے بہتر ہونا بھی میرے نزدیک عیب ہے۔ یہ بے چارے کیا تھے اور کیا ہیں اور کیا ہوں گے جب یہاں کے لڑکوں کا تم سے تذکرہ کیا جائے تو تم اِن کی حالتوں پر بھی نظر کیا کرو کہ ان کی کیا حالت ہے کیسے خاندان کے ہیں۔ کس طرح کی بے سامانی ہے۔ کچھ تو خدا کو ان سے بڑا کام لینا ہے کہ ان کو ایسا شوق دیا ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　میل آن اندر دلش انداختند

دیکھو امتحان سالانہ کے لیئے کامل طیاری کرو کہ ہر طرف سے آفرین و تحسین کا شور ہو اور ہر چیز میں پورے نمبر ملیں۔ تمھارے پڑھنے کی طرف میرا ایسا خیال لگا رہتا ہے کہ جب تم کو یاد کرتا ہوں ساتھ ہی یہ بھی تصور کرتا ہوں کہ کیوں کر بشیر کو نامی و گرامی دیکھوں گا۔

بڑے دن کی تعطیل میں دہلی آنے کا مصمم ارادہ ہے۔ صرف ایک خدشہ یہ گزرتا ہے کہ اس دفعہ ایسا ہجوم ہوگا کہ لا عَیْنٌ رَأَتْ وَلا اُذُنٌ سَمِعَتْ۔ اخبار سے معلوم ہوا کہ ٹاس صاحب کی کوٹھی جہاں نما۔ نظام حیدرآباد نے ساٹھ ہزار روپیے پر کرایہ لی جب کہ اُس کا معمولی کرایہ زیادہ سے زیادہ چار ہزار سال تھا۔ اور لوگوں نے ابھی سے قطب صاحب تک مکان روک لیئے ہیں۔ ایسے ازدحام میں سفر خالی از زحمت نہیں۔ مگر تم کو دیکھنا اور تمھاری استعداد کا امتحان لینا ضروری ہے جس طرح بن پڑے گا آؤں گا۔

عربی کا خط جس کو میں نے بعد الاصلاح واپس کیا مجھ کو خیال آتا ہے کہ ایک غلطی لکھنے سے رہ گئی ہے وہ یہ کہ تم نے اپنے خط کو یوں شروع کیا۔ الی الجناب لفلان من فلان

اور چاہیئے من فلاں الی فلاں۔ کیوں کہ من ابتدا غایتہ کے لیے ہے اور الی انتہا غایہ کے واسطے اور ابتدا پہلے ہے انتہا سے اور قاعدہ ہے کہ چیزوں میں جو ترتیب قدرتی ہے تحریر میں اس کا لحاظ ضرور ہے جیسے فرام ٹاپ ٹو باٹم اس کو اگر الٹا لکھو۔ فرام باٹم ٹو ٹاپ تو غلط ہوگا تمھارے خطوط میں بہت سی غلطیاں سہل انگاری سے رہ جاتی ہیں۔ اگر بہ تامل نظر ثانی کر لیا کرو تو ضرور تم خود اُن کو درست کر لیا کرو۔ انگریزی میں جو کچھ فائدہ تم کو حاصل ہوتا ہیں اُس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا لیکن اتنا تو ہے کہ تمھاری عربی گرتی جاتی ہے۔ جو میرا فرض ہے میں نے ادا کیا اور کرتا جاتا ہوں اس واسطے کہ بے ادا کیے مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ خدا کرے تم کو بھی اس کا خیال ہو کہ تم کو اقران و امثال میں نمود و امتیاز پیدا کرنے کی کس قدر ضرورت ہے

۲۴ راکتوبر ۱۸۷۶ء

خط ۴

مجھ کو ہر چند کوئی خاص ضرورت تم کو خط لکھنے کی اس وقت نہیں ہے مگر مولوی ... صاحب نے پرچہ مانگا اس واسطے یہ چند سطریں لکھ دیں۔ امتحان سالانہ بہت قریب ہے۔ اپنی جملہ ہمت[1] اور تمام توجہ حفظ کتب میں مقصور رکھو۔ اگر سال آیندہ میں تم نے سکنڈ کلاس میں ترقی نہ کی تو مجھ کو سخت افسوس ہوگا۔ ہر چند تم مجھ سے زیادہ مواقع اس بات کے تجویز کرنے کے رکھتے ہو کہ کامیابی کے لیے کون سی تدبیر عمدہ ہے لیکن زبان دانی بے تسوید یعنی کمپوزیشن کے نہیں آتی اور اس خصوص میں تم نے میرے نزدیک غفلت کی اور کرتے ہو۔ وقت کے انتظام کے ساتھ صرف کرنے میں عجیب برکت ہے تھوڑا تھوڑا روز حاصل کرتے کرتے ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے مدارس کی تعلیم اگر پسندیدگی ہے تو یہی کہ مختلف علوم اور متعدد فنون ایک ساتھ سکھاتے ہیں۔ اگر ایک ہی چیز کو آدمی دن بھر رٹا کرے تو طبیعت اکتا جاتی ہے۔ لیکن اگر کئی چیزیں پیش نظر ہوں اور باری باری سے دیکھے تو سارا دن پڑھتا رہے اور مطلق جی نہ گھبرائے۔ میں ایسا انتظام کر سکتا ہوں کہ اگر انگریزی کمپوزیشن بھیج دیا کرو تو پادری صاحب سے اصلاح لے کر واپس کر دیا کر دوں۔ یہ اُس صورت میں مناسب ہوگا جب کہ

[1] از سرتا پا۔ ساری ہمت۔

تم کو اصلاح دہندہ وہاں میسر نہ ہو۔ عربی میں مولوی ... صاحب تم کو بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں بہ شرطیکہ اخذ و اعطا کی شرطیں طرفین سے ادا ہوں فقط ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۷ء

خط ۴۸

شاباش میاں بشیر۔ جس کام میں لگے لپٹے ہو اپنے مقدور بھر کوشش کیئے جاؤ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنکُم[۱] ضرور اس میں برکت ہوگی۔ ان شاءاللہ دہلی آؤں گا۔ دلّو لا بسوعتہ اکا اقلّ منہا سبحان اللہ تم اور ... کی شکایت ع کہ آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے۔ شکایت اُن سے ہے جن کو عقل ہے

کرنے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب   تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں

ریڈ صاحب تم کو پوچھتے تھے۔ امتحان سے فارغ ہو کر اپنے حالات سے اُن کو ضرور اطلاع دینا میرے پاس اس مقام پر لغت کی کوئی کتاب نہیں اور تم نے عبارۃ سابقہ ولاحقہ لکھی نہیں کہ اُس کے سہارے سے جواب دوں پس جہاں تک اس وقت معلوم ہے تمھارے مستفسرات کا جواب لکھتا ہوں۔ جن کا جواب شافی اس وقت نہیں دے سکتا یا تو وہاں حل کر لو یا یہیں سے قبل امتحان حل کر کے بھیج دوں گا۔

(۱) وحسّن لہا القول قبل ان یحلّ بنا المکروہ حسّن کا مصدر تحسین۔ یا شاید امر ہو۔ مطالب کے لگاؤ سے دیکھ لو۔ حسّن لہا القول اچھا کیا واسطے اُس کے بات کو یعنی لطف و نرمی سے اُس کی ساتھ بات کی۔ یحلّ مضاعف باب نصر ینصر جیسے مدّ یمُدّ حلول مصدر مجرد ہم وزن و ہم معنی نزول۔ قبل ان یحلّ اسے قبل ان ینزل اس سے پہلے کہ ہم پر مصیبتہ نازل ہو۔

(۲) وَرَوّقَ لِی المُدامُ وَجلسنا لِلشّرابِ فَلَمّا تَحکّمَ الشّرابُ مِنّا روق تردیق چھانا

---

[۱] لین دین۔ لینا دینا مراد پڑھنا پڑھانا [۲] خدا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی کوشش اکارت نہیں کرتا [۳] اگرچہ ایک ہفتہ یا اس سے کم کے لیئے [۴] مولوی بشیر الدین احمد کے پاس اپنے والد کے اس طرح کے خطوط کا ایک انبار ہے میں نے یہ ایک چھوٹا سا خط نمونے کے طور پر دے کر داخل کتاب کیا تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح کا پڑھنا پڑھانا ٹکسالی کہلاتا ہے اس تحقیق کے ساتھ تعلیم ہو تو طوفان ترقی پیدا ہو آج دونی کل چوگنی۔

صاف کرنا۔ مُدام شراب کو کہتے ہیں۔ لِاَنَّ مَنْ تَعَوَّدَ شُرْبَ الْخَمْرِ يُدِيْمُ عَلَيْهَا فِيْ غَالِبِ الْاَحْوَالِ
تحکم حاکم بن گئی یعنی اُس نے میری شراب چھانی اور ہم شراب پینے کو بیٹھے جب شراب کا نشہ
ہم پر غالب ہوا تو گویا ہماری عقلوں پر شراب حاکم ہوگئی اور ہماری عقلوں کو اُس نے
مطیع و مسخر کرلیا۔

(۳) فَكَّهُ وَنَقَلَ اَحْجَارَهُ۔ فک چھڑا دیا جیسے کوئی کسی کی مشکیں کھول دے یا چڑیا جال میں
پھنسی ہو اُس کو چھڑا دے۔ انفکاک۔ منفک اسی سے ہے۔ پس چھڑا دیا اُس کو اور
ہٹا دیئے ٹال دیئے۔ سرکا دیئے اُتار دیئے۔ پتھر جو اس پر لدے تھے یا سدِ راہ
تھے ٹال دیئے۔

(۴) لَا اَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكَ۔ وحشت دلا دیئے۔ خدا تجھ سے یعنی لوگ تجھ سے نفرۃ نہ کریں
اور تو ہر دل عزیز ہو۔ یہ جملہ دعائیہ ہے۔ تخفیفاً لوحش اللہ بھی کہتے ہیں۔

(۵) صید و قنص میں کیا فرق ہے شاید لغۃ کی طرف رجوع کرنے سے ٹھیک معلوم ہوگا۔ لیکن میرے
خیال میں صید عام ہے اور قنص خاص وہ شکار جو تعاقب کرکے کیا جائے پس مچھلی کا شکار
اور جال میں پھنسانا صید ہے۔ مگر قنص نہیں قنص تبھی ہوگا جب جانور کو دوڑا کر شکار کریں
جیسے ہرن وغیرہ۔

(۶) ثُمَّ كَتَّفَنِيْ وَحَطَّنِيْ فِيْ صُنْدُوْقٍ وَقَالَ لِلسَّيَّافِ تَسَلَّمْ هٰذَا وَاشْهِرْ حُسَامَكَ۔ کتفنی میری
مشکیں کس لیں کتف باز و بستن۔ حطنی مجھ کو ڈال دیا گرا دیا۔ حط کے معنی ہیں نیچے کی طرف
کو پھینک دینا۔ انحطاط اسی سے نکلا۔ سیاف جلاد۔ تسلم ای خدا اس کو لے
یعنی اپنی سپردگی میں لے۔ اشہر نیام سے باہر کھینچ لے یہ ایک خاص لغۃ ہے۔
جیسے فارسی میں آختن۔ حسام سیف جس کا مادہ حسم۔ اس کے معنی ہیں قطع کا شنا
مطلب یہ کہ میری ٹنڈیاں کس کر صندوق میں بند کیا اور جلاد سے کہا کہ اس کو اپنے پہرے
میں لے اور ننگی تلوار سے پہرہ دیتا رہ۔

(۷) عَجِبْتُ لِمَنْ يَعِيْشُ بِدَارِ ذُلٍّ۔ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ فَلَاهَا۔ واو حالیہ مجھ کو

۱؎ کیونکہ جس کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے اکثر اس سے چھوٹتی نہیں۔

تعجب آتا ہے اُس شخص کا حال دیکھ کر جو زندگی بسر کرتا ہے ذلۃ کے گھر میں یعنی ذلۃ کی برداشت کرتا ہے اور کم بخت سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ کہیں کو اپنا منہ کالا کرے اور گھر سے نکل جائے اور حال یہ ہے کہ خدا کی زمین کا میدان وسیع ہے۔ غیرۃ اور حمیۃ ہو تو ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست۔ مطلب یہ کہ آدمی اپنے وطن میں بے قدر ہو اُس کو چاہیے کہ دوسرے ملک میں چلا جائے۔

(۸) قُرَاءَتُ الْقُرْاٰنَ عَلٰی سَبْعِ رِوَایَاتٍ۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ۔ یعنی یہ قرآن سات بولیوں میں اُترا جو بولی تم کو آسان معلوم ہو اُسی میں پڑھ لیا کرو وہ سات بولیاں یہ ہیں۔ قریش۔ ہذیل۔ ہوازن۔ یمن طی۔ (اسی قوم سے حاتم تھا) ثقیف۔ بنی تمیم۔ یہ قبیلوں کے نام ہیں جن کے تلفظ میں ایسا فرق تھا۔ جیسے دلی۔ لکھنؤ۔ مارواڑ۔ پنجاب۔ پورب کی اردو میں اور سے امام قاریوں کے بھی ہیں۔ ہم لوگ حفص کے طور پر پڑھتے ہیں۔

(۹) وَبَانَ مِنْ تَحْتِهٖ خَمْسُوْنَ فَارِسًا لُیُوْثٌ عَوَابِسُ بِحَدِیْدٍ لَوَابِسُ۔ بان ظاہر اُس کے نیچے سے پچاس سوار پیدا یعنی ظاہر ہوئے۔ فارس فرس سے نکلا خاص گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں۔ اونٹ یا گدھے کے سوار کو نہیں۔ لیوث عابس جمع لیث یعنی شیر۔ عَوَابِسُ جمع عابس ترش رو عبوس اُس کو کہتے ہیں جو ہر وقت تیوری چڑھائے رہے عَبَسَ وَ تَوَلّٰی منہ سکیڑ کر پھیر لیا۔ لوابس جمع لابس لباس پہننے والے یعنی وہ سوار کیسے تھے جیسے شیر خشمگیں اور لوہا پہنے ہوئے تھے زرہ خود وغیرہ۔ لیوثٌ عوابسُ دونوں صفتیں ہیں خمسون فارسا کی خمسون فاعل ہے بان کا اور فارسا تمیز ہے خمسون کی۔ بحدید متعلق ہے لوابس سے اے لوابسُ بالحدید۔ یہ بھی صفتِ ثالث ہے خمسون کی۔ عوابس لوابس چوں کہ وزن منتہی الجموع رکھتے ہیں۔ سبب واحد کر غیر منصرف ہیں۔ تنوین نہیں آسکتی۔

(۱۰) لَمَعَ ثَغْرُهَا عَلٰی صَفْحَاتِ التَّرَائِبِ عرب کی عورتیں دلی لکھنؤ کی بیگموں کی طرح پان نہیں کھاتیں وہاں پان پیدا نہیں۔ پس وہ لوگ بریقِ لمعانِ دندان یعنی دانتوں کی چمک اور براقی کو بہت پسند کرتی ہیں۔ ترائب جمع تریبہ سینے کی ہڈیوں کو

ترائب کہتے ہیں۔ امراؤالقیس بہت بڑا فصیح ہو گزرا ہی۔ قصائد سبعہ معلقہ میں اُسی کا قصیدہ پہلا ہی۔ اُس نے کہا ہی ع ترَائِبُهَا مَصقُولَةٌ کالسَّجَنجَلِ سجنجل کہتے ہیں آئینے کو یعنی اس کا سینہ آئینے کی طرح جلا رکھتا ہی تمھاری کتاب میں دانت اور سینے دونوں کی براقی کی مدح ہی یعنی اُس کے دانتوں کا عکس سینے پر منعکس ہوتا ہی اور جب ہنستی ہی۔ تو دانتوں کی چمک سینے پر ظاہر ہوتی ہی۔ (۱۱) وَکَانَ الحَاسِدُ کَارٌّ فِي طرِیقَةٍ وَاذَا بِالمَحسُودِ یَدُسّتٍ مَملَکَتِهِ حاسد و محسود نام معلوم ہوتے ہیں یعنی حاسد اپنی راہ چلا جاتا تھا ناگاہ کیا دیکھتا ہی کہ محسود اُس کی مسند سلطنة پر متمکن ہی۔ دست مسند کو کہتے ہیں اُس پر بارجامہ لگی ہی۔ ای المحسود قابض حکومتہٗ۔

(۱۲) هَتَفَ الصُّبحُ بِالدُّجَی فَاسقِنِیهَا۔ خَمرَةٌ تَترُکُ الحَلِیمَ سَفِیهًا۔ لَستُ اَدرِی لِرِقَّةٍ وَصَفَاءٍ۔ هِیَ فِي کَاسِهَا اَمِ الکَاسُ فِیهَا۔ ہتف آواز دی۔ اسی سے ہی ہاتف۔ صبح نے اندھیرے میں آواز دی یعنی تڑکا ہوا۔ مرغ وغیرہ اندھیرے میں بولنے لگے اُن کے بولنے کو صبح کا آواز دینا قرار دیا۔ اسقنیہا میں ضمیر ہا راجع ہی طرف شراب کی جس کا ذکر پہلے اشعار میں ہوگا۔ اور نہیں ہی تو صبح کا وقت شراب صبوحی کے پینے کا وقت ہی شراب حاضر فی الذہن[1] تھی۔ خمرۃ موصوف اور تترک الحلیم سفیہا جملہ صفتہ اور موصوف صفتہ مل کر حال ہوا ضمیر ہا۔ سے جو اسقنیہا میں ہی۔ یعنی صبح ہوئی تو اے معشوقہ مجھ کو شراب پلا دراں حالیکہ وہ ایسی شراب ہی کہ حلیم صاحب حلم (عقل) کو سفیہ (احمق) بنا کر چھوڑ دیا دیتی ہی یعنی کر دیتی ہی یعنی اُس کے پینے سے عقل زائل ہو جاتی ہی۔ دوسرا شعر۔ میں نہیں جانتا بہ وجہ رقتہ و صفائی کے کہ شراب پیالے میں ہی یا پیالہ شراب میں ہی۔ شراب پینے کے پیالے سفید شیشے یا بلور کے ہوتے ہیں اور شراب کی صفتہ ہی رقتہ یعنی پتلا پن کیونکہ غلظتہ اور گاڑھا پن تلچھٹ یعنی دُرد میں ہوتا ہی تو کہتا ہی کہ اُس شراب میں اس درجے کی رقتہ اور صفائی ہی کہ شراب اور پیالہ بلور دونوں کے رنگ میں مطلق امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ شراب پیالے میں ہی یا پیالہ شراب میں جیسے کاپی کی بصری کی لوگ مدح کرتے ہیں کہ بھٹے چاولوں میں اور خشکے

[1] ذہن میں حاضر۔

میں امتیاز نہیں ہوتا اور شربت گلاس میں ہو تو شبہہ ہو کہ خالی گلاس ہو۔

(۲۰) سَاَصْبِرُ حَتّٰی یَعْلَمُ الصَّبْرُ اَنِّیْ - صَبَرْتُ عَلٰی شَیْئٍ اَمَرَّ مِنَ الصَّبْرِ - وَاَشْیَاءُ مِثْلُ الْقَبْرِ وَاَتَمَّا - اَمُرُّ مِنَ الْاَمَرَّیْنِ اَنْ خَانَنِیْ صَبْرِیْ - صبر ایلوا ایک پھل ہو بہت کڑوا۔ میں مصیبتہ پر صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ صبر کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں ایلوے سے زیادہ تلخ چیز کی برداشت کر سکتا ہوں اور شی امر من الصبر سے وہ مصیبتہ مراد ہی جس میں صبر کیا۔ پھر کہتا ہی کہ حق یہ ہی کہ ایلوا نو برائے نام کڑوا ہی صبر کے برابر کسی میں تلخی نہیں لیکن ایلوے اور صبر دونوں سے بڑھ کر یہ بات تلخ ہی کہ آدمی سے صبر نہ ہو سکے یعنی صبر اور صبر دونوں سے بے صبری بڑی تلخ ہی اور سچ ہی بے صبری صبر سے زیادہ تکلیف دیتی ہی۔ بے صبری کو اس عبارۃ سے تعبیر کیا اَنْ خَانَنِیْ صَبْرِیْ یہ کہ حیا نہ اور دغا کرے میرے ساتھ میرا صبر یعنی صبر مجھ کو دغو کا دے اور میری رفاقت نہ کرے۔

وَلَوْ اَنَّ مَابِیْ بِالْجِبَالِ لَهُدِّمَتْ - وَبِالنَّارِ اَطْفَاهَا وَبِالرِّیْحِ لَمْ تَسْرِیْ - اور اگر وہ مصیبتہ جو مجھ پر نازل ہو کہیں پہاڑوں پر نازل ہوتی تو ڈھا دیئے جاتے اور مسمار ہو گئے ہوتے اور اگر وہ چیز جو ساتھ میرے ہی یعنی وہ مصیبتہ جو مجھ پر نازل ہی لَوْ اَنَّ فَالِیْ اَیْ مُصِیْبَتَهٗ نَازِلَتِیْ نَزَلَتْ بِالْجِبَالِ لَهُدِّمَتْ جزائے لو ہی دوسرا مصرع عطف ہو تقدیر العبارۃ۔ لَوْ اَنَّ مَابِیْ بِالْجِبَالِ لَهُدِّمَتْ پر۔ پہاڑوں کا تو یہ حال ہوتا کہ پھٹ پڑتے لَوْ اَنَّ مَابِالنَّارِ اَطْفَاهَا۔ آگ کا یہ حال ہوتا کہ بجھ جاتی تیزی سرکشی چھوڑ دیتی۔ لَوْ اَنَّ مَابِیْ بِالرِّیْحِ لَمْ تَسْرِیْ ہوا کا یہ حال ہوتا کہ چلنے سے بند ہو جاتی اصل میں تسری تھا لم آیا لم تسر ہوا پھر رے کے کسرے کو اشباع سے پڑھا واسطے رعایت وزن شعر کے تو لم تسری ہو گیا۔ اب جو ی ہو اشباع کسرہ کی ہو قرآن مجید میں ہو وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّمَسَاجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ فقط۔ ۱۹ نومبر ۲۷ء

لہ اور اگر خدا لوگوں میں یہ انتظام نہ رکھتا کہ ایک کو دوسرے سے دفع کرے تو معابد اور کلیسے اور مساجد جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہی منہدم ہو جاتے۔

خط ۴۹

گو تم نے نہیں لکھا مگر میں قرائن سے کہہ سکتا ہوں کہ تم بھنور نہیں گئے۔ استثنا کی شریعت میں اسی وجہ سے تاکید ہے کہ انسان مستقبلات پر قادر نہیں۔ استثنا مصطلح شارع نام ہے ان شاء اللہ کہنے کا قرآن پاک میں کسی مقام پر وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ آیا ہے۔ ؎

... کا خط آیا ہے تم نے اُس سے کیوں کہہ دیا ہوگا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا صُدُورُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ۔ ؎ لیکن کیا ایک خط اور وہ بھی بعد حسن طلب رفع شکایت کر سکتا ہے۔ حاشا وکلا ؎ جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب۔ کیوں کسی کا گلا کرے کوئی مگر تم اُس کو مجھ سے بد دل مت کرو۔ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

دہلی میں سواری کی ضرورۃ ہوگی۔ اے کاش تم کوئی گھوڑا رکھتے۔ اس کا الزام مجھ پر ہے یا تم پر۔ اب تم بڈھے باپ کو کندھے پر لادے لادے پھرنا۔

۱۳ دسمبر ۱۸۷۶ء

خط ۵۰

بشیر۔ عربی پڑھنے کا ڈھنگ تو اچھا ہے۔ اے کاش انگریزی اور ریاضی اور ہر چیز میں بھی کاوش ہو۔ اگر اسی طرح کی تحقیق سے ہر چیز دیکھی اور سمجھی جائے تو طوفان ترقی استعداد پیدا ہو۔ لیکن عربی میں اس ڈھرے پر تم کو میں نے لگایا۔ سو تم کو اس کا خیال ہے۔ باقی چیزوں کو سرسری طور پر پڑھاتے ہو اگر منطق نہیں ہوتی حدیث شروع کر دو میں کہتا ہوں عربی کا ایک سبق مدرسے کے باہر ہونا ضرور ہے۔ اگرچہ تھوڑا ہو مگر ہو ضرور تمھارے خط انگریزی میں حروف کی جوڑان نہیں ہوتی تمھارا خط مجھ سے عمدہ ہے مگر میں تم کو اپنا جیسا نہیں چاہتا بلکہ اپنے سے بمدارج بہتر۔ اور جو بات تمھارے فائدے کی سمجھ میں آئے گی جب تک جیتا بیٹھا ہوں لکھا کروں گا۔ ماننا نہ ماننا تمھارا کام ہے۔

؎ اور وہ ان شاء اللہ نہیں کہتے ؎ آزادوں کے سینے بھیدوں کے گنجینے ہیں ؎ ہرگز نہیں۔

عربی ہو یا انگریزی ترجمہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک لفظی جیسے گئی وہ عورت اوپر ایک دروازے کے ایک با محاورہ جیسے وہ عورت ایک دروازے پر۔ پو نہیں مبتدی کو پابندی لفظی ترجمے کی ضرور ہے۔ لیکن اس کو اپنی زبان کے محاورے پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ عبارت کی عمدگی یہ ہے کہ نری بول چال ہو جیسے کوئی باتیں کر رہا ہے۔ اس وجہ سے اخبار اور ناول کی انگریزی عمدہ سمجھی جاتی ہے یہ لوگ روز مرہ لکھتے ہیں۔ پس تم دو ترجموں کی عادت کرو لفظی اور با محاورہ بلکہ اب تم کو محاورے کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کیوں کہ بفضلہ تعالیٰ مبتدیوں کے درجے سے ترقی کی فقط۔

خط ۵۱

۸ جنوری کو رات کے نو بجتے بجتے میں اپنے ضلع میں پہونچ گیا۔ ٹرین نے ابتدائے روانگی میں کچھ دیر کی پھر راہ میں زاید از معمول وقفات ہوئے۔ غرض تین بجے کے بعد بکسر پہونچے ورنہ میں شاید سویرے سے پہونچ جاتا۔ راہ میں جو لوگ میری گاڑی میں تھے اتفاقاً اُن میں ایک ہندوستانی ڈاکٹر بھی تھا۔ میں نے تمھارے داد کا تذکرہ کیا۔ وہ تو کچھ چپ سا ہوا۔ مگر ایک یورپین جنٹلمین نے کہا گو آپوڈر داد کے لئے نہایت نافع ہے اور اس وقت ڈاکٹروں کا اجماع ہے اس بات پر کہ داد کی دوا اس سے بہتر نہیں یہ ایک سفید سفوف ہے انگریزی دوا فروشوں میں شاید آٹھ آنے کو اس کی شیشی ملے گی۔ خوبی یہ ہے کہ داد اور قاطع نہیں رتی بھر تو ہتھیلی پر رکھ کر دو تین قطرہ پانی میں لت کر کے داد پر مل لیا کرو صبح و شام استعمال کرو غالباً تین دن میں نفع ظاہر ہو جائے گا۔ ۹ جنوری ۱۸۸۱ء

خط ۵۲

دس دن دہلی میں رہ آنے سے مجھ کو مہینوں وحشت رہے گی۔ تمھارے دل کی جو کچھ کیفیت ہو مگر میرا یہ حال ہے کہ جس وقت ذرا خالی ہوتا ہوں تمھارا خیال آتا ہے اور تمھارے خیال کے ساتھ تمھارے امتحان کا۔ مجھ کو تمھارے خط کے دیر کرنے سے خدشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ ایسا تو نہیں ہوا کہ تم امتحان میں ناکام رہے اور شرم کے مارے مجھ کو نہیں لکھتے۔ سو کب تک چھپاؤ گے۔ جلد لکھو کہ تمھارا انتظام کروں۔

ہرچند یہ مواقع سفارش کے نہیں ہیں لیکن اگر کچھ دخل سفارش کو ہو اور ضرورۃً بھی ہو تو میں یہاں دور بیٹھا ہوا کیا کرسکتا ہوں۔ البتہ مولوی ... صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض حاجت کرو۔ میں بہت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ وہ تمھاری مدد کریں گے اور میری نسبت وہاں اُن کی وقعت بھی زیادہ ہے اگر کسی معلم یا ماسٹر کی توجہ درکار ہو تو بھی مولوی صاحب سے کہنا۔ اگرچہ دہلی کے لوگ سب بے مروتی سی کرتے ہیں لیکن ع چہ تواں کرد مرد ماں این ماند۔ والسلام ۱۹۔ جنوری ۱۸۸۱ء

خط ۵۳

۷ ار کا خط پونہچا۔ بندۂ خدا اتنی دیرست کیا کرو۔ کیا کفایت شعاری اسی میں منحصر ہے کہ مجھ کو خط لکھنے میں کمی کی جائے میں نے تم کو پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر لکھتا ہوں کہ امتحان کے بھروسے پر مت رہو۔ کسی طرح جماعت میں ترقی کرو اور آگے کو نصیحت پکڑو مدرسے میں کامیابی اور نام وری کے ساتھ پڑھنا یوں تو نہیں ہوگا مدرسے کے علاوہ گھر پر کم سے کم تین چار گھنٹے روز دل لگاکر پڑھو گے تو خیر ورنہ کیوں خود حیران ہوتے ہو اور کیوں ہم سب کو حیران کرتے ہو۔ دنیا کی کارروائی کے لائق تم کو لکھنا پڑھنا آہی گیا ہے پس میرے پاس رہ کر قانون یاد کرو اور امتحان دو مدرسے میں پڑھنا منظور ہے تو یاد رکھو انٹرنس پہلی منزل ہے۔ بھلا کچھ نہ ہو تو بی۔ اے کے خطاب تک تو ہو۔ بشیر درجہ فضیلت حاصل کرنے کے ہرگز یہ ڈھنگ نہیں جو تمھارے ہیں۔ ہر روز کے سبقوں کو بالالتزام مطالعہ اور پڑھنے کے بعد نظر تدقیق سے ان کو دیکھنا اور ذہن نشین کرنا اور ایک درجہ اعتدال کے ساتھ محنت کا برابر جاری رکھنا شرط ضروری ہے۔ تمھارا یہ حال ہے کہ پہلے ہی امتحان میں یہ تردد کہ پاس ہوئے یا نہیں تو اگلے امتحان کہیں سخت ہیں جو کہ اُن سے عہدہ برآ ہو سکو گے۔ غرض پڑھنا ہے تو پڑھنے کے طور پر پڑھو۔ کہیں چاندنی چوک جانکلے کہیں عجائب خانہ کی سیر کی۔ کچھ وقت قصے کہانیوں میں ضائع کیا۔ دو گھڑی رات گئی اور سو رہے۔ یوں تو پڑھنا نہیں آتا۔ پڑھنا جب آسکتا ہے کہ تم ایک ایک منٹ کی قدر کرو اور جہاں تک تن درستی اجازت دے محنت کرتے رہو تم اب تک مجھ سے

صرف عربی میں پوچھتے تھے۔ آیندہ ریاضی بھی پوچھا کرو۔ زیادہ نہیں تو انٹرنس تک تم کو بتاؤں گا۔ حساب جبر و مقابلہ کی خامی متوجہ ہو کر نکال ڈالو۔ تاریخ کے واقعات بہ طور سوال وجواب مرتب کرتے جاؤ تب امتحان دینے کا مزہ ہے۔ نری دعا سے کام نہیں چلتا۔ شوق نہیں ورنہ مولوی . . . کے ہوتے تمکو عربی کا حاصل کرنا کیا دشوار تھا۔ مدرسے کی چیزوں کا حینہ اور ان میں بھی نقصان۔

مولوی صاحب نے کئی مکان لیے لیکن سب جائدادیں دُکان مجھ کو پسند ہے باقی محل اور حویلیاں سب آخور کی بھرتی۔ غضب ہے . . . والا مکان تیرہ سو کا ہے اور تین روپیہ کرایہ نوٹ کے حساب سے اس کا کرایہ للعہ ہونا چاہیے۔ مگر کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ ہم نے مکان مفت نہیں پایا۔ گٹھری بھر روپیہ دیا ہے۔ تو کیا وجہ کہ ہم کو پورا نفع نہ ملے۔ مولوی[۱] صاحب کے مزاج میں رحم۔ بیوی صاحب کو خیال نہیں۔ تم کو لیاقت نہیں۔ مولوی بھی دعاگو کو قابلیت اور فرصت دونوں نہیں۔ مکان لاوارث سا پڑا ہے۔ اگر کرایہ داروں کو یہ حال معلوم ہو تو وہ تین روپیے بھی نہ دیں۔ بڑی حویلی ہمیشہ خسارہ دیتی ہے مگر اعمال بد کی طرح بار دوش ہے۔ خدا ہی ہے کہ اُس کا بوجھ سر سے ٹلے جب تجربہ کر لیا کہ دہلی مجوز دونوں میں کوئی انتظام کرنے والا نہیں تو عاجز آ کر نوٹ[۲] کا پہلو اختیار کیا ورنہ کوئی کرنے والا ہوتا تو حلال طور پر ایک ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کماتا اور اصل محفوظ۔ بس غنیمہ ہے کہ بے چارے مولوی صاحب باوجود معذوری اتنا بھی کرتے ہیں ورنہ ہم سب تو جیسے منتظم اور ہوشیار ہیں ظاہر فقط۔ ۲۱۔ جنوری ۱۸۷۷ء

خط ۴۵

آٹھویں جماعت جس میں تم کو رعایتہً ترقی کر دیا گیا وہ جماعت ہے جس میں تم کو میں سال گزشتہ داخل کرانے والا تھا۔ شاید تمکو معلوم نہ ہوا ہو مگر مجھ کو تمھارا ساتویں میں داخل ہونا خوش نہیں آیا تھا تعجب ہے کہ تم آٹھویں کا نام سن کر گھبراتے ہو۔ رعایتی ترقی محمود ترقی

---

[۱] مولوی بشیرالدین احمد صاحب کے نانا مراد ہیں [۲] ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے جس کے نام کا خط گزر چکا ہے یعنی مولوی سبحان بخش۔ [۲] یعنی اللہ دختے کو پرامیسری نوٹ کے پیرائے میں رکھا خط ۴۸ میں اس کی خوب تفصیل ہے۔

نہیں ہے

رفتن بہ پائے مردی ہم سایہ در بہشت
حقاکہ باعقوبت دوزخ برابرست

لیکن اگر تم آٹھویں میں نہ گئے ہوتے تو مجھ کو بہت صدمہ ہوتا اور میں تم کو دہلی میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

برخوردار۔ محنت سے جان چرانا تو طالب علم کا کام نہیں ہے اور پھر یہ بھی کوئی محنت ہے کہ خدا کے فضل سے ہر طرح کے آرام کے ساتھ گھر میں رہنا اور پڑھنا۔ وہ بھی بندگان خدا ہیں جو دن بھر کلھاڑی چلاتے۔ سڑک کوٹتے۔ دوڑتے راتوں کو جاگتے بوجھ ڈھوتے ہزاروں شکر ہے کہ شاقہ محنت میں مبتلا نہیں کیے گئے۔ محنت ایک امر اضافی ہے۔ اس کا مفہوم متعین نہیں۔ ایک کام زید کے واسطے محنت کا ہے مگر شاید خالد کے حق میں وہ کامل آسایش کا موجب ہے۔ پس جس کو تم نے محنت سمجھا کیا تم جیسے اور تم سے بہتر ہزاروں لاکھوں اُس کو نہیں کرتے۔ افسوس ہے کہ تم اس کو محنت کہو۔ ارے بابا اگر یہ محنت بھی ہے تو ساری عمر کا آرام۔ ساری عمر کی خوش حالی ساری عمر کی آبرو اس محنت کے طفیل سے حاصل ہوگی ایک ظریف کا مقولہ ہے کہ۔ جینا تو جینا بے محنت مرنا بھی نہیں ہو سکتا

اگر تم کو عربی میں ۸۲ نمبر ملے تو نہ تمھاری محنت سے بلکہ اس فقیر کی محنت کا ثمرہ ہے کہ کسی حالت میں تمھارا سبق ناغہ نہیں ہونے دیا میں نے اپنے پندار میں تم کو اتنا پڑھا دیا تھا کہ اگر تم نے اُس کو محفوظ رکھا ہوتا تو آج کل کے سو دو سو نہیں تو چالیس پچاس مولویوں سے تو بہتر تھے مگر وہ گھر کی مرغی تھی۔ تم نے دال برابر سمجھی۔

مجھ کو تمھارے اس لکھنے پر بڑی ہنسی آئی کہ تاریخ جغرافیہ سب مضمونوں میں مشکل ہے میں تو ان دونوں کو قصہ کہانی سمجھتا ہوں۔ البتہ بل یہ پڑتا ہے کہ کتاب پڑھنے وقت عبارۃ پر تو لحاظ ہوتا ہے حاصل مطلب کی طرف توجہ نہیں ہوتی ورنہ اگر ہر آدھے یا پورے صفحے سے بعد آنکھ بند کر کے غور کر لیا جائے کہ اتنے کا خلاصہ مطلب کیا ہوا تو ممکن نہیں کہ واقعات مستحضر نہ رہیں۔ جغرافیہ کی جان ہے نقشہ۔ ایک مکمل نقشہ منگوا او ر ایسے موقع پر جہاں دو کہ تعلق کرلیٹے تو نقشہ سامنے ہو۔ بار بار دیکھتے دیکھتے یاد ہو جاتا ہے

کہ فلاں شہر کہاں ہے اور وہ ندی یا پہاڑ کدھر واقع ہے۔ اگر تمھاری تاریخ چند روز کے لیے مجھ کو مل جاوے میں اُس کا اُردو میں خلاصہ کر دوں یا سوال جواب بنا دوں اور تم اُس کو یاد کر لو پھر فیل ہو جاؤ تو میں جواب دہ۔

حساب۔ جبر و مقابلہ۔ اقلیدس البتہ سوچ بچار اور مشق و مہارۃ کے کام ہیں میں نے تم کو کسور عام اور کسور اعشاریہ تک پڑھا دیا تھا اور جتنا تم نے حساب و جبر و مقابلہ مجھ سے سیکھا تھا وہ ساتویں جماعۃ میں کامیاب ہونے کو کافی تھا لیکن مصیبتہ یہ ہے کہ تم نے نہ تو یہاں جی لگایا نہ وہاں لگاتے ہو۔

میں نے تم کو متواتر لکھا کہ ہر کتاب کو سبق روز مرہ تک یاد کرنے جاؤ لیکن دنیا میں باپ ہونا بات کو بے وقعت کرتا ہے تم نے کہا نہیں تو دل میں خیال کیا کہ اسکی عادۃ ہے اسی طرح کے خط لکھا کرتا ہے۔ اس سے کہ تم ... یا کسی شناسا متعارف کو گو وہ مجبوری ہی کیوں نہ ہو یا گو وہ دہلی والا ہی کیوں نہ ہو بے فائدہ خط لکھو۔ اور اس سے کہ رات کو عزیزے[1] دین اور غلام موے دین سے باتیں کرو۔ اور اس سے کہ تم پہاڑ گنج جاؤ اور اس سے کہ تم ... کو لکھنا سکھاؤ۔ اور اس سے کہ تم بازار میں پھرو اور عجائب خانہ و باغ کی سیر کرو اور اس سے کہ تم سیماب وار کبھی گھر میں کبھی باہر آؤ جاؤ۔ اور اس سے کہ تم بھول کر بھی کبھی مطالعہ نہ کرو۔ اور اس سے کہ تم مدرسے کے سبقوں کو گھر میں آکر نہ پڑھو۔ غرض اس سے کہ تم محنت نہ کرو اور وقت کی قدر و قیمت نہ پہچانو تو نہ تم امتحان دے سکے ہو اور نہ آیندہ کبھی دے سکو گے۔ میں نہیں کہتا کہ تم اتنا پڑھو کہ تن درستی میں خلل پڑے لیکن جہاں تک تم سے ہو سکے ایک منٹ ایک سکنڈ کو رائگاں مت کرو پھر قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ تم انٹرنس کیسا خطاب حاصل کرو گے اور گو ہنروں کے لڑکے اپر اسکول میں پڑھ کر آئے ہوں کوئی تم کو نہ پا سکے گا۔ آٹھویں جماعۃ میں پڑھنا انھیں کا ہے جو ساتویں پاس کر کے چڑھے

---

[1] عزیز الدین اور غلام محی الدین مراد ہیں۔ یہ ایک غریب ہمسایہ کے لڑکے ہیں ان کی ماں بیچاری جاہل ان کو انھیں ناموں سے پکارتی ہے جو متن کتاب میں ہیں مولوی نذیر احمد صاحب نے تعریضاً انھیں غلط ناموں کو نقل کر دیا ہے تاکہ میاں بیٹے اور لڑکوں کی صحبت سے محترز رہنے کا بھی اشارہ ہو۔ ۱۲

اور تمھارا پڑھنا تو بھئی بھگوڑی پدڑی کا پھر بیٹھنا ہے۔ خدا تمھاری غیرت کو تیز اور تمھاری ہمت کو بلند اور تمھاری محنت کو زیادہ کرے۔ آمین۔ میں نے تمھارے ساتھ وہ کیا اور کرتا ہوں جو میرے باپ نے (خدا اُن کو جنت نصیب کرے) میرے ساتھ کیا تھا۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا تھا اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ میں عربی اور ریاضی دونوں میں تمھاری مدد کو حاضر ہوں مگر بے تمھاری ہمت کے کام نہیں چلے گا۔ امتحانِ سالانہ کو تو ہر وقت پیش نظر رکھو اور ہر روز محنت کیے جاؤ ان شاء اللہ بیڑا پار ہے ؎

مرد باید کہ ہراساں نہ شود مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

پھر کیا ضرور ہے کہ امسال اگر رعایۃً تمھاری ترقی ہوگئی تو سال آیندہ بھی رعایت کی جائے اگلے سال اپنی قوت بازو سے ترقی کرو جو لڑکا ریاضی میں تیز ہو۔ اُس سے راہ و رسم ضرور پیدا کرو۔ انگریزی کے ۲۶ نمبر بھی محل خوف ہیں۔ ارے میاں ایک طالب علم ہم تھے کہ سارے ہم جماعت بلکہ بہ خدا اُستاد برابر بربر کرتے تھے۔ مگر تھا کیا۔ کہ بھئی تمھاری طرح بدشوق اور کم محنت نہ تھا۔ بے سروسامان البتہ تھا۔ جنوری ۸۲ء گزری اور دسمبر ۸۲ء تعطیل میں گزرے گا۔ پس بہ استثنائے تعطیلات درمیانی مشکل سے پانچ چھہ مہینے ہوں گے اگر کوئی مدرسے کی پڑھائی پر قانع رہے تو وہ پڑھ چکا۔ اصل پڑھنا تو گھر کا ہے اور تم گھر پر پڑھنے یا تعطیلوں میں دوسرے سے استفادہ کرنے کا اہتمام کرتے نہیں۔

تمھارے پڑھنے کا جھگڑا تو چلا ہی جاے گا اب کچھ گھر کا کام بھی کروں۔ میرے پاس ایک خط مولوی ... صاحب کا آیا۔ یہ مضمون وہی ہے۔ جو مولوی صاحب نے دلی میں زبانی بھی کہا تھا اور میں نے بیوی صاحب سے نقل کیا تھا۔ نہیں معلوم مولوی صاحب کو یہ خیال خود پیدا ہوا یا وہاں والوں نے کہا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انھیں کا خیال ہے۔ مگر کوئی دوست جو صلاح کی بات کہے اُس کو مخاصمت کے ساتھ نہیں سننا چاہیے لوگ مجھ کو کنجوس اور بخیل کہتے ہیں اور چوں کہ قاعدہ ہے کہ ؏

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا۔ مجھ میں یہ عیب ہوگا۔ اگرچہ خود پسندی کی وجہ سے

آدمی کو اپنے عیوب پر اطلاع نہیں ہوتی لیکن بخل اولاد کے ساتھ تو میں بھی برتنا نہیں چاہتا تف ہے میری دولت پر اور لعنت میرے مال وار ہونے پر جب میری پیاری اولاد اس وجہ سے تکلیف پائے کہ میں اُن کی حاجت کی قدر باوجودِ مقدرت روپیہ نہیں دیتا۔ خدا کی قسم میں یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے ان بچوں کی امانت ہے پس افسوس ہے کہ جن کا روپیہ انھی پر خرچ نہ کیا جائے خدا اس کا گواہ ہے کہ شبیر کے لیئے . . . کے لیئے . . . کے لیئے کس کم بخت کو روپیئے سے دریغ ہوا اور میں نے اپنے نزدیک اب تک ایسا ہی برتاؤ کیا ہے یا شاید میری سمجھ کی غلطی ہو غرض اس مضمون کو میں تمھاری والدہ کے حوالہ کرتا ہوں کہ وہ بلا رو رعایت خوب غور سے سوچیں اور مطلق میرا اور میرے روپیہ کا پاس نہ کریں مجھ کو اُن کے فیصلے کی تعمیل میں مطلق تامل نہ ہوگا۔ فروری ۱۸۷۷ء

خط ۵۵

اگرچہ امتحان تم دو گے۔ اور یا نہ دو گے اور محنت و کاہلی کا نتیجہ تم بھگتو گے مگر مجھ کو تمھاری امتحان سال آیندہ کا ابھی سے سوچ ہے اور تم ابھی سے فکر رکھو گے تو دعوے کے ساتھ امتحان دو گے پس عربی اور ریاضی کے سبق بھیجنے شروع کر دو۔ تھوڑا تھوڑا ہو چلے۔ یہ خیال ہرگز اپنے دل میں مت آنے دینا کہ ابھی بہت وقت ہے فقط۔ ۴۔ فروری ۱۸۷۷ء

خط ۵۶

اس وقت ریڈ صاحب کی چٹھی آئی ہے انھوں نے رپورٹ کر دی ہے کہ یکم مارچ سے نذیر احمد دوسرے ضلع میں بھیجا جائے۔ یہاں اُس کی ضرورت باقی نہیں عملہ یکم مارچ سے تخفیف کیا جائے گا مجھ کو اس وقت تک معلوم نہیں کہ کہاں جاؤں گا اور کس کام پر میں نے ریڈ صاحب کو لکھا ہے کہ تین مہینے کی رخصت دلا دیجیئے کہ ذرا آرام کر لوں۔

لیکن من جانب[1] اللہ ایک دوسرا سامان ہوا ہے اگر تم لوگ رضامند ہو کر اجازت دو

---

[1] خدا کی طرف سے۔

خط ملفوف ہے مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر کا ہے یہ حواری[۱] ہیں سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ اٹاوے کے رہنے والے ہیں۔ وہیں سررشتہ دار فوجداری تھے وہیں تحصیلدار ہوئے وہاں سے مرزا پور بدل آئے۔ وہاں کچھ کوہستانی علاقہ زیر بندوبست تھا۔ ان کو ڈپٹی کلکٹر بندوبست کے اختیارات دیئے گئے اور کئی مدوں سے ملا کر چار سو روپیہ پاتے تھے۔ اسی اثنا میں شاید نواب سرسالار جنگ بہادر وزیر حیدرآباد نے سید احمد خاں صاحب سے پانچ یا چھ آدمی طلب کیے۔ انھوں نے ان کو بھیج دیا۔ وہاں جاکر مولوی مہدی علی صاحب کی شاید ہزار روپیہ تنخواہ ہوئی اب سنا ہے کہ معتمد مدار المہام مقرر ہوئے ہیں سنے مولوی مہدی علی صاحب کو فی عمرہٖ صرف ایک بار آگرے میں دیکھا جن دنوں مجھ کو مراۃ العروس کا انعام اٹاوے میں ملنے والا تھا۔ مولوی مہدی علی صاحب ڈیوک آف اڈنبرا کو دیکھنے کلکتے گئے تھے وہیں سے مجھ کو بلا تعارف بڑے تپاک کا خط لکھا اور بہت اصرار کیا کہ اٹاوے میں میرے مکان پر ٹھیرنا۔ چنانچہ جوں ہی ریل سے اترا مولوی مہدی علی صاحب کے رشتہ مند مجھ کو کشاں کشاں اپنے گھر لے گئے اور بہت مدارات کی۔ مگر مولوی مہدی علی صاحب وہاں نہ تھے لیکن نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو اٹاوے سے واپس کیا اور آگرے کے دربار میں بلایا۔ وہاں منشی غلام غوث صاحب میر منشی لفٹنٹی کے یہاں میں نے مولوی مہدی علی صاحب کو دیکھا ایک جوان صبیح بے باکانہ مراۃ العروس کی ہنسی اڑا رہے ہیں جوں ہی میں خیمے میں پہنچا منشی غلام غوث صاحب نے کہا لیجیے حضرۃ مراۃ العروس کے مصنف صاحب بھی تشریف لائے۔ منشی غلام غوث صاحب کی تقریب سے ہم دونوں ملے تو مولوی مہدی علی صاحب منقبض سے رہے شاید ہنسی اڑانے سے کچھ جھینپے ہوں مجھ کو حیرۃ ہوئی الہ العالمینا یہ وہی مہدی علی ہیں جنھوں نے خود مجھ کو کس

[۱] اصل میں حضرۃ عیسیٰ کے اصحاب حواری کہلاتے ہیں۔ حوار کہتے ہیں عربی میں سفیدی کو چونکہ اصحاب مسیح اکثر دھوبی تھے شاید وجہ تسمیہ ہو یا حواری کے معنی یار مخلص کے بھی ہیں مولوی مہدی علی کو سید احمد خاں کا حواری کہنا ظریفانہ شوخی ہے اپنی عمر میں۔

تپاک سے اپنے گھر ٹھیرایا تھا کہ اب بالمشافہ میری کتاب کی تصحیح کر رہے ہیں۔ خیر رفت و گزشت اب جو یہ خط آیا ہے سرکاری خط ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ حسب الحکم سرکار لکھتا ہوں اور مجھ کو سکندرپور میں ایک دوست مولوی . . . صاحب کے خط سے بھی کہ وہ بھی رہا ستہ حیدرآباد میں ہیں اس سے پہلے معلوم ہوا کہ میرا تذکرہ مدار المہام حیدرآباد کے حضور میں ہوا۔ تیسری دلیل اس خط کی صداقت اور واقعیت کی یہ ہے کہ سید احمد خاں صاحب کی معرفت آیا ہے تم جانتے ہو کہ سید احمد خاں صاحب کس رتبے اور وقار کے آدمی ہیں۔ غرض حسن طلب میں تو کچھ شک نہیں۔ خیرہ یہ ہے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے میری تقریب کیوں کی عجب نہیں کہ کتاب[1] ہیاۃ نے یاد دہانی کی یا کوئی اور سبب ہوا ہو۔ بہر کیف بلانے

[1] اس کتاب کا خط ۸ا میں بھی مذکور ہے اور اس کے متعلق ایک دلچسپ قصہ ہے وہ یہ کہ مولوی نذیر احمد صاحب گورکھپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور مسٹر ولی۔ پور۔ وِن ایک حصۂ ضلع کے مہتمم بند۔ بست ہاں دونوں سے ملاقات ہوئی۔ وِن صاحب علم دوست آدمی تھے اور اُن کو مشرقی زبانوں کے سیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ غالب ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب کی استعداد و لیاقت کا حال وِن صاحب سے مخفی نہ رہا ہوگا وِن صاحب نے قانون شہادۃ پر ایک دقیق متن تصنیف کر کے مولوی نذیر احمد صاحب سے اس کا ترجمہ کرایا اُن دنوں وِن صاحب سہارن پور کے کلکٹر تھے وِن صاحب اس ترجمہ سے مولوی نذیر احمد صاحب کی لیاقت کے اور بھی معتقد ہوئے ایک مدت کے بعد وِن صاحب ترقی کرتے کرتے کشمیر کے پولٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے ان ہی دنوں وِن صاحب نے علم ہیاۃ کی ایک مشہور کتاب گو ہینیر ہونز کا ترجمہ کرانا چاہا ایک ہزار روپیے کا اشتہار دیا کہ جو شخص اس کتاب کا بہتر سے بہتر ترجمہ کرے گا اُس کو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا اشتہار کے علاوہ وِن صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب کو خاص چٹھی لکھی کہ میں نے اشتہار تو دیا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ انعام تم ہی لوگے مولوی نذیر احمد صاحب نے عذر کیا کہ مجھ سے دوسرے کاموں سے فرصت نہیں تو وِن صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے ایما کرایا مجبور مولوی نذیر احمد صاحب نے ترجمہ کیا اور دس ترجمے شاید اور بھی ہوئے۔ ان ترجموں سے انتخاب بہتر کے لیے وِن صاحب نے ایک کمیٹی منعقد کی سنا ہے نہ معلوم صحیح یا غلط کہ سید احمد خاں صاحب اس کمیٹی کے پریزیڈنٹ تھے اور من جملہ اور چند صاحبوں کے شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب ممبر کمیٹی نے یہ رائے دی کہ مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ سب میں بہتر ہے مگر ایک ہزار میں سے چار سو روپیے کے قابل ہے کمیٹی نے وِن صاحب کو یہ صلاح دی کہ چھ سو روپیہ جو بچے اس سے مولوی نذیر احمد

ہیں اور تنخواہ بالفعل آٹھ سو اور بعد کو ایک ہزار ماہوار یہاں کے سکے سے دینے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ اتنی تنخواہ مجھ کو سرکار انگریزی میں تمام عمر پانے کی توقع نہیں۔ دربار حیدرآباد ان دنوں بہت ممدوح ہی۔ اختیارات وسیع۔ عہدہ معزز۔ مجھ کو وہاں کے زیادہ حالات معلوم نہیں اتنا جانتا ہوں کہ ادھر کے اور انگریزی عمل داری کے ہزارہا بندگان خدا وہاں ہیں سیکڑوں آدمی تو دلّی کے وہاں ہیں۔ مولوی رشید الدین خاں مرحوم کا خاندان سب وہیں ہی۔ پس تم لوگ اگر صلاح دو تو بالفعل ایک سال کی رخصت لے کر جاؤں ذرا بمبئی۔ مدارس۔ حیدرآباد وغیرہ کی سیر کروں۔ سِیرُوا فِي الأَرْضِ۔[1]

خط ۵۷

تین مہینے کی رخصت کے لیے ریڈ صاحب نے بھی سفارش کر دی ہی لیکن حیدرآباد

بقیہ حاشیہ

مولوی نذیر احمد کے ترجمہ کی درستی کراؤ۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ون صاحب سے پوچھا بھی کہ اگر مجھ کو اپنے ترجمے کے نقصان معلوم ہوں تو شاید میں ان کی درستی کر سکوں مگر خدا جانے کس مصلحت سے مولوی نذیر احمد صاحب کو نہ تو کمیٹی کے ممبروں کے نام بتائے اور نہ ترجمے کے اسقام۔ برسوں ون صاحب تلاش میں رہے کہ کوئی شخص مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمے کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے کسی نے ہامی نہ بھری ون صاحب نے کہیں سن لیا تھا کہ حیدرآباد میں امیر کبیر شمس الامرا علم ہیئات کے بڑے عالم ہیں اور اُن کی کتاب شمسیہ بھی ون صاحب کی نظر سے گزر چکی تھی آخر ون صاحب نے سانڈرس صاحب ریزیڈنٹ کی معرفت مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ اصلاح کے لیے حیدرآباد بھیجا اور وہ ترجمہ ریزیڈنٹ سے امیر کبیر اور امیر کبیر سے نواب سالار جنگ مرحوم اور ان سے مولوی سید حسین بلگرامی بی اے۔ کے پاس آیا مولوی سید حسین نے ترجمہ کو بہ نظر اصلاح دیکھا اور مولوی نذیر احمد صاحب کو لکھا کہ اس سے بہتر ترجمہ ہو نہیں سکتا اور اگر ہو سکتا ہی تو تم سے بہتر کوئی کر نہیں سکتا اور اس چٹھی کی نقل مولوی سید حسین نے ون صاحب کو بھیجی جب تک یہ چٹھی پونہچے پونہچے ون صاحب مفلوج ہو کر مر گئے ترجمہ لاوارث رہ گیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے یہ تمام مراسلت اور اصل ترجمہ گورنمنٹ میں پیش کیا۔ گورنمنٹ نے مولوی نذیر احمد صاحب کے ہزار روپے کر دیئے۔ اب وہ ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب کے پاس ہی چونکہ اس میں آسمانی نقشے ہیں اور ہندوستان میں اُن کے چھپنے کا سامان نہیں ترجمے کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

[1] پھرو ملکوں ملکوں اقتباس ہی کلام مجید سے۔

جانا ہوا تو برس دو برس کی فرقت لینی ہوگی۔ ریل ہے تو دوری کوئی چیز نہیں۔ رہی پنشن اس کے لیے میں نے دریافت کیا ہے۔ اگر میں حیدرآباد گیا تو مولوی ... کو ساتھ لیے جاؤں گا اُن کو ابھی سے سنا رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت پر تقاعد کریں طالب اگر سچا ہے تو وہ دور و نزدیک نظر نہیں کرتا۔ اس سے کہ دہلی میں حاجت مند نہ رہیں۔ بہت بہتر ہوگا کہ پردیس میں آسودہ حالی سے بسر ہو۔ اُن کی سی حالت اگر مجھ پر ہوئی تو بھوپال ایسا تھا جیسے دلی والوں کو شاہدرہ چنانچہ جن دنوں میں گجرات گیا وہ بھوپال سے بہت دور تھا تیئیس دن تک متواتر تمام تمام دن چلا تب خدا خدا کرکے گجرات کی شکل دیکھی۔ حیدرآباد سے خط آنے شروع ہوئے ہیں کہ علاوہ تنخواہ کے ۱۵ للعہ ماہوار دوامی بھتہ بھی ہے۔ اب میں صرف دو باتوں کا منتظر ہوں۔ ایک تو رخصتہ کی منظوری۔ دوسرے میں نے جو خط مولوی مہدی صاحب کو لکھا ہے اُس کا جواب۔ اگر حیدرآباد میں پاؤں جم گئے اور نصیب میں ہے تو سر منزل حج و زیارت حرمین شریفین قریب ہے اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا طَوَافَ بَیْتِکَ الْحَرَامِ بشیر تم آپ کب دنیا کو سنبھالو گے۔ بخدا میں تو ملول ہوں۔ وہ اگلی سی گدگدی مجھ میں باقی نہیں۔ بندہ خدا الگ لپٹ کر انٹرنس تو پاس کرلو۔ ۱۴ر فروری ۱۸۷۷ء

خط ۵۸

السَّلَامُ عَلَیْکَ وَالْقَلْبُ مُشْتَاقٌ اِلَیْکَ

وہ ضرورت پڑھنے لکھنے کی جس کے لیے چار ونا چار خط لکھنا پڑتا تھا تم نے فاطبۃً بند کردی۔ اگرچہ دہلی اور رخصتہ اور حیدرآباد کے مضامین جمع ہونے سے پریشانی ہے تو مجھ کو ہے مگر تم نے دیکھا تو ہوتا کہ اس حالت میں بھی تمہارے سبقوں میں بالالتزام اصلاح دیتا ہوں یا نہیں۔ دہلی کالج اگر ٹوٹا تو غضب ہوا۔ گو کالج ٹوٹے پھر بھی اتنا سامان دہلی

لے ایک قسم کی رخصتہ ہے جس میں نصف تنخواہ ملتی ہے۔ کے سستی سے دلی سے جمنا پار ۳ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ سے خدایا ہم کو اپنے حرمت والے گھر کا طواف روزی کر۔ شے تم پر سلامتی ہو اور دل تمہارا مشتاق ہے ۲ بیک قلم۔

میں ضرور رہے گا کہ آدمی تکمیل استعداد کر سکے۔ تم حیدرآباد جانے کے متقاضی ہو جب میں تمھاری عمروں میں تھا تو مجھ کو عرش کی سوجھتی تھی ؎

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

اب صرف اتنی گدگدی دل میں ہے کہ میں نے انکار نہیں کیا۔ اگر ابتدائے بارہ سو دیں گے اور ارذل عمر[1] کے لیے سامان کر دینے کا وعدہ فرمائیں گے تو ان شاء اللہ جاؤں گا۔ لیکن مجھ کو ایسا احمق مت سمجھو کہ بہت دنیا جمع کرنے کو زندگی کا ماحصل سمجھوں۔ بشیر۔ دنیا کو تو خوب دیکھا۔ غریب محتاج تھا خدا نے مال دار غنی کیا۔ اولاد ہوئی۔ حکومت کے مزے اڑائے نام وری اور شہرت سے بھی بے نصیب نہیں رہا۔ لیکن انجام ان سب بکھیڑوں کا کیا ہے؟ آخر فنا آخر فنا۔ اب خداوند تعالیٰ ایسی توفیق عطا کرے کہ کچھ وہاں کے لیے بھی کروں ؎

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے وان کے بھی کچھ یا بس یہیں کے واسطے

وان صاحب چارج لینے کو آ گئے۔ میں حتی الوسع کل سامان فروخت کر دوں گا۔ ولو بخط[2] الثمن۔

... کی کیا شامت ہے کہ وہ جانوروں کے ساتھ گاؤ زوریاں کرتے ہیں ع مارا ازیں وجود ضعیف ایں گماں نہ بود۔ گھوڑا رکھیں بھی تو سلیم الطبع اور کار آزمودہ۔ تم نے بھی ماموں کی خوسیکھی ہے کہ جانوروں سے بے باکانہ کام لیتے ہو۔

اب تو ... صاحب بھی بیٹی کا نیلام کرتے ہیں۔ اپنے مونہ سے پچیس ہزار مہر کر دیا اور برس بعد شاید دس ہزار کی نوبت پونہچے۔ مولوی ... کا نام میں نے نہیں سنا رقعہ لکھا ہے تو جانچ تول کر بھیجا ہو گا۔ العجل[3] العجل فما یجدی الامل بدون العمل

---

[1] اخیر عمر۔ یہ لفظ قرآن مجید کی اس آیۃ میں واقع ہے ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئا۔ یعنی تم میں سے بعض پھر ذلیل زندگانی کی طرف پھیر دیئے جاتے ہیں تاکہ جو کچھ معلوم ہے سب جاتا رہے یعنی انتہا کے بڈھے ہو جاتے ہیں اور کسی بات کا ہوش نہیں رہتا [2] اگرچہ قیمۃ گر کر ہی کیوں نہ ہو [3] جلدی کرو جلدی کر امید بے کوشش فائدہ نہیں دیتی۔

مکان کو چھاؤ۔ مجھ کو بہت آخور کی بھرتی پسند نہیں۔ مکان لو تو بھلا۔۔۔ کا سا لو کہ دنیا میں بہشت یاد آئے۔ واہیات جھونپڑے جو تم نے رکھے ہیں نہ رہنے کے نہ سہنے کے۔ ایک عمدہ نفیس مکان مل جائے تو بس کافی ہے۔

۔۔۔ نے پارے[1] شروع کیا ہوگا۔ حروف اور حرکات خوب پہچنوائے جائیں۔ اس میں خامی رہ ۔۔۔ تو مدتوں تک پڑھنا نہیں آتا۔ ۲۳ فروری ۱۸۷۴ء

خط ۵۹

۱۶۔ فروری کو صبح ہوتے جو خواب تم نے دیکھا یعنی وہ رائے جو تم نے تاریخ و جغرافیہ و ریاضی بلکہ مدرسے کی تمام تر تعلیم کے بے سود ہونے کی نسبت بہم پہنچائی مجھ کو تمہارے خط کے ذریعے سے معلوم ہوئی۔ بجائے اس کے کہ مجھ کو ناخوشی ہوئی ہو تو اس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اپنی بری بھلی رائے کو ہمیشہ نہایت آزادی کے ساتھ بے تامل ظاہر کیا کرو۔ رائے کی غلطی عیب نہیں ہے۔ افہام و تفہیم اور مباحثہ و مناظرہ سے ہر غلطی کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر دو دلی اور نفاق کا کچھ بھی دفعیہ نہیں۔ جب تمھارا الطوئے[2] منکشف نہ ہو تو کوئی کیا جان سکتا ہے کہ تم اپنے ذہن میں کیا سوچا کرتے ہو۔

میں سرکاری تعلیم کا ایسا طرف دار نہیں ہوں کہ متعصبانہ اس کی حمایت کروں لیکن انگریزی کی بدترین تعلیم عربی کی بہترین تعلیم سے باستثنائے مذہب یقیناً عمدہ اور نافع ہے۔ عربی میں زبان اور منطق کے خیالی ڈھکوسلوں کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ یورپ کو جو اس وقت معراج ترقی حاصل ہے جانتے ہو کیوں ہے۔ ان لوگوں میں صرف یہ ہنر ہے کہ واقعات نفس الامری میں تمام یورپ کی ہمتیں محصور ہیں۔ ہم لوگ خیالی مضمونوں کے پیچھے پڑے رہتے اور آخر تک سوائے چکنی چپڑی باتیں بنانے اور جھوٹے بے اصل منصوبے باندھنے کے کچھ نہیں سیکھتے۔ جھوٹے القاب۔ جھوٹے آداب جھوٹے اشتیاق۔ جھوٹی تشبیہات۔ جھوٹے استعارات ہمارا علم انشا ہے۔ شاعری جو کمال انشا ہے اس

[1] جز و قرآن مراد ہے عوام سیپارہ کہتے ہیں۔ شروع کرنے سے معلوم ہوتا کہ عم تیساویں کا پارہ ہو گا جس میں چھوٹی سورتیں ہیں اور مبتدیوں کو پہلے وہی پڑھایا جاتا ہے [2] یعنی جو تمھارے دل میں ہو۔

ہیں معشوق وہ فرض کیئے گئے جن کے کمر نہیں۔ منہ نہیں جن کی زلفیں سلسلۂ نامتناہی سے زیادہ دراز۔ جن کے سُرین پہاڑ۔ اگر ایسے معشوق کہیں نظر پڑ جائیں تو لوگ اُن کو ہوّا[1] اور بھوت سمجھیں۔ انگریزی شاعری کو دیکھو بالکل نیچر[2] کے مطابق مبالغے اور جھوٹ کا نام نہیں جس چیز کے حالات سے کسی علم میں بحث کرتے ہیں اُس کو اس علم کا موضوع لہٗ کہتے ہیں جیسے صرف و نحو کا موضوع لہٗ کلمہ و کلام طب کا بدن انسان حساب کا عدد۔ انگریزی علوم کیا ہیں کہ موجودات عالم میں سے ہر ہر چیز کسی علم کا موضوع لہٗ ہے۔ علم آب۔ علم ہوا۔ علم مقناطیس علم حرارۃ۔ علم روشنی وغیرہ افسوس کہ ہمارے یہاں کہیں ان علوم کا پتا نہیں۔ انگریز لوگ کہیں سمندر کے کنارے مچھلی کے انڈے گنتے پھرتے کہیں پہاڑوں کے دروں میں بھٹکتے کہیں ریگستان کی خاک پھانکتے غرض موجودات عالم کے حالات کی تفتیش و تلاش میں سرگرم ہیں اور اسی سے اس درجے کو پہنچے۔ کوئی انگریزی چیز تو دیکھو کس خوبی اور صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہے۔ یہ سب علم واقعات کے جلوے ہیں۔ ریل تار برقی نتیجے ہیں خواص حرارۃ میں غور کرنے کے یہ مضمون تو اس قدر وسیع ہے کہ بجائے خود محتاج کتاب ہے ایک خط میں سما نہیں سکتا میں یہ نہیں کہتا کہ بی۔ اے اور ام۔ اے محتاج و مفلس نہیں لیکن کیا ضرور ہے کہ تم نام مثالوں پر نظر کرو ؎

ہمہ بلند وار کہ پیش خدا و خلق　　باشد بہ قدر ہمتِ تو اعتبار تو

ہر ہنر اور ہر پیشے اور ہر فن میں کامیاب اور ناکام ہوتے آئے ہیں لیکن اس سے لوگوں نے کسب ہنر نہیں چھوڑ دیا۔ مثلاً وکیل ایک وہ ہیں جو پانچ ہزار ماہوار کماتے ہیں اور دوسرے پالکی کے کہاروں کا کرایہ بھی گرہ سے بھرتے ہیں پھر بھی ہزارہا لوگ امتحان وکالت دیتے ہیں۔ جو طرز تم اختیار کرنا چاہتے ہو کہ عربی پڑھوں۔ قانون یا دکروں انگریزی مطالعہ کتب و اخبار سے بڑھالوں کیا تم کو وحی[3] ہوئی ہے کہ اس طرز میں ضرور کامیابی ہوگی ؟

---

[1] بچوں کے ڈرانے کی ایک ہیبتناک صورت۔ اللہ کا فضل۔ ہوّا۔ [2] حالات موجودہ نفس الامری [3] الہام۔

بشیر۔ آیندہ کا حال معلوم نہیں کہ کس کی تقدیر میں کیا ہی۔ لیکن تدبیر شرط ہی۔ سو دربارے میں پڑھنا بھی ایک تدبیر ہی اور یہ ایسی تدبیر ہی کہ تم اس میں منفرد نہیں۔ اگر یہ حمق ہی تو حمق میں ہندوستان اور یورپ ملا کر لاکھوں بندگان خدا مبتلا ہیں۔ قانون کے صرف دو مصرف ہیں ایک وکالۃ سو مشہور اور سچ ہی بار از دور کرد ڈو (یعنی صیغہ وکالۃ میں مطلق گنجائش نہیں) اور پھر گنجائش بھی ہو تو تمھاری لکنت نے تم کو نا قابل کر دیا ہی رہ گئی تحصیلداری مشروط بہ وعدہ کلکٹری ہی یعنی کلکٹر ضلع وعدہ کرکے خود امتحان کی اجازت دے اور امتحان میں پاس ہو تب تحصیلداری ملے۔ تو پڑھنے کی کیا ضرورت ہی۔ انگریزی عربی سب چھوڑ دو اس کو اردو کافی ہی۔ کیوں کہ کل قوانین اردو میں ہیں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ اس لفٹنٹی میں بلکہ شاید ہر جگہ ایسے تحصیلدار اور ایسے ڈپٹی کلکٹر بھی موجود ہیں جن کے مقابلے میں تم کو اس وقت من حیث اللیاقۃ[1] ترجیح ہی۔ میں اپنے معاصرین[2] میں بہتوں کو جانتا ہوں جو ہر پہلو سے مجھ پر فائق ہیں۔ قانون کا امتحان دے کر... تحصیلدار کیوں نہیں ہو گئے عربی پڑھ کر مولوی... ڈپٹی کلکٹر کس لیے مقرر نہیں ہوئے۔ اگر تم نے علم کا یہی نتیجہ سمجھا کہ وہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہی تو تم نے ہرگز علم کی قدر نہیں جانی۔ تجارہ۔ زمینداری۔ دستکاری وغیرہ بہت سے ہنر اور پیشے ہیں۔ جن میں علم درکار نہیں اور روپیہ خوب کمایا جا سکتا ہی۔ علم وہ چیز ہی کہ آدمی کو ہر حالہ میں توقیر دیتا ہی عام اس سے کہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہو یا نہ ہو۔ تم کو روپیہ کمانے کی کیا جلدی پڑ گئی۔ میں جب تک زندہ ہوں تمھاری ضرورتوں کو رفع کروں گا اور مجھ سے لینے میں تم کو تامل کیوں ہونے لگا۔ جیتے جی نہ لوگے تو مرے پیچھے لوگے
ع ورنہ ستانی بہ ستم می رسد۔ ۱۲۔ ۱۳ تک تو عمر تحصیل ہی۔ تم نے کہیں اپنے تئیں اس عمر میں بڈھا فرض کر لیا۔ لیاقت کو سمجھو کہ گویا باران رحمت ہی۔ پانی تمام زمین پر برستا مگر ہر قطعہ زمین میں اس کے آثار مختلف ہے

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

لوگ بی۔ اے۔ ہوتے کوئی انھی دو حرفوں کے ذریعے سے مناصب جلیلہ پر پونہچتا

---

[1] لیاقت کے اعتبار سے [2] اہل زمانہ۔ اقران۔

اورکوئی بھیک مانگتا ہے

پڑھیں فارسی بیچیں تیل یہ دیکھو قدرة کے کھیل

کون کہہ سکتا ہی کہ تم کو خدا نے کس غرض کے لیئے بنایا ہی۔ اگر ہزار شخص ہم لیاقۃ ہوں ضرور نہیں کہ وہ سب ہم حالۃ بھی ہوں۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہی کہ کچھ ایسی تحریک درپیش ہی کہ مجموعہ نمبر پر پاس کیا جائے۔ ہر سبجکٹ[1] میں نمبر کامل نہ ہو نہ سہی۔ بے شک تاریخ جغرافیہ لڑکوں کو تکلیف دیتا ہی لیکن وہ دو حرف بی۔ اے کچھ ایسے مقبول ہیں کہ اُن کے لیئے سب زحمتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اور ضرور تم کو کچھ بے عنوانی کرتے ہو ورنہ ایسی داویلا کی چیز نہیں۔ عمدہ مطلب منتخب کر لیا کر۔ ریاضی وغیرہ پر کیا موقوف ہی جب تعلق[2] باقی نہیں رہتا تو سب چیزیں بھول جاتی ہیں مگر پھر بھی گوش رسیدہ اثرے دارد ایک کیفیۃ ضرور حاصل ہو جاتی ہی جس کو مناسبتہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تو مسلّم ہی کہ عقل دنیا جیسی انگریزوں میں ہی۔ کسی قوم میں نہیں اور علوم کے اعتبار سے کچھ شک نہیں کہ کوئی مفید علم نہیں۔ جو انھوں نے نہیں لیا۔ تاریخ۔ جغرافیہ کا انگریزی تعلیم میں ہونا کافی دلیل اُس کے مفید ہونے کی ہی۔ تم کو کچھ اندازہ ہی کہ دنیا میں کتنے پرچے اخبار کے جاری ہیں شاید لاکھوں۔ اور کیا فرق ہی اخبار و تاریخ میں۔ اخبار تاریخ حال اور تاریخ تاریخ گزشتہ عام آگہی (جنرل انفارمیشن) تمھارے نزدیک کچھ قدر کی چیز ہی یا نہیں ہی پس ادنی فائدہ تاریخ کا عام آگہی ہی۔ حضرة من۔ کس خیال میں ہو۔ کوئی انگریزی ارٹکل[3] نہیں جس میں واقعات تاریخی کا حوالہ نہیں۔ تاریخ سے تحریر مضامین یعنی اسّے[4] میں بہت مدد ملتی ہی تاریخ داں کو استناد و استشہاد کی بڑی قوة ہوتی ہی۔ وہ ہر رائے کی دلیل میں واقعات گزشتہ کی سند دے سکتا ہی اور جب کہ وہ شرطِ کامیابی امتحان ہی تو یہ بجائے خود اُس کا نفعِ عظیم ہی۔ مطالعۂ کتب و اخبار سے بھلا آپ کیا انگریزی بڑھا لیجے گا جب کہ اس کا فونڈیشن[5] ضعیف ہی۔ انگریزی اس تہپر سے بڑھتی تو میں کبھی کا بڑھا چکا ہوتا۔ تسوید

---

[1] مضمون [2] مشاقی۔ مہارۃ [3] مضمون۔ تحریر [4] ایسّے اور ارٹکل دونوں کے معنے قریب قریب ہیں۔ جواب مضمون۔ [5] بنیاد جڑ ۔ ۱۲

یعنی کمپوزیشن اور اصلاح کا لینا اور گرامر کا حفظ نہایت ضرور ہے عربی۔ سبحان اللہ کیا پتہ چھپا ہے۔ مگر جب مدرسے کی چیزوں سے عاجز ہو تو باہر کیا خاک پڑھو گے تم اتنے ضعیف القوی نہیں جتنے کہ ضعیف الہمت ہو۔ یہ بھی تمھارے نفس کا خدع ہے۔ جب تم عربی پڑھائے جاتے تھے تو عربی سے بھاگتے تھے۔ اب انگریزی پیر پڑی ہے تو اس سے جان چراتے ہو یعنی تمھاری بے دلی اور تمھارا تذبذب تمھیں کٹھ ملا رکھے گا۔ نوکری کروگے اور کچھ روپیہ کما سکوگے مگر نام و نمود یا منصب جلیل کے امیدوار مت رہو اور یوں خدا اپنے گدھوں کو حلوا دے تو کیا کسی کا دینا ہے۔ مجھ کو اس سے تو خوشی ہے کہ تم نے اپنی رائے کو ظاہر کیا مگر اس کا سخت رنج ہے کہ کیوں خدا نے تمھارے خیالات ایسے کیے۔ میں نے تمھاری بات کا برا نہیں مانا تم بھی میری بات کا برا نہ مانو۔ بشیر۔ خدا کی قسم بے محنت دنیا میں کچھ نہیں ہوا اور محنت سے جان چرانا بدنصیبی اور حرمان کی دلیل ہے جس کام میں لگے ہو لگے رہو یک در گیر محکم گیر۔ نیت کو ڈانواڈول مت کرو۔ خدا اسی میں برکت دے گا جتنا ہو سکتا ہے کیے جاؤ۔ تم اس قدر بے دل کیوں ہوتے ہو۔ مشکلے نیست کہ آساں نہ شود۔ مرد باید کہ ہراساں نہ شود۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نوکری مت کرو۔ میں اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر تم کو آسائش پہنچا سکتا ہوں۔ غرض جو کچھ تم فرماؤ کرنے کو موجود ہوں مگر یہ کہ تم نہ پڑھو میں نہیں کہہ سکتا۔ اور تمھارا یہ کہنا کہ یوں پڑھوں دو دن نہ پڑھوں گویا یہ کہنا ہے کہ نہ پڑھوں کیوں کہ جن کو پڑھنا منظور نہیں ہوتا۔ ان کا یہی دستور دیکھا ہے کہ عربی چھوڑی۔ انگریزی لی انگریزی چھوڑی قانون شروع کیا۔ انجام یہ کہ نہ انگریزی ہوئی نہ عربی نہ قانون۔ لوگ تو عمریں صرف کرتے ہیں تم دو ہی برس میں گھبرا گئے۔ سبب یہی ہے کہ مدرسے میں پوچھ گچھ ہوتی ہے اور تم تھے اس کے خوگر کہ پڑھا اور کتاب تہ۔ پھر جو کتاب کھولی تو استاد کے سامنے بیٹھ کر۔ اگر تم نے اپنی رائے پر عمل کیا تو میں تم کو ان شاء اللہ یہ بھی دکھا دوں گا کہ اگلے برس نہیں تو تیسرے سال عربی انگریزی قانون سب ندارد۔ نوکری بھی تم کو کوئی ابھی نہیں دے گا۔ ۲۵ برس تو قانوناً نوکری کے لیے منتہائے (اقل الاعمار) ہے کہ

۱؎ [illegible] ادھورا مولوی - جاہل -

اس سے پہلے کی خدمت داخل پنشن نہیں۔ بھلا جب ہندوستان کے نوجوان کی ہمتوں کا یہ حال ہو تو کیا وہ ولایت جا کر سول سروس کے لیے کمپیٹ (مقابلہ) کریں گے۔ ابھی ریش و بروت[1] آنے تک میں تمھارے لیے کوئی مشغلہ سوائے اس کے نہیں دیکھتا کہ پڑھے جاؤ۔ ابھی انٹرنس تو پاس کرو۔ بی اے اور ایم۔ اے کے تو بڑے درجے ہیں۔ تمھاری طرز عبارت سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ چھوڑ چکے۔ صرف یہ چاہتے ہو کہ میں ترک پر تمھاری تحسین کروں اور کہوں کہ شاباش اچھا کیا۔ اگر میں دیکھتا کہ تم عمل پر فریفتہ ہو تو میں تم کو اپنے پاس رکھتا لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں تم پڑھنا تو چاہتے ہو لیکن آسانی کے ساتھ مطالعہ نہ ہو۔ یاد نہ کرنا پڑے بتانا نہ ہو۔ سو میرے نزدیک ہے ع این خیال است و محال است و جنوں۔ بشیر۔ اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا تمھاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں تم جاؤ تمھارا کام جانے۔ لیکن اے خدا مجھ کو اس مصیبت کے جیتے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا۔ اگر رخصت لے کر دہلی رہنا ہوا تو ان شاء اللہ میں دیکھوں گا کہ کون سی چیز تم کو دشوار ہے۔ میری زبان میں خدا نے اتنی قوت دی ہے کہ سمجھا دینے اور ذہن نشین کر دینے کا دعویٰ رکھتا ہوں۔ فقط۔

۲۴ فروری ۱۸۷۷ء

خط ۶۰

دہلی کالج تو ٹوٹا لیکن انٹرنس تک کے واسطے کوئی انتظام ضرور کیا گیا ہوگا۔ پس کالج کو رو دیں تو کالج کلاسز[2] روئیں یا مولوی . . صاحب توجہ کریں تم کو کیا۔ یہ دستور جی لگا کر پڑھے جاؤ۔ جب خدا وہ دن کرے گا کہ انٹرنس پاس کر وگے تو دیکھا جائے گا بشیر۔ تم ہی پڑھنے سے دل برداشتہ تھے۔ تم ہی نے کالج کو کوس کوس کر کھو دیا... کو زیادہ تر لکھنے پڑھنے نے اور کسی قدر تمھاری مدارات بالمساوات[3] نے تباہ کیا۔ وہ نہیں معلوم کیا امیدیں لے کر آیا تھا اور تم نے سو کا اٹرغا یا کیوں کر رہے۔ ای کاش یہی ہوتا کہ وہ میرے کام کا ہوتا۔ وہ کم بخت تو کچہری کے کام کا بھی نہیں پس اس کو رجعہ

۱ داڑھی مونچھ ۲ کالج کی جماعتیں ۳ برابری کے ساتھ معاملہ کرنا۔

کچہری کرنے دو یعنی چھوڑ دو کہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرے۔
شاید میں تم کو لکھ چکا ہوں لیکن خیال آتا ہے کہ نہیں لکھا۔ نواب سر سالار جنگ بہادر نے منظور فرمایا کہ میری انگریزی نوکری وہاں کی خدمت میں مجرا و محسوب ہو کر پنشن دی جائے۔

۶ مارچ ۱۸۷۷ء

خط ۶۱

تم کو میرے خط نہ بھیجنے سے حیرت ہوگی اور خود مجھ کو بھی اپنی یہ ادا پسند نہیں ہوئی لیکن حال یہ ہے کہ اب تک میں اطمینان سے نہیں بیٹھا اور ابھی شاید مہینوں میری یہی حالت رہے۔ اگر تم کو میرے حالات کا دریافت کرنا ضرور ہو تو مولوی .... سے مراسلت بڑھالو۔

جہاں اب ہوں حقیقت میں ایک نئی دنیا ہے یعنی حیدرآباد میں ۲۷ - اپریل کو پہونچ گیا تھا۔ دو مرتبہ۔ ہز اکسلنسی نواب سر سالار جنگ بہادر سے ملا۔ مدار المہام اور مختار الملک اور نواب صاحب اور سرکار عبارت ہے نواب سر سالار جنگ بہادر سے اور حضور اور بندگان عالی حضور نظام سے۔ میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے ساز و سامان اور تزک و احتشام دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ دلی اور لکھنؤ میں اس کا عشر عشیر[2] بھی نہ ہوگا شہر میں جا کر دیکھو تو مارے ہجوم کے تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں اور پھر ہجوم بھی قلی مزدوروں بھیک مانگنے والوں کا نہیں بلکہ نوابوں اور سرکاروں کا جن کی اردلی میں پلٹنیں اور رسالے اور ہاتھی دوڑتے ہیں سرکار کے محلوں میں جا کر میں ہکا بکا[3] سا ہو جاتا ہوں اور یہ تموّل اس حالت میں ہے کہ عمل داری میں اچھا انتظام نہیں۔ شاید قریب نصف عین[4] المال سرکار نمک حرام نوکر خورد و برد کرتے ہیں۔ اور اگر خدا نوکروں کو توفیق خیر خواہی دے تو یہ ملک جائے

---

[1] خطاب عزت جو بڑے بڑے امرا نوابوں اور راجاؤں کو ہوتا ہے جیسے ہماری زبان میں معلی القاب وغیرہ
[2] مولوی نذیر احمد صاحب بگڑے ہوئے وقتوں کی بات کہتے ہیں ورنہ لکھنؤ بھی حیدرآباد کا مد مقابل تھا بلکہ حیدرآباد سے بہت بڑھا ہوا اور دلی تو دار السلطنت تھا اس سے حیدرآباد کو کیا نسبت ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک [3] حیران [4] اصل خزانہ۔

خود ادوہ کا چوگنا ہی۔ اور زمین بعض اطراف میں بلا مبالغہ تین سو روپئے بیگھہ تک کی موجود ہی۔ نوکروں کی شوخ چشمی کی وجہ یہ ہی کہ موقوفی کا دستور نہیں۔ جرمانہ کرنے کا قاعدہ نہیں۔ سرکار نے مجھ کو یکم اپریل یعنی روز روانگی اعظم گڑھ سے الی اللعہ کے حساب سے تنخواہ دی جس میں ہزار روپیہ تنخواہ ہی اور بااللعہ بھتہ دوامی۔ دہلی سے حیدرآباد تک میرا اول درجہ کا اور میرے دو ساتھیوں کا سوم درجے کا کرایہ ریل دیا۔ پھر مولوی . . . اور منشی . . . دونوں کو روز وصول حیدرآباد سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو کا نوکر رکھ لیا اور میری ماتحتی میں مامور فرمایا اور غالب ہی کہ تیس تیس روپیہ اُن کو بھی بھتہ ملے۔ ابھی میں نے کام پر تسلط نہیں پایا بلکہ بہ ایمائے سرکار عالی دورے پر ہوں اور جب تک موسم اجازہ دے دورے میں رہوں گا۔ گرمی تو یہاں ہی مگر نہ وہاں کی سی۔ خیمہ اگرچہ دھوپ میں ہی مگر وہ تپش نہیں کہ آدمی بے چین ہو جائے۔ موسم یہاں معتدل سے رہتے ہیں جاڑے میں لحاف کی ضرورۃ نہیں۔ گرانی ہی اور بہ وجہ خشک سالی ان دنوں اور زیادہ ہی لیکن لوگ ایسے خوش حال ہیں کہ کبھی کوئی گرانی کا نام بھی نہیں لیتا۔ جس خدمت پر میں ہوں بڑی معزز رہی الحمد للّٰہ علی نعمائہٖ و آلائہٖ۔

اگر میں کثرت سے خط نہیں بھیج سکتا تو من وجہ معذور ہوں۔ دیار اجنبی میں ہوں دن بھر کوئی نہ کوئی نئی بات سیکھتا ہوں۔ یہاں کی زبانیں جو مفصلات میں بولی جاتی ہیں مرہٹی۔ تلنگی۔ کنڑی۔ آنڈری۔ ہیں۔ جن کا ایک لفظ میں نہیں سمجھتا۔ لیکن تم مجھ کو بہ دستور ہفتے میں دو خط لکھا کرو تاکہ مجھ کو جواب دینے پر برانگیختہ کرتے رہو۔ جلدی سے انٹرنس پاس کرو۔ ان شاء اللہ اس سرکار میں تمھارے لیئے بہت کچھ ہو جائے گا۔ اور اب میں تمھارا دہلی میں زیادہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ میں اس دورے میں مدراس جانے والا ہوں فقط۔ ۲۵۔ ربیع الثانی ۱۲۹۴ھ ہجری۔

خط ۶۲

مرد خدا۔ تم ایسے سمجھ دار آدمی ہو کر ایک مہینے کی تعطیل کے متحمل نہیں ہو سکتے

لہ خدا کی ستایش اُس کی نعمتوں اور احسانوں پر لہ کسی قدر ۳ ان جان ملک۔

اور گھبراتے ہو اس سے تمھارے شوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تم نے ذہن نشین کر لیا ہے کہ پڑھنا صرف نوکری کے لیئے ہے اور نوکری بخت و اتفاق پر منحصر۔ جو آدمی ایسے مقدماتِ[1] اپنے دل میں رکھتا ہو ضرور یہی نتیجہ نکالے گا جو تم نے نکالا کہ زیادہ ضرور نہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جو پڑھنے کو تکمیل نفس اور حصول امتیاز کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور معاش میں جو تائید پونہچے وہ ایک منفعتِ ضمنی ہے۔ وہ لوگ تحصیل علوم سے کبھی ملول نہیں ہو سکتے۔ بہرکیف سمجھانا بھی ایک عمر تک ہوتا ہے اور میرے نزدیک تم نے اُس عمر سے تجاوز کیا۔ تم نفع و نقصان میں تفرقہ کرنے پر قادر ہو مگر میں اتنا تو کہوں گا کہ تم اپنی وحشت کا علاج کرو۔ سوسائٹی میں جا کر اخبار دیکھو پچھلا پڑھا ہوا یاد کر لو۔ یعنی جا ہو تو ایسے مشاغل اپنے اوپر لازم کر سکتے ہو کہ وقت بانغاطر ہو۔ میں عن قریب بلدہ یعنی حیدرآباد جاؤں گا۔ چند روز کی بات ہے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے نواب صاحب کے اشارے سے مجھ کو لکھا کہ سمت یعنی قسمتِ شرقی کی صدر تعلقہ داری یعنی کمشنری تمھارے لیئے تجویز ہوئی ہے اور فوراً تنخواہ بارہ سو کر دی جائے گی۔ بعد علاوہ اور اس قسمت کا بندوبست بھی تم سے متعلق رہے گا۔ میں نے ابھی اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ اس سلطنت میں بہ اعتبارِ اختیارات وحکومت صدر تعلقہ داری کا عہدہ نہایت عمدہ ہے۔ جو نسبت مدار المہام کو تمام ریاست سے ہے وہی نسبت صدر تعلقہ دار کو اپنی قسمت سے ہوتی ہے یعنی جیسی جامعیت مدار المہام میں ہے ویسی ہی صدر تعلقہ دار میں بھی ہے مگر محدود بہ قسمت پس جتنے صیغے مال عدالت تعلیمات تعمیرات۔ وغیرہ کے ہیں۔ صدر تعلقہ دار کل صیغوں میں حاکم اکبر ہے۔ لیکن وہ مدار المہام اور صدر المہام اور سب کے معتمدین کا ماتحت ہے۔ یوں سمجھو کہ صدر تعلقہ دار بہ منزلہ کمشنر ڈویژن کے ہے جو بورڈ اور گورنمنٹ کا تابع ہوتا ہے اور بندوبست کی نوکری بے انضمام حکومت سمت چلنے والی نہیں اس نظر سے میرا ارادہ ہے کہ صدر تعلقہ داری منظور کر لوں۔ سردست تنخواہ بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اور اضافہ بندوبست بھی باقی ہے لیکن اس کا فیصلہ میں نے مراجعتِ بلدہ پر ملتوی رکھا ہے۔ نواب صاحب نے میری ایک رپورٹ کو پسند فرمایا اُس پر یہ تجویز ظاہر ہوئی۔

[1] اجزائے دلیل یہ منطق کی اصطلاح ہے۔ مطلب منصوبے سے یعنی جو شخص ایسے منصوبے گانٹھتا ہو۔

. . . اور مولوی . . . یہاں آنے میں عجلت نہ کریں۔ میں اُن کی فکر سے غافل نہیں ہوں مگر دیر آید درست آید۔ پھر یہاں شاہی کارخانے ہیں۔ آدمی کو جگہ نہیں ملتی۔ یہ بھی ایک امر من جانب اللہ تھا کہ مجھ کو بے درخواست طلب فرمایا ورنہ ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدوروں کی عرائض پر یہاں کوئی ملتفت بھی نہیں ہوتا فقط۔ ۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۹۴ھ مقام نلگنڈہ

خط ۶۳

یہ کیا غضب ہے کہ تم میرے خطوط نہ پہنچنے کے شاکی ہو درحالیکہ میں نے . . . کو دو خط لکھے (اور واقعی لکھے) تو تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے تم کو کتنے خط لکھے ہوں گے جہاں تک میرا حافظہ مساعدۃ کرتا ہے میں نے چھ سات خط سے کم نہیں لکھے۔ تم سے بڑھ کر کبھی دنیا میں مجھ کو کسی سے تعلق ہے بالخصوص جب دسترخوان پر بیٹھتا ہوں تم سب لوگ ضرور یاد آتے ہو یہ بد انتظامی جو خطوط کے پہنچنے میں واقع ہوئی کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ ایک عملداری سے دوسری عملداری میں خط کا جانا ہمیشہ خالی از خطرِ تلف نہیں دوسرے مجھ کو خود کسی مقام پر قرار نہیں۔

میں نہیں جانتا کہ تم کو میرے حالات کہاں تک معلوم ہیں اس واسطے مجھ کو اپنی رام کہانی پھر دہرانی پڑی۔ میں حیدرآباد میں پہنچ کر شاید صرف ایک ہفتہ مقیم رہا۔ اس اثنا میں دو مرتبہ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ارشاد ہوا کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ورخود میں بھی ناواقفیت کی وجہ سے گھبراتا تھا۔ غرض حیدرآباد میں جلسۂ خطبی[1] کر کے دورے کو نکل کھڑا ہوا گویا سفرِ دہلی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پایا۔ حکم تو یہ تھا کہ ناگر نول اور نلگنڈہ دو ضلع ملک تلنگانہ کے دیکھ آؤ لیکن جب میں ضلع ناگر نول کے صدر مقام محبوب نگر میں پہنچا تو ایک انگریزی ضلع کرنول قریب تھا بے اختیار جی چاہا کہ جا کر وہاں کا طرز انتظام بھی دیکھوں چنانچہ اکیلا کرنول چلا گیا۔ ایک ہفتہ وہاں تھا۔ پھر ناگر نول آ گیا اور دورے کی کل چلنی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ آخر کار نلگنڈہ پہنچا۔ اس دورے میں مجھ کو یہ بھی حکم تھا کہ کل دفاتر کی تنقیح[2] کروں۔ جو کچھ دیکھتا تھا اُس کی کیفیت سرکار میں بھیجتا۔ خدا کی قدرت اُن کیفیتوں نے

[1] دو خطبوں کے بیچ میں خطبہ خواں ذرا کی ذرا یوں ہی سا بیٹھ جاتا ہے اسی کو جلسۂ خطیبی کہتے ہیں۔ [2] جانچ پڑتال

نواب صاحب کے دل پر بڑا عمدہ اثر کیا اور سرکار نے سمجھا کہ یہ کام کا آدمی ہے۔ یہ صرف خدا کی مہربانی تھی کہ ایک تازہ وارد۔ راہ و رسم ملک سے بے۔ زبان سے ناآشنا۔ دستور و رواج سے ناواقف آتے کے ساتھ معقول رائے دینے لگا۔ اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہاں فارسی دفتر ہے اور میں نے ساری عمر کبھی فارسی نہیں لکھی۔ مجھ کو تو فارسی کی تحریر ایک اجنبی بات معلوم ہوئی لیکن چار و ناچار لکھنی پڑی۔ وہ خدا کے فضل سے کچھ ایسی بن پڑی کہ تمام حیدرآباد میں غل مچ گیا اور لوگ لوہا مان گئے۔ غرض میں تو دورے میں تھا اور خدا کا فضل میرے واسطے صدر حیدرآباد میں یہ سامان جمع کر رہا تھا۔ دفعتہ حکم پہنچا کہ سرکار کو تم سے کچھ کہنا ہے فوراً چلے آؤ۔ میں تو گھبرایا کہ الٰہی کیا ماجرا ہے۔ یہاں آکر دیکھا تو نواب صاحب کو اپنا کلمہ پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے دورے سے یہ رائے لکھی تھی کہ اس ملک کی حالت بندوبست کے لائق نہیں۔ اول تو ملنگانہ ویران بہت ہے۔ لاکھوں بیگھہ بنجر پڑا ہے آدمی نہیں کہ اس کو جوتے۔ علاوہ اس کے بندوبست کے لیے وقت اور روپیہ بہت درکار ہے ایک ضلع کے لیے سات برس کم سے کم چاہییں اور اسی طرح کم سے کم پندرہ لاکھ روپیہ اور سرکار نظام میں اتنی سکت نہیں کہ اتنے بڑے مصارف کی متحمل ہو سکے بس میرے نزدیک سرسری بندوبست نظری داروی پیمائش کر کے کاشتکاروں کے ساتھ دہ سالہ قول کر دیا جائے یہ رائے نواب صاحب کے دل میں کھب گئی اور زیادہ اثر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ناظم بندوبست ہو کر میں نے ایسی رائے دی جو میرے مطلب کے خلاف تھی۔ مگر میرا اس میں نقصان کیا تھا؟ مجھ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ بندوبست ہو یا نہ ہو میری تنخواہ مجھ کو ملا کرے گی۔ اور اگر میرا نقصان بھی ہوتا تاہم غلط رائے کا دینا داخل بددیانتی تھا۔ مولوی مہدی علی صاحب کو اس رائے سے اتفاق نہیں لیکن میں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ جیسا بندوبست مولوی صاحب کے ذہن میں ہے وہ کبھی چلنے والا نہیں یہاں شخصی حکومت ہے اور جتنا کچھ نظم و نسق ہے نواب صاحب کی ذات تک ہے۔ خدا ان کو عمر نوح عطا کرے اور مولوی صاحب اس پر نظر نہیں کرتے۔ حاصل کلام یہ کہ نظامت بندوبست سے تو میرا دل دورے میں کھٹکتا ہوا اور میں حیران تھا کہ یہاں کیسا بندوبست اور کیا اس کا انجام

میں نے عہدہ داران اضلاع کی بے ضابطگیاں بہت پکڑیں اور نواب صاحب کو صاف صاف لکھ دیا کہ مفصلات میں سخت خرابی ہے ان سب باتوں کے انضمام سے نواب صاحب کے دل میں میری نسبت صدر تعلقہ دار کر دینے کا خیال پیدا ہوا۔

یہاں کے انتظام کی کیفیت یہ ہے کہ نواب صاحب کو تم بمنزلہ گورنر سمجھو۔ اگرچہ نواب صاحب یقیناً ہم رتبہ گورنر جنرل ہیں اور جب ولایت تشریف لے گئے تھے تو مراتب شاہانہ اُن کے ساتھ برتے گئے اور اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ من حیث الاختیارات[1] بادشاہ دکن ہیں نواب صاحب مدار المہام ہیں اور اُن کے نیچے چار صدر المہام۔ صدر المہام مال گزاری جیسے تمھارے یہاں بورڈ آف ریونیو اور صدر المہام کوتوالی یعنی انسپکٹر جنرل پولیس اور صدر المہام عدالت یعنی ہائی کورٹ اور صدر المہام متفرقات یعنی تعلیمات طبابت ڈاک۔ تعمیرات۔ صفائی وغیرہ۔

چوں کہ میں صیغۂ مال کا ملازم ہوں مجھ کو مدار المہام اور صدر مدار المہام سے تعلق ہے۔ ہمارے صدر المہام مال گزاری نواب مکرم الدولہ بہادر ہیں نواب صاحب ادام اللہ دولتہٗ کے بھانجے اور داماد۔ مولوی مہدی علی صاحب نواب صاحب کے معتمد علاقۂ مال گزاری ہیں۔ یعنی ریونیو سکرٹری۔ اور دستور رتن جی پارسی معتمد صدر المہام مال گزاری یعنی سکرٹری ٹو دی بورڈ آف ریونیو۔ صدر المہام مال گزاری کے تحت میں پانچ سمتیں یعنی پانچ قسمتیں ہیں۔ شمالی۔ شرقی۔ جنوبی۔ شمالی غربی۔ غربی لیکن صدر المہام مال گزاری صرف مال کے حاکم ہیں۔ اور صدر تعلقہ دار اپنی سمت میں کل محکموں کا حاکم ہیں۔

نواب صاحب نے مجھ کو بلا کر فرمایا کہ بندوبست کی نسبت تو تمھاری رائے انتظام حال کے خلاف ہے اور میں تمھاری رائے کے ساتھ متفق ہوں۔ پھر سوائے اس کے کہ تم صدر تعلقہ داری کرو اور کوئی عہدہ تمھارے لائق نہیں۔ میں نے عذر کیا کہ بندوبست ایک محدود اور منفرد کام ہے اور اُس کی نگرانی چنداں دشوار نہیں لیکن صدر تعلقہ داری میں بڑی

[1] اختیارات کے اعتبار سے۔

جواب وہی اور ذمہ داری ہے۔ اگر میں اس کو اختیار کر لوں تو علاوہ محنت کے چار صدر المہاموں کی ماتحتی ایک عذاب ہے۔ میں اس خدمت سے معاف رکھا جاؤں میں اسی خدمت کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن نواب صاحب نے بہت اصرار کیا اور خاص مہربانی سے دو سو کا اضافہ بھی منظور فرمایا۔ اس پر بھی میں نے انکار کیا تو فرمایا کہ بارہ سو سے زیادہ تو ہمارے یہاں دستور نہیں۔ اگر تم کو زیادہ دوں سب صدر تعلقہ دار فریاد کرنے لگیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ میں تمھاری خاطر سے صدر مددگار مال ایک نیا عہدہ چار سو کا منظور کر لوں اُس پر تم اپنے کسی عزیز کو رکھ لو۔ جب یہاں تک نوبت پہونچی تو میں نے زیادہ اصرار کرنا سو ادب سمجھ کر قبول کر لیا۔ مگر اس طرح پر کہ میرا اصلی عہدہ نظامت بند وبست باقی رہے اور ناظم بند وبست اور منصرم صدر تعلقہ دار لکھا جاؤں۔ اس میں یہ مصلحت مضمر تھی کہ ناظم بند وبست کا بقیہ مالالعہ بھی مجھے ملے گا۔ الغرض وہ وعدہ تکمیل تنخواہ جو تین برس میں پورا ہونا چاہیے تھا خدا کے فضل و کرم سے اس قدر جلد پورا ہو گیا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ جب مجھ کو مددگار کی اجازت ملی تو میرا خیال کئی طرف دوڑا آخر بدیں نظر کہ دیر کرنے میں قباحتیں ہیں مولوی ۔۔۔ کو نامزد کر دیا اور مولوی ۔۔۔ کی جگہ ۔۔۔ کو۔

ہمارے نواب صاحب اس طرح کے سخی اور سیر چشم آدمی ہیں کہ جو مانگو سو لو مثل اکثر دوسرے ہندوستانی رئیسوں کے احمق ولایعقل نہیں ہیں۔ اپنے وقت کا یہ شخص ارسطو و افلاطون ہے۔ کریم النفسی اور مروّہ اس درجے کی ہے کہ لا اد نہیں اور نو مونہ سے نہیں نکلتا۔

بشیر۔ یہ بڑا عمدہ اصول ہے مَن لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ [1]۔ تم نواب صاحب کے احسانوں پر نظر کرو۔ زرِ روانگی اعظم گڑھ سے مجھے تنخواہ دی۔ کرایہ ریل مع ہمراہیان دیا۔ دورے میں فیل خانہ خاص سے ایک ہاتھی سرکاری طور پر ساتھ کر دیا۔ منشی ۔۔۔ مولوی ۔۔۔ ۔۔۔ کو نوکر رکھ لیا۔ میری ترقی کر دی۔ وَإِنْ تَعُدُّوا [2]

---

[1] جس نے آدمی کی شکرگزاری نہیں کی اُس نے خدا کی شکرگزاری نہیں کی۔ [2] اور اگر خدا کی نعمتوں کو شمار کرو اُس کا ٹھکانا نہ پا سکو۔ آیۂ قرآنی ہے۔

نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔

بشیر۔ ایک تمھارے دوست اور تشریف لائے۔ یہ وہ لڑکا ہی جو اعظم گڑھ بھی گیا تھا غالب ہی کہ اُس نے تم سے میرا پتا پایا اور دہلی میں تمھارے پاس رہا یا ٹھیرا۔ اگر تم ایسے نالائق اور بدوضع لڑکوں سے تعارف اور ملاقات رکھتے ہو تو تم بھلے مانس رہ نہیں سکتے۔ بشیر۔ ذرا احتیاط کرو۔ قرآن میں آیا ہی[1] مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اسی طرح کے آدمیوں پر شیطان کا اطلاق کیا گیا ہی۔

ہر چند تمام دنیا تقدیر کی قابل ہی اور واقعاتِ دنیا پر نظر کی جائے تو چار و ناچار تقدیر کو ماننا پڑتا ہو مگر انتظام الٰہی یہ بھی ہی کہ دنیا عالم اسباب ہی اور کل آدمی اسباب مہیا کرنے میں لگے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ دنیا میں جو کام یا بیان مجھ کو حاصل ہوئیں یقینًا میری قابلیت سے فزوں تر ہیں اور میری سعی کو اُن میں دخل نہیں۔ جب کوئی چیز بے طلب اور بے جبت وجودی جائے تو میں کیوں کر اُس کو اپنی سعی کی طرف منسوب کر سکتا ہوں لیکن خدا جانے خوش آمد یا کسی دوسری وجہ سے لوگ یہی کہتے ہیں کہ مجھ کو جو کچھ ہوا اہلیت اور استحقاق سے ہوا نہ بخت و اتفاق سے۔ میں نے جو کچھ ابتدائے عمر میں لکھ پڑھ لیا تھا چاہے اُس نے مجھ کو نوکری نہ دلوائی ہو مگر ہر حالت میں مجھ کو خوشی تو ضرور پونہچائی ہی میں اقران و امثال میں ممتاز رہا ہوں۔ پس ضرور ہی کہ جس چیز کا نفع میں نے حاصل کیا تم کو بھی اُس کے حاصل کرنے پر آمادہ کروں۔ چنانچہ ہمیشہ تم کو لکھتا رہتا ہوں کہ پڑھو لکھو کمال حاصل کرو مگر تم میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتے حالانکہ تمھارے کمال کا نفع تم ہی کو پونہچے گا نہ مجھ کو

برسات یہاں اب کی بار بھی کم رہی۔ مفصلات میں بعض مقامات پر چارسیر کی نوبت پونہچ گئی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْنَا بِتَقْلِیْلِ رِزْقِنَا بِجَاہِ نَبِیِّکَ[2]۔ آمین فقط۔ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۲۹۷ھ

خط ۶۴

اب تمھارے مزاج میں ایک کیفیت پیدا ہوتی جاتی ہی کہ تم کو نصیحت بُری لگتی ہی لیکن نصیحت

[1] پوری آیت یوں ہی۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ یعنی جو وسوسہ ڈالتا ہی لوگوں کے سینوں میں جنوں اور آدمیوں میں سے [2] خدایا اپنے نبی کے طفیل میں ہم پر تقلیل رزق کا عذاب مت کر۔

کرنا میرا اختیار لازمی ہے۔ تمھاری دھمکی سے میں اپنا اختیار چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر میری نصیحت تم نہیں مانتے نہ مانو تم جانو لیکن باب نصیحت کا مفتوح رہنا تمھارے حق میں اچھا ہے۔

تمھارا آج کا خط تو غضب کی خبریں لایا۔ ... کا مرنا سید کے مرنے سے بھی بھاری ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؎ ایں ماتم سخت ست کہ گویند جواں مرد۔ جب ... اور ... کی حالت پر نظر کرتا ہوں تو جی بے چین ہو جاتا ہے۔ خدا اُن کو کسی طرح صبر دے اور ہم غافلوں کو عبرت۔ فقط۔ ۵۔ جولائی ۱۸۶ء

خط ۶۵

ہمارے یہاں تاریخوں کا بڑا خلط مبحث ہے۔ تنخواہ تو فارسی مہینوں کے حساب سے ملتی ہے اُس میں یہ فائدہ سوچا گیا ہے کہ انگریزی مہینوں کی طرح ہر مہینے کے دن مقرر ہیں۔ اختلاف رویت سے شمار ایام میں اختلاف واقع نہیں ہوتا۔ انگریزی میں ۳۱ دن کا مہینا بڑا نامبارک سمجھتے تھے۔ یہاں خدا کے فضل ۳۲ دن کا مہینا بھی ہے۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَی النَّبَّاشِ الْاَوَّلِ[1] دوسرے عربی مہینے کہ مراسلت کے کام میں لائے جاتے ہیں اور صدر سے لے کر مفصل تک کل دفتروں میں عربی مہینے مستعمل ہیں۔ تیسرے تمھارے انگریزی کہ سب ان کے نام نہیں سمجھتے اور نہ رزیڈنسی کے معاملات چلتے ہیں۔ یہاں کا سکہ بھی تمھاری گورنمنٹ کے روپئے سے کم ہے۔ عموماً ۳ روپئہ لگتا ہے مگر بازار کے بھاؤ سے کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے جیسے روپیہ اور پاونڈ شلنگ کا اکسچینج بدلتا رہتا ہے ویسے یہاں حالی[2] اور کمپنی کا نرخ یکساں نہیں رہتا۔ ۷ جولائی ۱۸۶ء حیدر آباد

خط ۶۶

مجھ کو سرکار سے سمت شمال کی صدر تعلقہ داری کا چارج لینے کا حکم مل چکا کل پرسوں

[1] خدا کی رحمت پہلے کفن چور پر۔ یہ عربی کی کہاوت اس طرح پر ہے کہ ایک شخص کفن کھسوٹ تھا اور لوگ اس کے ہاتھ سے نالاں آخر وہ مرا تو لوگ بہت خوش ہوئے لیکن اس کے بعد اُس کا بیٹا وہی کام کرنے لگا لیکن یہ پاجی کفن چرا لینے کے علاوہ مردے کی بے حرمتی بھی کرتا تھا جب لوگوں کو معلوم ہوا تو کہا بلا سے پہلا ہی کفن کھسوٹ اچھا تھا خدا اُس پر رحمت کرے۔

[2] حیدر آباد کا سکہ رائج حالی کہلاتا ہے۔ انگریزی سکے کو صورتی یا کلدار کہتے ہیں اور ایک سکہ مروج سگو ریا گنی ہے حساب آنہ ہی رواج میں نہیں۔

تک ان شاء اللہ پٹن چرو جاتا ہوں جو کہ مستقر مت ہے۔ حیدرآباد سے پٹن چرو نو کوس ہے اور لنگم پلی سٹیشن سے پانچ میل۔

میں تمھارے خط اس سے زیادہ چاہتا ہوں کہ تم ابھی تک بھیجتے رہے ہو یہاں کی ڈاک پیڈ و بیرنگ دونوں نامنتظم ہے۔ سبب کیا کہ جو خط تم بھیجو وہ انگریزی ڈاکخانہ سے ہو کر آتا ہے اور دونوں سرکاروں کی نہیں بلکہ کم بخت ڈاک والوں کی ضد سے خط تلف ہوتے ہیں ہمارے یہاں ڈاک کو ٹپہ کہتے ہیں اور یہاں کے ٹکٹ علیٰحدہ ہیں۔

تم نے چند روز سے اس کو لازم سا کر لیا ہے کہ خط میں لکھنے پڑھنے کا مطلق تذکرہ نہیں ہوتا تمھارے علمی خطوط سے میری طبیعت شگفتہ ہوتی تھی۔ اب تم کیوں دریغ کرتے ہو اگر تم اس ملک میں آنا چاہو تو فارسیہ کو بڑھاؤ تم کو سبقاً سبقاً شاید پڑھنا ضرور نہ ہوگا مطالعہ کافی ہے اور جس کی طرز مطبوع ہو اُس کی تقلید۔

بیوی صاحب کا خوش رکھنا تمھارے اختیار میں ہے۔ یہ امر تم سے مخفی نہیں ہوگا کہ اُن کی دنیاوی امیدیں تم میں منحصر اور مقصور ہیں۔ فقط۔ ۱۱۔ جولائی ۱۹۰۷ء

خط ۶۷

مولوی . . . صاحب کا حال فی الواقع سخت افسوس کے قابل ہے۔ خدا اُن کو صبر دے۔ اگرچہ میں طریقۂ مروجہ ماتم پرسی کو ناپسند کرتا ہوں مگر تمھارے کہنے سے میں نے خط لکھا مشکل ہے کہ مولوی صاحب کسی طرح کی تعزیتہ[1] سے تسلی پا سکیں مگر بمرور وقت آدمی خود بخود صبر حاصل کرتا ہے گو ایسا صبر عند الشارع نامحمود ہے۔

یہاں قحط شدید کے سامان ہو رہے ہیں برسات ۵۔ جون سے شروع ہوتی ہے سوا مہینا گزر گیا پانی نہیں اور پچھلا برس بالکل خشکی میں گزرا۔ اگر امسال بارش نہیں ہوتی تو ایسی بڑی آفت ہوگی جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ خلق اللہ سخت پریشان ہے۔ تمھارے ہیں دو سیر اور یہاں چار سیر اوسط نرخ۔ العیاذ باللہ۔

---

[1] تعزیہ کا طریقہ مروجہ ہے کہ جو لوگ تعزیہ کہتے ہیں اسکے بعد اگر مردے کا ذکر چھیڑنا ہے اور اس کی یاد دہانی کرتے ہیں اگرچہ خیر تسلی کی باتیں بھی کرتے ہیں مگر یاد دہانی سے رنج تازہ کرتے ہیں [2] شارع کے نزدیک [3] خدا پناہ میں رکھے۔

بشیر۔ اب تو ماشاء اللہ تمھاری انگریزی اچھی ہوگئی ہے۔ میرے خط میں جو انگریزی پرچہ
. . . کے نام کا ملفوف تھا وہ ضرور تمھاری عبارت ہوگی۔ بالکل غلطی سے پاک۔ بشیر۔
ذرا عربی ذرا عربی۔ نری انگریزی پڑھ کر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ کیا وبال ہے۔
کیوں جی میاں بشیر۔ ان دنوں آپ منقبض کیوں ہیں؟ نہ تو ہم کو کبھی اپنا کوئی سبق
لکھتے ہو نہ کوئی فرمائش کرتے ہو بندۂ خدا اس قدر جلد کیوں ملول ہوگئے ہم خود دنیا
سے ملول ہیں۔

یہاں آدم صورۃ بہت ہیں مگر آدمی نہیں[۱] ؎

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

۲۰۔ رجب ۱۲۹۴ھ۔

خط ۶۸

یہ حال ہے دنیا کی بے ثباتی کا کہ مجھ کو اس ملک میں آئے چوتھا مہینا ہے اور چار شخصوں کی
نعی یعنی خبر مرگ پہونچ چکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ ع کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو
روئیے۔ . . . کو خدا جنۃ نصیب کرے تمھاری والدہ کی اُمِّ رضاعی[۲] تھیں۔ چھٹ پن
میں بیوی صاحب کو بیٹوں کی طرح پالا اور مجھ کو اُن کی وہ مہربانی جو میرے نکاح
کے بعد کی تھی اب تک یاد ہے۔ اَللّٰھُمَّ تَغَمَّدْھَا[۳] بِغُفْرَانِکَ وَاَسْکِنْھَا اَعْلٰی جِنَانِکَ
. . . کا مرنا اُن کی بیوی اور اُن کے بچوں کے لحاظ سے بڑی حسرۃ کی بات
ہے۔ افسوس ہے کہ میں ایسے مقام پر ہوں کہ نوٹ نہیں مل سکتے۔ اپنی والدہ سے
کہو کہ حسبۃً للہ بہ قدر مناسب بیوہ اور یتیموں کی دل دہی اور خاطر داری کے طور پر کچھ
خبر گیری کریں کہ موجب ثواب ہے۔

تم نے ہماری سلطنۃ کو اتنا ذلیل کیوں سمجھ لیا ہے۔ وہ جو یہاں ہے وہاں نہیں۔ عزۃ

[۱] حیدرآباد کبھی مردم خیز نہیں رہا اور اب ہوا کے اعتبار سے کوئی وجہ نہیں کہ وہاں کے لوگ ذہین ہوں گویائی اور قوۃ ادائے مطلب سے تو سارے کا سارا ملک بے نصیب ہے۔ یہ پہلی حالت تھی اب اس میں آسمان زمین کا فرق ہے وہاں کے لوگوں نے اس قدر ترقی کی ہے کہ بے غیر ملکیوں کی ضرورت نہ رہی [۲] دودھ پلائی ماں [۳] خدایا اُن کو اپنی آمرزش سے ڈھانپ لے اور اپنی اونچی بہشت میں آباد کر۔

آب رو۔ میش قرار تنخواہ ۔ اور وہ جو وہاں ہے یہاں نہیں۔ قاعدہ قانون۔ اور کامل اطمینان۔ باقی جو وہاں سو یہاں جو یہاں سو وہاں۔ دلی میں برائے نام ایک بادشاہ تھے جن کو لاکھ روپیہ مہینا پنشن کے طور پر ملتا تھا۔ تم نے اُن کو بھی نہیں دیکھا۔ میں نے یہاں ایک سلطنۃ دیکھی کہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لاکھ سالانہ کے جاگیردار ہیں۔ غرض مسلمانوں کی سلطنۃ کی ایک یادگار ہے۔ خدا اس کو باقی رکھے آمین۔

خشک سالی کی آفۃ تو امسال عالمگیر سی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں ابھی تک پانی نہیں برسا تم سمجھ سکتے ہو کہ قحط مگر کیسا اثر رکھتا ہے۔ لیکن خدا نہ کرے پورا کال پڑے گا تو ایک عذاب ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا[1]۔

میری طرف سے ۔۔ کو چلے آنے کی اجازۃ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اُن کو یہاں کے ڈیڑھ سو پسند ہیں جب کہ اُن کو کارِ پیمائش کی نگرانی کرنی ہوگی یا وہاں کے ساٹھ ور جالے کہ راجہ کی مصاحبۃ اور ہم نشینی ہے۔ ع ہر کسے مصلحۃ خویش نکو می داند۔ اگر آنا ہے تو مجھ پر رائے دینے کا بار مت ڈالو۔ عواقب الامور[2] و مستقبلات کا علم خدا کو ہے عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا[3] وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ خلاصہ یہ کہ میرے طلب و تقاضے سے نہیں بلکہ اپنے ارادے سے آئیں۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو اپنی جان کی طرح عزیز ہیں۔ اگر آئے تو اُن کے لیے سعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوں گا۔ فقط۔ ۱۳۔ اگست ۱۸۷۷ء

خط ۶۹

تم نے کسی سے سن لیا ہوگا کہ یہاں پانی برسا۔ ہم لوگ تو مینہ کو ترس گئے۔ چار سیر کا نرخ ہے جس کو میں نے تمام عمری[4] دیکھنا تو کیسا سنا بھی نہ تھا۔ اور یہ نرخ بھی وبا لحاظ[5] غرض برسات کا قوام تو اس مرتبہ دنیا میں غضب بگڑا ہے۔ خدا خیر کرے۔ بلتھاری میں

[1] اے ہم خدا سے اپنے دلوں کی بدیوں اور کرتوتوں کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں [2] انجام کار امور آئندہ [3] شاید ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے لیے بھلی ہو اور شاید ایک چیز تم کو بھلی معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [4] اپنی عمر میں [5] تنزل۔ کمی۔

دو سہر کا زغ تھا۔ خدا جانے اب کیا حال ہی۔ پانی اگرچہ تو سنٹرل پراونسز یعنی مضافات چیف کمشنری جبل پور میں۔ اُس سے اترتا ہوا بمبئی میں۔ لیکن دو چار جگہ پانی ہوا بھی تو کیا ایک عالم کی پیاس کو بجھا سکتا ہی۔

ہمارے یہاں کی نئی خبر یہ ہی کہ . . . خاں بے طلب از خود بہ طور کلکٹر سپاہیش وتوکران کورنمنٹ آیا ہی۔ تم کو کمرے کی کیا فکر گوشت خرد مندان سگ تم اپنی مراسلۃ مولوی . . . اور . . . سے کیوں نہیں جاری کرتے۔ معلوم ہوتا ہی کہ یہ لوگ کبھی خط نہیں لکھتے البتہ محبۃ دوا نہیں کہ زبردستی کسی کے حلق میں اتار دی جائے۔

میں تم سب کو اب تک کبھی کا بلا چکا ہوتا۔ لیکن موسم کی حالۃ بہت نازک ہی اور یہاں کے کال وہاں کے سے کال نہیں ہیں۔ عرب۔ سکھ۔ روہیلے۔ راجپوت۔ حبشی۔ سندھی پیادے۔ سوار نہیں معلوم کتنے ہزار ہیں اور سب بہ جائے خود خود سر۔ اس کے علاوہ ملک اتنا وسیع کہ ہیری سمت کا طول ڈیڑھ سو کوس اور تمام جنگل اور پہاڑ اور ندی اور نالے اور آب و ہوا اکثر مقامات کی ردی۔ دورہ سال میں آٹھ مہینے ان سب باتوں پر نظر کر کے ہمۃ قصور کرتی ہی۔ ایک کال ٹل جائے تو خیر دوسرے امور چنداں مانع نہیں۔

ہر چند ابھی کوئی گزند محسوس نہیں ہوا لیکن اتنا تو ہی کہ طبیعۃ خوب چاق وچست نہیں رہتی اور خدا جانے کیا بلا ہی کہ یہاں کے لوگوں میں نہ قوۃ آخذہ ہی اور نہ انتقال ذہنی اور جس بات کو سمجھ بھی جاتے ہیں تو ناطقہ نہیں کہ ادائے مطلب کر سکیں۔ ہندوستانی بھی ایک مدت کے بعد ڈل (سست) ہو جاتے ہیں۔ جب دو وقت آئے گا تو بشیر تم مجھ کو خوب چھیڑا کروگے۔ وَمِنْكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا میاں بشیر برائے خدا ہمۃ کرو اور اپنی دنیا کو آپ سنبھالو اب میری طبیعۃ پہلو تہی کرتی ہی اور جان بھی چرانے لگی ہی کسی کا کیا اچھا شعر ہی ؎

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ ـ ثَمَانِينَ حَوْلًا (لَا أَبَا لَكَ) يَسْأَمِ ۔ ۱۱ شعبان سنہ ۲۹۴ھ

لے میں زندگی کی تکلیفوں سے تنگ آگیا اور اسی برس جو جیسے تنگ آیا ہی چاہیے۔ تمہیں خدا نیکی دے۔

خط ۷

آج میں یہ خط بہت ہی افسردہ حالت میں لکھتا ہوں۔ افسردگی کا بڑا باعث قحط ہے۔ اس گھڑی تک ایک بوند پانی نہیں۔ پونے چار سیر کی نوبت پہنچی اور مصیبت یہ کہ اس نرخ کو بھی ثبات نہیں۔ فصل خریف جس کو یہاں پوناس اور آبی کہتے ہیں گئی گزری ہوئی اور فصل ربیع کا ہفتے عشرے میں فیصلہ ہے۔ یہاں ملک تلنگانہ کی پیداوار تالابوں کی معموری پر منحصر ہے اور غضب ہے کہ تمام تالاب سوکھے پڑے ہیں۔ خزانہ خالی۔ آمد مسدود۔ خرچ آمدنی سے زیادہ۔ اعتبار مفقود۔ خیر ظاہر ہے کہ کیا ہونا ہے۔ آج ایک معتبر بلدہ یعنی حیدرآباد سے خبر لایا کہ نواب صاحب سخت پریشان ہیں ایک لمحہ اُن کو قرار نہیں۔ خدا خیر کرے۔

ایک اندرونی مفسدہ یہ ہے کہ نواب وقارالامراء بہادر شریک مدارالمہام ہونے والے ہیں اور نواب مختارالملک اور وقارالامراء میں موافقت نہیں۔ سنا کہ نواب صاحب دیوانی سے مستعفی ہونے والے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہم لوگوں کے حصے کی قیامت آچکی کیوں کہ ہم سب لوگ وابستۂ دامانِ دولت نواب صاحب ہیں۔ غرض یہ ہندوستانی ریاستوں کے جھگڑے ہیں . . . کے خط سے معلوم ہوا کہ . . . اور . . . روانہ ہوئے اور سولوی . . . بھی آنے والے ہیں۔ ہر چند ایسے وقت نازک میں کسی کا آنا بھی مصلحت نہیں مگر خیر اپنے عزیز دعویٔ قرابت سے بے پوچھے چلے آئیں تو مضائقہ نہیں زید عمرو۔ بکر کو میں کہاں تک سنبھال سکتا ہوں۔ یہ تمام بلا کم بخت . . . خاں کی لائی ہوئی ہے ؏ اے صبا این ہمہ آوردۂ تست۔

زیادہ تکلیف دہ بات جو تم نے لکھی یہ ہے کہ بگھی لینے کے واسطے روپے کی کمی کا عذر کرتے ہو۔ اوّلاً تو میں نے تم سے نہیں کہا کہ اپنی مقررہ تنخواہ سے بگھی اور گھوڑا لو اور پھر اتنی خدمت گزاریوں اور توسیع نفقہ پر تمہاری شکایت سوائے اس کے کہ آب و ہوائے دہلی کا اثر کہوں اور کیا سمجھ سکتا ہوں کچھ تو میری عمر و حالت نے میرے تعلقات کو ضعیف کر دیا ہے اور کچھ تم لوگوں کی ایسی جگر خراش باتیں مجھ کو بے دل کرتی جاتی ہیں میرا اس میں بھی فائدہ ہے۔ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ دنیا سے ملول اور بے دل اٹھ جاؤں

تم کبھی گھوڑا ٹھیراؤ اور میں روپیہ نہ دوں تب ہی الزام دنیا سے

توانم آں کہ نیازارم اندرونِ کسے　　　حسود را چہ کنم کو ز خود برنج درست

تم نے مدرسے کے ایک لڑکے کا حال لکھا۔ بڑی عبرۃ کا مقام ہے۔ تُف ہے اُس کم بخت کے اوّل ہونے پر جس کی حرکتیں یہ ہوں۔ خبردار ایسے لڑکوں سے میل جول مت رکھو سے

دور شو از اختلاطِ یارِ بد　　　یارِ بد بدتر بود از مارِ بد
مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند　　　یارِ بد بر جان و بر ایماں زند
صُحبتِ صالح تُرا صالح کند　　　صُحبتِ طالح تُرا طالح کند

خط ۱۷

مجھ کو اس کے سننے سے بہت بہت خوشی ہوئی کہ تم سب مضامین میں پاس ہوئے لیکن اور بھی زیادہ خوشی ہوتی اگر تم اوّل یا دوم رہ کر پاس ہوتے۔ ابھی تمھارے امتحان بازیچۂ طفلاں ہیں۔ اُس امتحان کے لئے آمادہ رہو جس کے ساتھ عزۃ و نام وری وابستہ ہے یعنی یونیورسٹی کی ڈگری۔

ابھی تک میرے سفر و حضر کا ٹھکانا نہیں۔ میں اپنے [illegible] کوئی اخبار نہیں لیتا لیکن گراں وارزاں پر کیا نظر کرتے ہو۔ مطالعۂ اخبار نہایت نافع چیز ہے۔ میں تم کو اجازۃ دیتا ہوں کہ کوئی اچھا سا اخبار لینا شروع کرو۔ اس کو تم اور تمھارے اُستاد مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کون سا اخبار بہتر ہے۔ تم کو زیادہ تر عمدگی عبارۃ اور مضامین علمی کی خوبی پر نظر رکھنی چاہیے اور شاید ڈیلی[1] مناسب نہیں۔ بائی ویکلی[2] یا ویکلی[3] لو تاکہ بالاستیعاب اور بالالتزام پڑھ بھی سکو۔ سستے اخبار پر نظر ہے تو ہندو پیٹریٹ سے بہتر نہیں مگر وہ پھر بھی ہندوستانی ہے ایسا اخبار لو جس کا اڈیٹر ولایتی زا ہو۔

میں عن قریب مدراس اور میسور جانے والا ہوں تاکہ وہاں کے طریقۂ بند و بست سے آگہی پیدا کروں۔ نواب صاحب نے رزیڈنٹ سے رکمنڈیٹری[4] چٹھیاں منگوائی ہیں

۱ روزانہ ۲ جو ہفتے میں دو بار نکلتا ہو۔ ۳ ہفتہ وار ۴ تقریبی۔ سفارشی۔

تم نے کوئی ہندوستانی سرکار دیکھی نہیں اور تم یہاں کا طرز انتظام سمجھ نہیں سکتے۔
یہاں آسمان پر چڑھ جانا اور تحت الثریٰ میں گر جانا ایک بات ہے۔ جو لوگ کہ نوکر ہو گئے ہیں،
ان میں سے کسی کو نوکر نہیں سمجھنا۔ ہر ملک کے سیکڑوں ہزاروں بڑے بڑے لائق برسوں سے
پڑے جھک مارتے پھرتے ہیں کوئی پرسان حال نہیں اور چوں کہ یہ ایک بہت بڑی
ریاستہ ہے خلق خدا ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑی ہے۔ یہاں کی کل فردائے قیامت ہے وعدہ
اور حکم کوئی چیز نہیں۔ یہ بھی نواب صاحب کی قدر دانی اور مولوی مہدی علی صاحب
کی مہربانی تھی اور فی الاصل مجھ پر احسان کرنا منظور تھا کہ میرے عزیزوں کو عہدوں پر
نام زد کر دیا ورنہ یہاں کون پوچھتا تھا۔ فقط ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء

خط ۲۷

جناب ... کی خدمت میں اداب کے بعد

میاں ... نے اپنا مزاج ابھی تک مطلق درست نہیں کیا۔ سب سے ہمیشہ لڑتے
جھگڑتے اور مجھ کو بدنام کرتے۔ ان نالائق اور کمینہ لڑائیوں کی خبریں تمام مشہور ہوتی ہیں
جس کے سننے سے مجھ کو سخت ایذا ہوتی ہے۔ تنخواہ اُن کی ابھی تک واقعی نہیں ملی اور
یہاں نوابی کارخانے ایسے ہی ڈھیلے اور سُست ہیں اور کیسی نوکری اور کس کی
تنخواہ نواب صاحب کی بندہ نوازیاں ہیں ورنہ ان لوگوں کو احدیوں[1] کی طرح پڑے
رہنے کے سوائے کچھ کام نہیں۔ میں نے جو کچھ روپیہ بھجوایا میری تنخواہ کا تھا انگریزی
تنخواہ اب تک ایک کوڑی وصول نہیں ہوئی۔ ہر کام میں دیر ہر معاملہ میں توقف
یہاں کا دستور ہے۔

مولوی ... نے اپنے والد کو بھی کچھ روپیہ بھیجا ہے ع پیرے کہ دم عشق زند بس
غنیمت است۔ بیٹے کی نوکری پر نازاں ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ آج ہے کل نہیں مطلق
بے اعتبار و بے ثبات۔ ایسا نہ ہو کہ مولوی ... کی اتنی بڑی نوکری سن کر والد

---

[1] زیر زمین سے بادشاہی وقتوں میں جو لوگ نکمے پڑے تنخواہ پاتے تھے احدی کہلاتے تھے۔

بزرگ واریاؤں پھیلائیں۔ انھوں نے لہٰذا التّقاب یعود۔ کسی کتاب میں دیکھ لیا ہو استغفر اللہ ونعوذ باللہ۔ ۱۸۷۶ء

خط ۳۰

بیوی صاحب کو سلام کے بعد۔

میں نے رخصت کی درخواست کی تھی۔ بڑی حجت کے بعد منظور ہوئی۔ لیکن پھر جو غور کیا تو جانا کچھ مناسب سا نہیں معلوم ہوتا ہر چند رخصت پر جانے میں میرا ذاتی چنداں نقصان نہیں مگر ساتھ والوں کی بڑی خرابی ہے تم ایسے مطمئن ملک میں رہتی ہو کہ تم یہاں کے حالات مشکل سے سمجھو گی۔ ہندوستانی ریاستہ ہے اور ہم چند جلیل القدر ہندوستانیوں کا یہ حال ہے کہ در و دیوار دشمن ہو رہا ہے اور وجہ عداوۃ یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے عہدوں پر ہیں اور بڑے اختیار رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں تو کہیں روٹی کا ٹھکانا نہیں ساری خلقت نہیں ٹوٹ پڑی ہے۔ خاص کر ہمارے ہم وطن ہی ہمارے سخت دشمن ہیں۔ دیکھ کر جلتے اور بیخ کنی میں لگے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک دم کے لیے بھی نوکری سے جدا ہونا مصلحت نہیں معلوم ہوتا۔ یہاں ایک دن میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے نہ کہ مہینا۔ البتہ چھوٹے عہدے والے اور گم نام آدمی بڑے مزے میں ہیں قاعدہ ہے کہ آندھی سے اگر خطر ہے تو بڑے بڑے اونچے درختوں کو نہ جھاڑی اور گھاس کو

اَمَا تَرَی الرِّیحَ اِنْ هَبَّتْ عَوَاصِفُهَا فَلَیْسَ یَعْصِفُ اِلَّا مَا هُوَ الشَّجَرُ

غرض پیش و پس سوچ کر رخصت کا ارادہ فسخ کیا۔ اب میرا ارادہ ہے کہ تم سب کو بلوا لوں ظاہرا اب تمھارے آنے میں کوئی وجہ مانع نہیں۔

وہاں تم کو بڑا ضروری کام بشیر کی شادی ہے۔ اب زیادہ دیر کرنی کسی طرح مناسب نہیں۔ تم یہ بوجھ میرے سر پر ڈال کر فارغ ہو بیٹھیں میں بہت خوشی سے اس بوجھ کو اٹھاتا اور اس کے سرانجام میں کوشش کرتا لیکن نوکری کے پھندوں میں اس طرح

لہٰ کثرت جوانی پھر آتی۔ ۲ جڑ کھودنے ۳ کیا ہوا کو نہیں دیکھتے کہ جب سخت جھونکے آتے ہیں تو نہیں اڑا لے جاتے لیکن درخت۔

مبتلا ہوں کہ تم کو معلوم ہے۔ ۔ ۔ صاحب کو متواتر خط لکھے۔ اُن کا یہ حال ہے کہ کبھی بات صاف نہیں کہتے اور اس قدر خوش آمد آمیز باتیں کرتے اور لکھتے ہیں کہ اُس میں سے جھوٹ اور سچ اور واقعی اور غیر واقعی کا امتیاز نہیں ہوتا۔ مجھ کو خوب یقین ہے کہ اُن کو یہ رشتہ منظور ہے اور پسندیدہ ہے مگر اُن کی لڑکی چھوٹی ہے اور کچھ امیری چوچلے۔ غرض اُن کو وہ جلدی نہیں جو مجھ کو ہے اور تم کو گو نہیں مگر ہونی چاہیئے۔ کبھی میں یہ غور کرتا ہوں کہ وطن تو بجنور اور رہنا دلّی میں اور نوکری حیدر آباد میں اور سمدھیانا ۔ ۔ ۔ میں یعنی سارے ہندوستان میں پاؤں پھیلاتے ہیں ۔ ۔ ۔ صاحب بیٹی کے بیاہ میں ایسے سامان کریں گے کہ ہماری طرف سے بوجہ مسافرت اُن کی مرضی کے موافق سرانجام ہونا معلوم اور پھر بیٹی کے بھیجنے بلانے میں ہمیشہ حجت ہوا کرے گی۔ ہم کو روپیہ اور جہیز کچھ درکار نہیں اور نسب میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اور اگر انگریزی عملداری رہی اور ضرور رہے گی تو نسب رفتہ رفتہ عیب ہو جائے گا۔ پس جو چیز ہم کو درکار ہے کہ لڑکی کی صورت اچھی ہو عجب ہے کہ دلّی جیسے شہر میں ایک شرط پوری نہ ہو سکے مگر تم مطلق فکر نہیں کرتیں۔ اب تم کو خدا نے بیٹوں کی طرف سے اطمینان دیا الحمد للہ علی ذالک۔ بشیر کا حق بھی ادا کرو۔ اول تو بشیر کے لحاظ سے تم کو متوجہ ہونا چاہیئے دوسرے یوں سمجھو کہ میری مدد کرتی ہو اب بشیر کے بیاہ میں دیر کرنا حقیقت میں بشیر پر ظلم کرنا ہے۔ اگر تم کو یہ خیال ہو کہ بشیر کی دلھن کو میں ناپسند کروں گا سو مجھ کو کامل بھروسا ہے کہ تمھارا انتخاب ضرور عمدہ اور پسندیدہ ہوگا اور بات صاف تو یہ ہے کہ خانہ داری کی بنیاد آپس میں محبت اور سازگاری ہے اور یہ امر تقدیری ہے۔ آدمی کی سعی اور تدبیر کو اس میں بہت کم دخل ہے پس متوکلا علی اللہ نہیں کرو مگر جلد کرو فقط [illegible]

خط ۴۷

میاں بشیر۔

میں ابھی تک حیدر آباد میں ہوں مگر رزیڈنٹ صاحب کی تقریبی چٹھیاں آگئی ہیں اور مجھ کو بندوبست کا کام دیکھنے کے لیئے میسور اور مدراس جانے کا حکم ہے۔ ان شاء اللہ چار پانچ دن میں میسور کا ارادہ ہے جاتے وقت تم کو اطلاع دوں گا۔

. . . کی تعیناتی ضلع بلدرگ کو ہوگئی ہے۔ مجھ کو ان لڑکیوں پر اطمینان نہیں اور میں ان کا جدا ہونا پسند بھی نہیں کرتا تھا۔ مگر میری سمت میں ابھی بندوبست کا کام جلدی نہیں اور بندوبست کے بدون تنخواہ مل نہیں سکتی اس وجہ سے مجبور ہو کر انتظام کیا گیا۔

گو خطوط دیر میں پونہچیں یا نہ پونہچیں تم رجماً بالغیب[1] بھیج دیا کرو تاکہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔ میں نے . . . کو ایسا خط لکھ دیا ہے جس سے بات کا میری طرف سے انقطاع سا ہو گیا ہے۔ بشیر کیوں نہیں تم اپنا بیاہ اپنی تجویز سے کرتے تمھارے باپ نے بھی اپنا بیاہ اپنی ہی تجویز سے کیا تھا تم بھی اسی باپ کے بیٹے ہو۔ خود کرو۔ فرق صرف اتنا ہی کہ میں نے اپنے باپ کے مرے پیچھے کیا تم میری زندگی میں کرو۔ اور کیا معلوم ہے کہ جب تم ایسا کرو میں رہوں یا نہ رہوں۔

تم تحصیل علم میں یوماً فیوماً اپنی توجہ زیادہ مصروف کرتے جاؤ۔ اب بہت تھوڑا وقت اس کے لیے باقی رہا ہے فقط ۴۔ اپریل ۱۸۷۶ء

خط ۷۵

میں تم کو بنگلور سے چلتے چلتے خط لکھ رہا ہوں۔ اس سے کہ تم نے انٹرنس کلاس میں ترقی کی مجھ کو نہایت خوشی ہوئی۔ بشیر۔ نوکری اور رزق تو مقدر ہے مگر لیاقت عجیب چیز ہے ساری عمر آدمی کو مسرت دینے والی چیز عسر اور یسر دونوں میں لیاقت ہے۔ میرا اعتقاد لائقوں میں نہیں اور مجھ کو زمانے نے لیاقت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دی اور جو وقت کسب کمال کا تھا وہ ایسی بے سروسامانی اور مصیبت میں گزرا کہ اتنا لکھ پڑھ لینا بھی تعجب معلوم ہوتا ہے مگر اُس اضطرار میں جو دو چار حرف پڑھ لیے تھے میں نہیں کہتا کہ نوکری اُن کی وجہ سے ہے کیوں کہ مجھ سے زیادہ لائق جوتیاں چٹخاتے پڑے پھرتے ہیں اور نان شبینہ کو محتاج ہیں اور نہ میں اس کا معتقد ہوں کہ غدر میں مسٹر[2] لیبن کی حفاظت بہ وسائط میری نوکری کا سبب ہوئی اس لیے کہ خود لیبن کی حقیقت معلوم ہے مگر اتنا ضرور میں کہوں گا کہ اب تک جہاں گیا اور جس جگہ رہا کسی سے میری آنکھ نیچی نہیں ہوئی اور

[1] ٹکر میں۔ جیسے بے دیکھے نشانہ لگاتے ہیں۔ [2] غدر میں میاں بشیر کے نانا مولوی عبدالقادر صاحب نے لیبن کی جان بچائی تھی

مجھ کو اس بات کے جاننے سے ضرور خوشی ہوئی کہ لوگ مجھ کو نالائق نہیں جانتے۔ اگر تمھاری طرح مجھ کو ایک امیر باپ ملا ہوتا اور تمھاری طرح آسودگی اور عافیت مجھ کو حاصل ہی ہوتی جب کہ میری عمر حاصل کرنے کی تھی تو بشیر یقین جانو کہ تو کہ آج میں یکتائے روزگار ہوتا کیوں کہ شکر ہے میرے سر میں اچھا بھیجا رکھا گیا ہے۔ لیکن مرد خدا جو مجھ سے نہیں ہو سکا تم کرو ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ بری نوکری۔ تھوڑی بہت جو تقدیر میں ہے سو نوکر ہی ہو ہی گے مگر تقتضائے ہمتہ یہ ہے کہ آدمی اقران و امثال میں ممتاز ہو۔ جدھر نکل جائے انگلیاں اُٹھیں کہ وہ چلے جس مجمع میں بیٹھے صدر انجمن ہو۔ بی اور اے دو حرف عجب مقبول حرف ہیں کہ جس کو مل جاتے ہیں ساری عمر سرمایۂ فخر ہوتے ہیں۔ خیر وہ مرحلہ تو آگے ہے مگر انٹرنس کا پاس کر لینا تو کچھ بڑی بات نہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ کوڑ مغز لونڈے انٹرنس پاس کر لیتے ہیں ابھی سے غور کرو کہ کس چیز میں خامی ہے اور ابھی سے اُسی چیز پر زیادہ توجہ کرو سبب کیا ہے کہ وہ خامی پختگی سے مبدّل نہ ہو جائے۔ محنت شرط ہے مسلسل اور متصل محنت میں عجیب برکت ہے۔ ابھی سے غور کرو کہ کس چیز میں خامی ہے اور ابھی سے اُسی چیز پر زیادہ توجہ کرو سبب کیا ہے کہ وہ خامی پختگی سے مبدّل نہ ہو جائے۔ محنت شرط ہے مسلسل اور متصل محنت میں عجیب برکت ہے۔ ابھی سے وہ طیاری کرو جو غافل اور کاہل لڑکے امتحان کے قریب کرتے ہیں میں شکر کرتا ہوں کہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن نام و نمود کے جو ذاتی مرتب فائدے مرتب ہوں گے وہ تمھارے ذاتی فائدے ہیں۔ اُن کا میں متمنی نہیں۔ ۲۴ مئی ۱۸۹۸ء بنگلور

خط ۷۶

میں ۲۵ مئی کی صبح کو مدراس داخل ہوا۔ مجھ کو امید نہیں کہ یہاں کے قیام کو اس قدر امتداد ہو کہ تمھارا خط آسکے کل میں سمندر کے کنارے گیا تھا۔ کنارے پر اس قدر تموج رہتا ہے کہ دیکھ کر خوف آتا ہے بڑے بڑے جہاز کنارے سے دور اندر ٹھیرتے ہیں اور وہاں تک ڈونگی یا کشتی میں جانا پڑتا ہے۔ مگر سمندر کے اندر تموج کا ایسا زور و شور نہیں اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ پانی کے اجزا ایک دوسرے کی مدافعت اور مقاومت کرتے ہیں اور تموج فنا ہو جاتا ہے۔ مگر کنارے پر مدافعت اور مقاومت نہیں اس وجہ سے تموج محسوس ہوتا ہے۔

عاج[1] میں مدافعۃ کی قوۃ زیادہ ہی۔ اگر کئی گولیاں اس طور پر لٹکائی جائیں۔

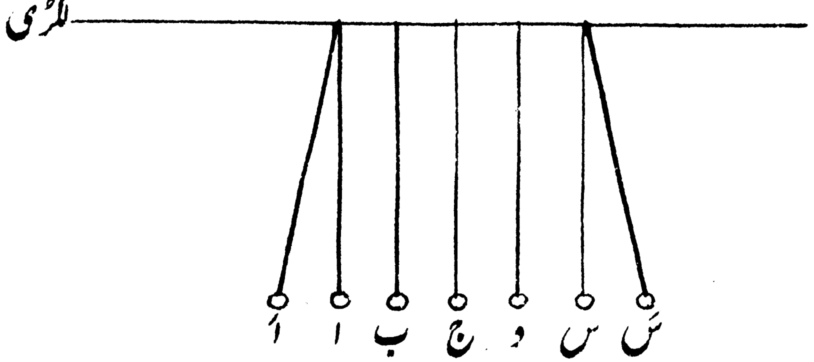

اور پھر اَ گولی کو اَ مقام پر سے جا کر چھوڑ دیں تو وہ گولی ب کو اور ب ج کو اور ج د کو اور د س کو صدمہ پوہنچاتے گی مگر اس سے نتیجہ یہ ہوگا کہ ا ب ج د تو اس طرح ساکن رہیں گی کہ گویا اُن کو صدمہ نہیں پوہنچا۔ صرف اخیر گولی سَ اُس صدمے سے مقام سَ پر اُچٹ کر جا رہے گی۔ یہ مسئلہ علم طبعی کا ہی۔ بعینہ یہی حال سمندر کے پانی کا ہی۔

مدراس شہر کاہے کو ہی آدمیوں کا جنگل ہی۔ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ کلکتہ چھوڑ کر ہندوستان کے کل شہروں سے بڑا ہی۔ انگریزی کا اس قدر رواج ہی کہ بی۔ اے سوداگر ان کے یہاں دس دس بلکہ اس سے کم پر چٹھی نویسی کرتے۔ مدراس بنگلور دیکھنے سے مجھ کو یقین ہوا کہ اب سے ستر یا غایتہ درجہ سو برس بعد بہ شرطِ بقائے عملداری انگریزی ہماری ملکی زبان انگریزی ہو جاے گی ان دو شہروں میں انگریزی کی یہ کثرۃ ہی اور ضرورۃ یہی حال کلکتے اور بمبی کا ہوگا کہ بازاری کنجڑے بھٹیارے انگریزی بولتے ہیں چونکہ یہاں کی زبان تلنگی۔ اڑوی۔ کنڑی سمجھ میں نہیں آتی انگریزی واں اپنا کام نکال لیتا ہی فقط۔ ۲۷۔ مئی ۱۸۷۷ء

خط ۷۷

بجنور جانے کا مضائقہ نہیں لیکن کوئی نفع بھی نہیں ؎

دہ مردوہ مرد را احمق کند • عقل را بے نور و بے رونق کند

[1] ہاتھی دانت ۔ ۱۲

میں اس کو زیادہ پسند کرتا کہ تم تعطیل میں علی گڑھ جاتے اور سید احمد خاں صاحب کے
پاس رہ کر استفادہ کرتے۔ تمھارے خیالات کو اُن سے بہت نفع ہوتا۔ اب تم انگریزی
ایسی لکھتے ہو کہ مجھ کو مشکل سے غلطی ملتی ہے۔ اخبار انگریزی کا مطالعہ اور اُس کا طرزِ اداے مطلب
خیال میں رکھنا بہت مفید ہوگا۔ عربی جو تمھارا موروثی علم ہے اُس کی طرف تم کو مطلق توجہ
نہیں ہے افسوس!۔

خط ۸۷

میاں بی بی کا جو تعلق ہے وہ پیار اور ہیبت کا تعلق ہے یعنی دونوں ایک دوسرے
سے محبت رکھیں اور میاں کی وقعت اور ہیبت دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایسا شبہہ بے جا
ہے۔ اُستاد اور شاگرد اور حاکم اور رعایا میں بعینہٖ اسی طرح کا تعلق ہے۔ عورتیں بہ وجہ نقصانِ عقل و
جہل و نادانی کے ممکن نہیں کہ امور دنیا داری کی تنہا متکفل ہو سکیں۔ یہی سبب ہے کہ مردوں
کو اُن پر غلبہ رکھنا ضرور ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ[1]۔ جوشِ جوانی میں احمق مرد عورتوں کو
اس قدر بے تکلف اور گستاخ کر لیا کرتے ہیں کہ پھر ساری عمر وہ اُن کو دبا نہیں سکتے اور گھر میں
دو عملی رہتی ہے۔ عورت اپنی راہ چلتی ہے اور مرد اپنا راستہ اختیار کرتا ہے۔ مجھ کو اپنے عزیزوں
میں ایک شخص کا حال معلوم ہے کہ وہ ابتدا میں بی بی کی خدمت گاری کرتا تھا اور میاں بی بی
میں پیار اخلاص کے واسطے دھول دھپا ہوتا تھا ایک دوسرے کو چٹکیاں لیا کرتا تھا اور
گفت و گو میں بھی سخت بے تہذیبی جانبین سے ہوتی تھی انجام یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے
کے دشمن ہو گئے۔ کیسی ہی کوئی چیز عمدہ ہو ضرور ہے کہ آدمی اُس سے ملول اور سیر
ہو جائے مثلاً کوئی عمدہ سے عمدہ کھانا اگر روز دو وقت کھانے کو ملے شدہ شدہ روکھی
روٹی کی طرح بد مزہ معلوم ہونے لگے گا۔ بس جو لوگ حسنِ ظاہر پر فریفتہ ہوتے ہیں اُن کا
یہ خیال یقیناً بے ثبات ہے۔ عورتیں صرف شہوت رانی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ انگریزی
محاورے کے مطابق بٹر ہاف[2]۔ بس اُن کو امورِ خانہ داری کے انتظام کے واسطے موضوع
سمجھ کر اسی کام کے لائق بنانا چاہیے۔ یہ قاعدہ نہایت صحیح ہے۔ ویراً منیر دیر گسل زود

۱ے اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔ ۲ے بہترین نصف۔

کسل۔ ربط جو پیدا اکروُر کا وٹ کے ساتھ اور اتحاد کو بڑھاؤ یہ تدریج ایک ہیئتہ جسمانی توانائی کی بھی ہوتی ہو وہ تم اپنی بی بی پر قائم نہیں کر سکتے پس ضعف جسمانی کی تلافی وقر و متانت سے کرو۔ عورتوں کو طمع اور چھوٹے پن سے روکنا ضرور ہو ورنہ گھر میں خیر و برکت رہ نہیں سکتی۔ تاکید کرو کہ تمھاری بی بی لکھنا سیکھے اور اُس کے پڑھنے کی کتابیں جمع کرو اور اُس کی مدد کامل طور پر کی جائے۔ اگر فرمائشوں کی نوبت آے تو اُس کو حقارت کے ساتھ روک دینا کہ ہماری تمھاری حالت پر اتا کو نظر ہوا اور اس قدر بس کرتا ہو جو اُن کو مناسب معلوم ہوگا خود ہوگا خود کریں گی۔ کچھ تھوڑا سا روپیہ دے کر دیکھو کہ کیا کرتی ہو۔ اگر وہ سودے سلف یا عارضی نمائش کی چیزوں میں اُٹھا ڈالے تو جانو کہ احمق اور نا عاقبت اندیش ہو اور اگر زیور یا دوسرے عمدہ مصرف میں لگائے تو البتہ خوشی کی بات ہو۔ تم کو ایک مدت تک بی بی کو تعلیم کرنا پڑے گا۔ اُس کے خصائص مزاجی پر غور سے نظر کرتے جاؤ۔ یہ اُسی کے حق میں مفید ہوگا کہ بیوی صاحب کے اختیار میں اس طرح رکھی جائے جیسے بیمار طبیب کے اختیار میں کبھی کچھ چھپا اور صاف سلا کر دیکھو کہ اس ہنر میں اُس کی دستگاہ کہاں تک ہو اسی طرح ممکن ہو کہ کسی حیلے سے کھانا پکانے میں بھی اُس کا امتحان لیا جائے اور جس بات میں کوتاہی پائی جائے نرمی اور مہربانی سے اُس کو سمجھا دیا جائے فقط ۱۸۷۹ء

خط ۷۰

تمھارے خط کے آنے سے میں نے ایک خط ریڈ صاحب کو اُردو میں لکھا جس کی نقل اس کے ساتھ بھیجی جاتی ہو

جناب عالی۔

میں اپنے دوسرے خطوط میں ان شاءاللہ آپ پر ثابت کر دوں گا کہ میں نے اپنی انگریزی کو جیسی ٹوٹی پھوٹی اعظم گڑھ میں تھی اب تک بھلایا نہیں مگر چوں کہ ابتداے مفارقت سے جس کو دو برس ہو یہ میرا پہلا عریضہ ہو میں چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات کو اپنی زبان سے ادا کروں۔

بشیر نے آپ کی چٹھی کی نقل دلی سے میرے پاس دورے میں بھیجی اور اس کے

پڑھنے سے وہ پانچ برس آنکھوں میں پھرنے لگے جو آپ کے سایۂ عاطفت میں نہایت خوشی اور اطمینان کے ساتھ اعظم گڑھ میں گزرے اگرچہ مفارقت کو بہت دن ہوئے مگر آپ کی مہربانیاں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی۔

میرا حال اس ملک میں اُس شخص کا سا ہے جو کبھی ناؤ پر نہ بیٹھا ہو اور دفعتہً اُس کو طوفان خیز سمندر میں بادبانی جہاز پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑے۔ بشیر کا یہ کہنا کہ میں نے اس ملک کا رہنا ٹھان لیا ہے۔ صرف اس قدر صحیح ہے کہ اُنھوں نے مجھ کو کبھی ایسا کہتے سنا ہوگا مگر یہاں کے حالات کو خود ثبات و قیام نہیں اور اس حالت میں کوئی رائے جم نہیں سکتی تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ اب میری طبیعت مطلقاً نوکری سے گریز کرتی ہے۔ مجھ کو یہاں صدر تعلقہ داری کی خدمت سپرد ہے جو انگریزی عمل داری کی کمشنری سے بہت ملتی ہوئی ہے تنخواہ وہاں بہت اور اختیارات یہاں۔ مجھ کو تنخواہ بارہ سو ملتے ہیں اور یہ تعلق بندوبست دامی بھشتا مالعہ یہاں کا روپیہ تین آنے کے قریب انگریزی روپے سے چھوٹا ہے اور چیزوں کا نرخ بھی اکثر گراں۔ اس ملک میں کبھی پارسی مقتدر رہے ہیں کبھی مدراسی اور ان دنوں ہندیوں کا دور دورہ ہے مگر اس ملک کے لوگ صرف حسد کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

انتظام کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ذاتِ نظام کو اس ملک میں حضور یا بندگان سے تعبیر کرتے ہیں اور لفظ حضور جو وہاں تعظیماً بولا جاتا ہے اس کا مرادف یہاں لفظ تقصیر ہے۔ حضور کا سن شریف پندرہ برس کا ہے اور اس وقت تک کہ حضور زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لیں نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر ریجنٹ[1] ہیں۔ ان دونوں میں جو باہمی اختلاف ہے وہ آپ اخبار میں پڑھتے ہوں گے انتظام سلطنت نواب مختار الملک کرتے ہیں باستثنائے امور عظیمہ جن میں مشاورہ امیر کبیر ضرور ہے۔ ملک بہت وسیع ہے مگر اُس کا ایک بڑا حصہ جاگیر۔ خود حضور نے جس قدر ملک اپنے واسطے الگ کر لیا ہے وہ صرفِ خاص کہلاتا ہے۔ جاگیر داروں

---

[1] ولی۔ رئیس کی صغر سنی کی حالت میں جو نیابتہً کام چلائے۔

ہیں سب سے بڑے جاگیر دار امیر کبیر ہیں جن سے خاندان میں حضور کی صاحب زادیاں بیاہی جاتی ہیں۔ ان کی جاگیر کو لوگ ساٹھ لاکھ روپیہ سال کی بیان کرتے ہیں۔ ان سے اُتر کر اکثر مسلمان اور بعض ہندو اور بہت جاگیردار ہیں۔ صرف خاص اور جاگیرات نکل کر جو ملک بچا وہ دیوانی کہلاتا ہے۔ یعنی متعلق بہ دیوان وزیر۔ فقط۔

خط ۸۰

اگر ... نے مجھ کو کیمیا گر یا عامل دست غیب فرض کر لیا ہے تو میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔ لیکن اگر فی الواقع میں ایسا ہوتا تو چار مہینے کے عوض چار برس کی مہلت دیتا بلکہ شاید مدۃ العمر مطالبہ نہ کرتا مگر میرا حالِ واقعی یہ ہے کہ نوٹ بنک میں رکھ کر قرض سے کارروائی کرتا ہوں۔ اس حقیقۂ نفس الامری جاننے کے بعد اُن کو اختیار ہے چار مہینے میں دیں چار برس میں دیں نہ دیں۔ یا خدا توفیق دے تو ڈیوڑھے دیں فقط

خط ۸۱

طالب یعنی امیدوارِ خدمت کو چاہیئے کہ بہ منزلہ کنکوے کے ہو جس میں پرواز کا مادہ پہلا اور صرف ایک دریائی کا محتاج ہے اسی طرح امیدوار میں مادہ لیاقت کا ہونا ضرور ہے کہ سفارش کی ایک دریائی ملی اور اونچا ہوا . . صرف دریائی نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دُم چھلے کی طرح ہیں اُن کے ساتھ ساتھ لٹکا رہوں۔

ہم ارکینِ ثلثہ مجلس مال گزاری نے کام کو آپس میں بانٹ رکھا ہے نصب خدمات مولوی دلیل الدین صاحب کی طرف ہے اس لیئے کہ نازہ وارد نا آشنا سا اور اجنبی ہیں میں نے اور اکرام اللہ خاں صاحب نے اس بوجھ کے اُٹھانے سے پہلو تہی کی۔ اِتَّقُوا مِنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ۔ تاہم والدال علی الخیر کے طور پر . . . کی سفارش میں مولوی دلیل الدین صاحب کے نام رقعہ لکھ دیا ہے جس کی عبارۃ قریب قریب اس کے ہے۔

لہ عمر بھر ۲ؔ وقت مہودہ ۳ؔ کنکوے کے جو اُچک دی جاتی ہے اس کو اصطلاح میں دریائی کہتے ہیں ۴ؔ کنکوے کی دم میں جو لمبی دھجی اس کا مرکز ثقل ٹھیک رکھنے کو باندھ دیتے ہیں اُس دم کو چھلا کہتے ہیں ۵ؔ بچو تہمتوں کی جگہ سے ۶ؔ بھلی صلاح دے کر کسی کے ساتھ سلوک کرا دینا۔

یہ صاحب جو اس رقعے سے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں۔ مولوی ہیں مجھ سے بہتر آپ سے کم تر۔ حافظ ہیں آپ سے بہتر میرے برابر۔ حاجی ہیں مجھ سے اور آپ سے دونوں سے بہتر۔ مدت سے امیدوارِ خدمتِ تحصیل داری ہیں مجھ سے اور آپ سے دونوں سے کم تر۔

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

خط ۸۲

مبدأ فیّاض نے جو قوتیں انسان کو عطا کی ہیں علم اُن کو چست و چالاک اور نمایاں اور بہ کار آمد کر دیتا ہے جیسے لوہا کہ جوہر اس کی ذات میں مضمر ہے صیقل کرنے سے اصلی جوہر اُبھر آتے ہیں نہ یہ کہ جوہر اُس میں پیدا کیے جاتے ہیں۔ علم کے معنی ہیں جاننا اور چونکہ جاننا ہو سکتا ہے تمام موجودات اور تمام واقعاتِ ماضیہ و حالیہ و مستقبلۂ عالم سے پس تم خیال کر سکتے ہو کہ دائرۂ علم کتنا وسیع ہے۔ علم کی فردِ اکمل علمِ الٰہی ہے۔ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ٥ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

---

۱ اُس سے ذرہ بھر پوشیدہ نہیں ہے خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں اور کیا اُس سے چھوٹا اور کیا بڑا سب کھلی ہوئی کتاب میں ہے اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ گرے اُس کو جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تر و خشک لیکن کھلی ہوئی کتاب میں ہے۔ جانتا ہے آنکھوں کی چوریوں کو جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے حق یہ ہے کہ خدا کے پاس اُس گھڑی (قیامت) کا علم ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی بھی (شخص) نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ حق یہ ہے کہ خدا علم والا اور خبر والا ہے۔

تم نے وہ حکایت سنی کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام[1] کو حکم ہوا تھا کہ خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرو۔ استاد اور شاگرد دونوں کشتی میں سوار چلے جاتے تھے۔ ایک چھوٹا سا پرند نظر پڑا کہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا پانی پی رہا ہے۔ اُس کو دیکھ کر خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ اے موسیٰ علم الاولین والآخرین[2] کو علم الٰہی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو اس جانور کے ایک آشام[3] کو اس دریا کے تمام پانی کے ساتھ۔

پس جو کچھ ساری دنیا کی کتابوں میں مدوّن[4] ہے اگر تمام تر انسان کو مستحضر ہو (اور محال ہے کہ ایسا انسان کبھی ہوا ہو یا آیندہ ہو) تاہم اُس کا علم جامع اتنا ہی ہوگا کہ گویا سمندر سے ایک رشحہ[5] یا اُس سے بھی کم۔ بڑی غلطی ہے کہ دس یا بیس یا پچاس یا سو کتابوں پر نظر کر لینے سے آدمی اپنے کو عالم سمجھنے لگے مثل اُس چوہے کے جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے تئیں پنساری خیال کرنے لگا تھا۔

پڑھنے کی میرے نزدیک بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ تفتیش و تلاش اور ہر چیز کی کنہ[6] اور ہر بات کے اطراف و جوانب اور مالہٗ[7] وما علیہ[8] اور ہر واقعے کے سبب اور ہر سبب کے نتائج کے دریافت کرنے کے شوق کو مشتعل کیا جائے۔

خط ۸۳

انسان کو جتنی قوتیں دی گئی ہیں جسمانی اور دماغی سب کا خاصہ ہے کہ جتنا جس قوۃ سے کام لوگے اُسی قدر وہ قوۃ چست اور بہ کار آمد ہوتی جائے گی مثلاً تم میری طرح شارٹ سائٹڈ (نزدیک بیں) ہو اور میری طرح دوربین عینک بھی استعمال کرتے ہو یعنی ہم دونوں عینک لگانے سے نقصان نظر کی تلافی کرتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں پتنگ لڑایا کروں یا شکار کے تعاقب میں سرگرداں پڑا پھروں یعنی آنکھ کے لیے دوربینی کے مواقع مہیا کرتا رہوں تو ضرور میری نظر خود بخود دور تک پھیلنے لگے یہی حال ہے حافظے کا۔ اگر کسی کو ضعف حافظہ کی شکایت ہے تو جو بیمار ہے وہی اپنے

[1] ہمارے نبی اور اُن پر رحمت اور سلامتی [2] اگلے پچھلوں کے علم [3] ایک گھونٹ [4] جمع [5] یا [6] چھینٹ
[7] حقیقت [8] جو اُس کی موافقت میں ہے [9] جو اُس کے خلاف میں ہے۔

مرض کا طبیب ہی اُس کو چاہیئے کہ اچٹتی ہوئی نگاہ سے چیزوں کو نہ دیکھا کرے۔ سرسری طور پر باتوں کو نہ سنے طبیعۃ پر زور ڈالے۔ جن چیزوں کو یاد رکھنا چاہتا ہی۔ گاہ بے گاہ اُن کا دھیان کرتا رہے جو چیزیں اُس کے ذہن میں حاضر ہیں اور جن چیزوں کو حاضر فی الذہن کرنے کی کوشش کرتا ہی دونوں میں اوعائی تعلق پیدا کرے جیساکہ منطق[1] فلاسفی کی کتابوں میں لکھا ہی۔

خط ۴۸

جس شخص کے اصول زندگی یہ رہے ہوں کہ اپنی آمد سے خرچ کو بڑھنے نہ دے یعنی ہمیشہ تھوڑا بہت پس انداز کرتا رہے اور روپئے کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑنے کو جنوں سمجھے ع برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر۔ اور اعوان[2] وانصار کو ترستا ہوا ایسا آدمی اپنے اندوختے کو پرامیسری نوٹوں کے پیرائے میں نہ رکھے تو کیا کرے۔

صرف نوکری کے ذریعہ سے آدمی مال دار ہو نہیں سکتا اور . . . کو جو تم دیکھتے ہو ظاہر میں ایک نوکری ہی مگر در پردہ لوٹ خیانتہ اور رشوۃ واشتہا[3] چند در چند ابواب اُس میں شامل ہاں نوکری کے ذریعہ سے جو لوگ مال دار ہوئے اس تدبیر سے ہوئے کہ ایک خدا نے برکۃ دی اور دوسرے عزیز اُس کی کمائی کو زمین داری یا تجارت سے ترقی دیتے رہے رفتہ رفتہ سرمایہ معتد[4] بہٖ فراہم ہوگیا۔

ہمارے عزیز قریب دو طرح کے ہیں اِلّا ماشاءاللہ۔ یا تو مطلقاً عقل معاش سے بے نصیب جیسے . . . یا جن کو عقل ہی تو عقل فساد جیسے . . . پہلی قسم کے لوگ وجود بے سود اور دوسری قسم کے غیروں سے بدتر۔ اگر . . . میرے سرمایے کو محفوظ رکھیں اور اُس سے کسی طرح متمتع ہو کر اپنی حیثیتہ درست کرلیں تو اُس میں دریغ کرنا پرلے درجہ کی خستہ ہی مگر ان لوگوں کا تو یہ حال ہی کہ میرے خون سے اپنی پیاس کو بجھانا چاہتے ہیں۔ دوں تو اپنی گرہ سے یعنی اپنا راس المال سب ہیں تقسیم کردوں پھر میرا عمل درآمد اس آیۃ پر ہو۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ

[1] فلسفۂ عقلی [2] مددگار [3] واژین قبیل [4] اعتبار کے قابل [5] اور اپنا مال جس کو خدا نے تمہارا سہارا ٹھیرایا ہے نادانوں کو نہ دو اور اس میں سے اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور اُن سے اچھی بات کہو۔

فِيَامًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔

مجھ سے سوائے نوکری کے دوسرا کام ہو نہیں سکتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ برسوں سے پابندی خدمت بھی طبیعت پر شاق ہے۔ سید احمد خاں صاحب نے پرامیسری نوٹوں کے جواز کے دلائل جو جمع کیے ہیں اور ربٰوا کی حقیقت جو کچھ اُنھوں نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور مولوی شاہ عبدالعزیز اور مجتہد اثنا عشریہ[1] کے فتاوے مجھ کو سب معلوم ہیں مگر بایں ہمہ اگر مجھ کو اندوختے کے لیے کوئی دوسرا محفوظ و مطمئن پیرایہ ملے تو میں آج پرامیسری نوٹوں کو الگ کروں۔

تجارۃ کا حال یہ ہے کہ یہ جائے خود بڑا مبسوط علم ہے۔ تجارۃ علی البصیرۃ[2] کام ہے اُس شخص کا جس کو تمام روئے زمین کا جغرافیہ اس تفصیل کے ساتھ معلوم و مستحفظ ہو جیسا ہم کو اپنے رہنے کے گھر کا۔ وہ بر و بحر کے چپے چپے کے حالات سے واقف ہو مردم شماری آب و ہوا۔ موسم۔ اوسطِ ولادۃ و وفاۃ۔ اوسطِ بارش۔ پیداوار۔ صناعۃ لوگوں کے مراسم و عادات اور اُن کی ضروریات و حاجات۔ ملکوں کے انتظامات و واقعات اُن کے باہمی تعلقات وامثالہا اور یہ معلومات اَپ ٹو ڈیٹ[3] ہونی چاہییں پھر ضرور ہے کہ تمام دنیا کے اخبار پر اُس کی نظر محیط ہو۔ تاریخ۔ ہندسہ۔ ریاضی پولیٹکل اکانمی[4]۔ سائنس۔ تمدن۔ سب کو تجارۃ میں مدخل عظیم ہے۔ اور سب سے بڑھ کر طبیعت کی مناسبت کہ ہر کام ہر شغلے ہر پیشے کے لیے شرط ضروری ہے۔ آدمی اتنا ہو تے تو تجارۃ کا نام لے۔ ہمارے ملک میں جتنی تجارۃ ہے سب داخل قمار ہے رجماً بالغیب۔ اندھے کی لاٹھی۔ لگی تو تیر نہیں تکا۔

رہ گئی زمیں داری۔ مجھ کو تحصیل داری اور بندوبست کی ڈپٹی کلکٹری کے ذریعے سے ان مصیبت مندوں کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔ رعایائے انگریزی میں سب سے

---

[1] بیاج سود [1] اثنا عشر کے معنی ہیں بارہ۔ شیعے اثنا عشری کہلاتے ہیں کیوں کہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں [2] واقفیت کی تجارۃ [3] تاریخ امروزہ تک [4] وہ فن جس میں اصول کفایت شعاری سے بہ لحاظ انتظام ملک بحث کی جاتی ہے اور اس کو فن اقتصادِ سیاسی کہتے ہیں۔

زیادہ بدنصیب ۔ سب سے زیادہ تباہ ۔ سب سے زیادہ مظلوم گروہ زمین داران ہے
ان کے ہم محاصل بلکہ ان سے اضعافاً مضاعفہ زیادہ محاصل کے تاجر اور پیشہ ور ہیں
کہ اُن کے حال سے کوئی متعرض نہیں اور زمین دار ہیں کہ ہر روز مال اور پولیس اور
فوجداری کی کچہریوں میں کھنچے کھنچے پھرتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ جرم زمین داری کے
مرتکب ہیں ترپیچ کیا آن کر پڑا ہے کہ سرکار اور زمین دار میں مشارکۃ محاصل اراضی کی
وجہ سے کش مکش ہے پس زمین دار کے مقابلے میں سرکار خود مدعی اور خود جج ہے ۔ پھر بندوبست
کے میعادی ہونے نے زمین داروں کو بالکل بے دل اور پست حوصلہ کر رکھا ہے ضوابط
تحصیل زر مال گزاری سخت اور جابرانہ ہیں ۔ علیٰ رغم انف زمین داران گروہ کاشت کاران
بہت زور پکڑ گیا ہے ۔ سرکار اپنا مطالبہ فی اَغْلَبِ الْاَحْوَالِ بَلْ فِیْ جُلِّ الْاَوْقَاتِ بلا لحاظ
کمی پیداوار و سقاتہ فصل و نامساعدۃ موسم فی الوقت وصول کر لیتی ہے اور جو روپیہ زمین دار
کو کاشت کار سے ملتا ہے اُس کے لیئے زمین دار مجبور کیا گیا ہے کہ کاشت کار پر نالش کرے
نالش کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ مہینوں کی دوا دوش کے بعد اگر زمین دار کو ظفر ہوئی (وَ
دُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ) تو تمام مطالبہ مصارف ناجائز میں گاؤ خورد ۔

خلاصہ یہ کہ شیونگ میں نے کیا ہے اور کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا ۔ روپیے کو معطل
ڈال رکھنا میرا قاعدہ نہیں ۔ اعوان و انصار میرے پاس نہ تھے نہ ہیں اور نہ ہونے
کی امید ۔ تجارۃ لا علی البصیرۃ کو عقل جائز نہیں رکھتی اور علی البصیرۃ کی مجھ کو قابلیت نہیں
زمین داری کی زحمت اور بے حرمتی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی ان سب مقدمات
کو جمع کر کے تمھی نتیجہ نکالو ۔ فَتَعَیَّنَ اَلْبَرَامیسری نوٹ ۔

خط ۸۵

امن و آسائش و آزادی یعنی نتائج حسن انتظام کے اعتبار سے دیکھا جائے
تو انگریزی عملداری ایک رحمت الٰہی معلوم ہوتی ہے اور اگر ہندوستان اسی نسبت سے سوشلی امور

لہ برخلاف ٹلہ اکثر احوال میں بلکہ کل اوقات میں سلہ عین وقت پر سمہ اور اس سے پہلے ایک خاردار درخت پر ہاتھ
پھیرنا ہے یعنی سخت تکلیف اور زحمت ہوشہ بس اندازہ لہ ہیں یہ امیسری نوٹ کی قسم متعین ہوگی شہ من حیث التمدن معاشرۃ ۔

پولیٹیکل[1] ترقی کرتا رہا تو آج سے سو برس کے اندر اندر اس کو خبتہ نشان کہنا حکایۃ نفس الامری ہوگا نہ مبالغۂ شاعرانہ۔ غرض یہی عمل داری ہو اور اگر گورنمنٹ اپنی سلامتی کا بیمہ بیچنا چاہیے تو سب سے پہلا خریدار میں ہوں) تو دنیا کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو مگر سخت افسوس کی بات ہے کہ گورنمنٹ کی فیوٹر پلیسی[2] نے دنیا کو بنایا اور دین کو بگاڑا۔ دنیا کو بسایا اور دین کو اُجاڑا دین کے بننے بگڑنے کا معیار تعلیم یافتہ لوگوں کے معتقدات ہیں سو ان دنوں کے تعلیم یافتہ عموماً الا ما شاء اللہ[3] وقلیل[4] ما ہم بے دین ہیں۔ تعمیل احکام شریعۃ میں مداہنتہ کرنا بے دینی نہیں ہے اور نہ سزا وار خدا اوندیش۔ کس نہ تواند کہ بجا آورد۔ بلکہ بے دینی سے مراد یہ ہے کہ مطلق دین و مذہب کو لغو اور خیال احمقانہ جانتے ہیں۔ وَھَل اَھَوَ الدَّھرِیَّۃ اَعَاذَنِی اللّٰہُ وَاِیَّاکَ مِنہَا۔

تم کسی ایک مذہب کو متعین کرو جو تمہارے نزدیک سخت بیہودہ ہو۔ میں تمہارے لیے اُس مذہب کا مقلد ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں[5] مِن اَن اَرَاکَ دَھرِیًّا۔ کیوں کہ میری رائے یہ ہے کہ دنیا میں جتنے دین و مذہب ہیں سب انسان کی صلاح کی غرض سے جاری ہوئے ہیں اور خصائص وقتی و ملکی کے لحاظ سے سب میں نیکی کے اصول کی رعایۃ کی گئی ہے۔

یہ بڑی خرابی کی بات ہے کہ دنیا میں ادیان مختلفہ کی بہت کثرۃ ہو گئی ہے اور ہر دین والے دوسرے تمام ادیان کی تکفیر کرتے ہیں ان میں فیصلے کرنا عقلاً نہیں تو عادۃً ضرور محال ہے۔ اسلم[6] طریقہ تم جیسے نوجوان آدمی کے لیے یہ ہے کہ جس دین میں پیدا ہوا ہے آنکھ بند کر کے اس کی پیروی کرتا جائے جب تک اُس کو مدلل رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔

میں نے برسوں کے غور کے بعد اپنے نزدیک اسلام کو ایسا بدیہی سمجھا ہے جیسا

---

[1] من حیث السیاستہ باعتبار انتظام ملک سلطنتہ [2] سکوت۔ عدم مداخلتہ [3] باستثنا اُن کے جن کی نسبتہ مشیت ایزدی اسی طرح پر ہوئی لو وہ بہت کم ہیں [4] اور بے دینی ہے جس سے خدا مجھ کو اور تم کو بچائے [5] اس سے کہ میں تمہیں بے دین دیکھوں۔ [6] محفوظ ترین۔

دو اور دو چار اور مدت سے میرا ارادہ ہے کہ اپنے خیالات مذہبی کو مقید[1] بالکتابت کروں مگر اس وقت تم سے مجھ کو اسی قدر کہنا منظور تھا کہ مذہب کی بابت بُری یا بھلی کوئی رائے قائم کرنے میں ہرگز جلدی مت کرنا۔

خط ۸۶

اکونٹنٹ[2] جنرل کے دفتر میں پنشن کا ایک صیغہ خاص ہے۔ وہاں یہ بات مستنبط کی گئی ہے کہ پنشن خواروں کی عمروں کا اوسط عامۃ اعمار کے اوسط سے ایک ثلث کے قریب گھٹا ہوا ہے سوچنے سے معلوم ہوا کہ لوگ زمانہ اشتغال میں لوازم خدمت کو شرطِ زندگی بنا لیتے ہیں خدمت سے علیحدہ ہوئے پیچھے زندگی وبال دوش ہو جاتی ہے۔ اور جلد مر جاتے ہیں فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ[3] ۔

خط ۸۷

مولوی . . . اپنی بی بی سے بہت مانوس تھے جیسا کہ سچ مچ کے سبھی مولوی ہوا کرتے ہیں۔ بی بی مریں تو مولوی صاحب دنیا سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ کسی چیز کی نظر میں وقعت باقی نہ رہی یہاں تک کہ نوکری کی اور اپنے بچوں کی مولوی صاحب کو ایک بزرگ سے تھی ارادۃ۔ اُن کو اس کیفیت سے آگاہی دی۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ یہ سب خدع نفس ہے۔ اس کو تبتل[5] اور انابت[6] الی اللہ مت سمجھو۔ مولوی صاحب نے اپنے وجدان[7] کے مقابلے میں اس کو تسلیم نہ کیا۔ شیخ نے اُن کا اصرار دیکھ مراقبہ اور کچھ وظیفے بتا دیئے مولوی صاحب چندے کرتے رہے مگر کوئی جدید کیفیت پیدا نہ ہوئی آخر ملول ہو کر کنایۃً شکایت کی۔ یہاں تک حکایت ہے جو بات مجھ کو کہنی تھی یہ ہے کہ شیخ[8] نے شکایت سن کر فرمایا کہ جس دن سے تم نے ہوش سنبھالا طلب دنیا میں منہمک رہے۔ اس طلب میں تم کو اتنی ہی کامیابی ہوئی کہ ایک نوکری مل گئی جو نہ سلطنت ہے نہ وزارت نہ کامل حکومت نہ کافی امارت

---

[1] قلم بند [2] صدر محاسب [3] پس عبرت پکڑو اے آنکھ والو [4] مگر میرے والد مرحوم بحمد اللہ اس کلیے سے مستثنیٰ رہے یعنی پورے تیس برس جو بجائے خود عمروں کی مدت ہے پنشن پائی جس کی وجہ یہ تھی نوکری کی طرح اُن کو تصنیف تالیف میں تہ العمر انہماک رہا [5] ٹوٹ کر خدا سے لَو لگانا [6] خدا کی طرف رجوع کرنا توجہ۔ [7] ذہنی معلومات [8] شیخ سے مراد وہی بزرگ ہیں جن کے ساتھ مولوی صاحب کو ارادت تھی۔

طلب دین میں تم نے اپنی عمر کا کون سا حصہ صرف کیا شاید ہزار و ںمیں سے ایک کسر اعشاریہ بھی نہیں اور ابھی سے مناصب غوث و ابدال کے امید وار ہو ع این خیال ست و محال ست وجنوں۔ حکیم سنائی کا کیا اچھا قطعہ ہے۔

قرن ہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع	عالمے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سال ہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب	لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش	صوفیئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبۂ از آب و گل	شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
روز ہا باید کشیدن انتظار بے شمار	تا کہ در جوف صدف باراں شود درّ عدن

خط ۸۸

انگریزی جاننا بھی فی الحقیقۃ ہم لوگوں کے حق میں ایک مصیبت ہے۔ میں نے بڑے بھائی صاحب کا بنوایا ہوا مکان دیکھا اور انگریزی خیالات کے مطابق ناپسند کیا۔ مکان خوش قطع ہے محکم ہے اور تھوڑی سی جگہ میں گنجائش بھی خاصی ہے۔ ضرورۃ کی کل چیزیں یہاں تک کہ دو چوترہ خانے بھی ہیں مگر ونٹی لیشن کا نام نہیں۔ ہوا جو کوٹھریوں کے پاٹتے وقت بند کی گئی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بدون پمپ[۱] کے کیوں کر بدلی جا سکتی ہے۔ اس مکان کی زمین اس قدر مرتفع تھی کہ اگر مکان روشن اور ہوا دار ہوتا تو بالا خانے کی کچھ ضرورۃ نہ تھی مگر ہوا دار نہ ہونے سے گرمی کی رات اور موسم برسات کے قابل نہیں ناچار بالا خانہ بنوانا پڑا۔

خط ۸۹

آج ایک تقریب سے تمھاری بچپن کی دو باتیں یاد آکر دل کو بڑی ہی خوشی ہوئی اور تاکہ تم کو بھی خوشی ہو یاد دلاتا ہوں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میری عادۃ تھی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا

---

[۱] ہوا واری ۱۲ [illegible] ستائش اُس خدا کے لیے ہے جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا اور ستائش اس خدا کے لیے ہے جو پروردگار کل جہان کا ہے۔

وَسقانا وَجعلنا مِنَ المُسلِمِینَ وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالَمِینَ ہ

برنہ می آید زمن احصا سے منتہ ہائے تو   شکر نعمۃ ہائے تو چنداں کہ نعمۃ ہائے، تو

پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن تم نے پوچھا کہ ابا کھانے کے بعد یہ کیا پڑھا کرتے ہو۔ میں نے کہا خدا نے روزی دی اُس کا شکر کرتا ہوں۔ تم نے کہا مجھ کو بھی سکھا دو۔ میں نے کہا۔ تم عربی فارسی زبانیں نہیں سمجھتے اس وجہ سے میں نے تم کو جیسا دستور ہے پہلے قرآن شروع نہیں کرایا کہ تم اُس کو نہیں سمجھ سکتے اور بے سمجھے بڑبڑانا لغو اور لاحاصل ہے تم اپنی بولی میں ادائے شکر کر لیا کرو۔ تم کچھ ملول ہوئے تو میں نے تھوڑی دیر تامل کر کے یہ شعر موزوں کر دیا ؎

یہ رزق طیب بلا مشقۃ خدا کی قدرۃ کا دیکھو جلوا

گناہ گاروں کو مَن وسلویٰ کیا عنایۃ گدھوں کو حلوا

چوں کہ لے اچھی تھی تم نے بہت پسند کیا اور چند بار دُہرانے سے یاد ہو گیا مگر بجائے گدھوں کو حلوے کے۔ گدھوں کا حلوا۔ تمھاری زبان پر چڑھ گیا۔ تم دونوں وقت کھانے کے بعد بالالتزام یہ شعر پڑھتے۔ اور ہم سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جاتے مدتوں بعد تم کو غلطی پر تنبہ ہوا ہنسی تو گئی گذری ہوئی۔ نری شکر گزاری رہ گئی۔

اورئی[1] میں تمھارا زیادہ وقت خدمتہ گاروں اور چپراسیوں میں بسر ہوتا تھا۔ چوں کہ یہ لوگ تم کو کھلاتے بہلاتے تھے۔ ایک دن میں نے تم سے کہا میاں بشیر تم نوکروں میں رہ کر اگر گالیاں بکنی یا قسم کھانی یا جھوٹ بولنا سیکھو گے تو بھی تمھارا منہ سڑ جاتے گا اور میں تم کو اپنے ساتھ نہیں سلاؤں گا۔ بچے معصوم تم کو میرے کہے کا یقین ہو گیا ایک دن تمھاری زبان سے بے ساختہ کوئی بیہودہ بات نکلی اور فوراً تم کو میرا مقولہ یاد آیا تو تم بھاگے ہوئے اپنی والدہ کے پاس گئے کہ اماں بی ذری میرا منہ سونگھنا۔ اُن کو میری نصیحۃ کا حال معلوم تھا سمجھ گئیں اور بولیں سونگھ کر کیا کروں گی۔ گالیوں کی بسا ہند چلی آرہی ہے۔ یہ سُن کر تم بہت گھبرائے۔ آخر کار اُنھوں نے استغفار پڑھوا کر الائچی کے دانے چبوا دیئے تب تم کو تسلی ہوئی مگر بہت دنوں تک

لے ممالک متحدہ کا ایک ضلع ہے جو پہلے ضلع جالون مشہور تھا۔ کالپی کے پاس ہے۔

تم اس بدبو کے ڈر سے احتیاط کرتے رہے اور شکر ہے کہ تمھاری زبان گالی سے آشنا نہیں ہوئی

خط ۹۰

میں مدراس میں اسمعیل سیٹھ کی کوٹھی کے بالاخانے پر ٹھیرا تھا۔ رفتہ رفتہ سیٹھ صاحب کے ساتھ تعارف زیادہ ہوتا گیا۔ آخر انھوں نے دعوۃ کا پیام دیا مجھ کو سدا سے دعوۃ کی چڑ ہے ٹالنے کے پیرائے میں انکار کیا۔ جب چل چلاؤ قریب آیا تو سیٹھ صاحب نے اس قدر اصرار کیا کہ انکار کرتے نہ پڑا۔ دسترخوان پر سیٹھ اور اُن کے اعزہ واقارب اور ملازم حتی خدمتگار سب بلا امتیاز شریک ہوئے اور انھوں نے میرے خدمتگاروں کو بھی ساتھ بٹھانا چاہا۔ ان کو تمام عمر برابر بیٹھنے اور ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا نہ تھا بہت رکے اور سیٹھ صاحب ہیں کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے لیے چلے آتے ہیں تو چار و ناچار مجھ کو کہنا پڑا اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ پیٹ بھر کر کھائیں تو ان کو الگ کھانے دیجیے ایسا ہی ہو۔ مگر سیٹھوں نے بڑا ہی تعجب کیا کہ یہ کیسے مسلمان ہیں کھانے میں آقا اور نوکر کا تفرقہ کرتے ہیں؟ اگرچہ میں اس رسم کو اپنے یہاں جاری نہیں کر سکا تاہم اس واقعے کو استحسان کے ساتھ اکثر یاد کیا کرتا ہوں۔ جب آپ خورجہ میں مولوی ذکی نصر اللہ خاں کے زیر پرورش تھے تھا تو کیا میں نہیں دیکھا

خط ۹۱

تم کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں لکنت متوارث ہے۔ ہر نسل میں ایک نہ ایک آدمی ضرور ہکلا ہوتا آیا ہے۔ پس یہ لکنت جو تم میں ہے تقاضائے نسل یعنی خاندانی ہے۔ تمھاری لکنت خلقی نہیں ہے۔ نور لکھ پور میں تم کو اب سے دو برس قبل وکھ ہوا جب تک ڈاکٹر۔۔۔ صاحب پونہچیں پونہچیں عورتوں نے اضطراب میں پیاز کے عرق کی جگہ منہ میں پانی ٹپکا دیا۔ اسی وقت سے عصابِ لسان مسترخی یا متشنج ہو گئے۔ بیماری سے اُٹھے تو ہکلاتے اُٹھے بچوں کی سیدھی باتیں دل کش ہوتی ہیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ تمھارا اُن دنوں کا ہکلانا سب کو بھلا معلوم ہوتا تھا مگر میں اس وقت بھی تو گھبراتا تھا۔۔

له اپنی عمر میں که گنوانشنز یعنی ہاتھ پاؤں ٹیڑھے پڑ جانا ته پٹھے ئه زبان ثه ڈھیلے له اکھڑے ہوئے بعینہ یہی حال میرے بڑے لڑکے منشی رشید احمد کا ہوا۔ اُس کو بھی اسی طرح چار برس کی عمر میں تپ شدید کے بعد لکنت شروع ہو گئی مگر خدا کا شکر ہے کہ میری طرح اُس کی لکنت بھی بہت کم اور برائے نام ہے مگر ہے ضرور۔ میرے تایا مولوی احمد صاحب مرحوم کو بھی لکنت تھی اور اُن کے بڑے لڑکے مقصود احمد کو بھی غرض تین پشتوں سے یہ سلسلہ جاری ہے اور فرزند اکبر اُن ہی کا چلا آتا ہے

لکنت ایک نقصان جسمانی ہے (باڈیلی ڈیفکٹ) اور اگر گویائی اور لسانی ہنر ہے تو بلاشبہ لکنت عیب۔ وعظ اور وکالت اور سررشتہ داری واشالہا میں جس جگہ زبان سے کام لینا ہے تم عاجز ہو۔ کہتے ہیں کہ لکنت دلیل ذہانت ہے اور ایسا ہو تو عجب نہیں کیوں کہ ذہین اکثر مستعجل ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جھٹ سے اپنا مطلب ادا کریں اور زبان خاطر اُن کے ارادے کی مطاوع نہیں۔ پس ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک اڑیل ٹٹو پر سوار ہو کہ ڈانٹنے ٹھکرانے سے ٹٹو نکل جانے کا قصد کرتا ہے مگر عادۃً مانع ہوتی ہے اور دو مخالف محرکوں میں کبھی پیچھے کو ہٹتا ہے اور کبھی الف ہوتا ہے۔ تمھاری لکنت خدا کے فضل سے ایسی شدید نہیں ہے کہ اُس پر عیّ وحصر کا اطلاق ہو سکے پھر بھی قبیح ہے عداً وعیب ہیں ہے۔ چوں کہ فتور داخل ذہن میں ہے دراس بات کا دریافت کرنا مشکل سا ہے کہ لکنت استرخائے اعصاب سے ہے یا تشنج سے۔ کیوں کہ استرخا اور تشنج دو حالتیں ہیں متضاد اور دونوں کے علاج بھی لامحالہ متضاد ہوں گے اگر لکنت ہوا سترخا سے اور علاج ہو تشنج کا بالعکس تو لکنت کو اُلٹی ترقی ہوگی۔ یہ مسئلہ متعلق تشریح ہے اور اطبائے یونانی کلہم اجمعون اس کوچے سے نابلد۔ رہ گئے ڈاکٹر سو میرے متعارفین میں کوئی اس مرض کا اکسپرٹ یعنی حاذق نہیں میں سمجھتا ہوں کہ ڈنٹسٹ ڈاکٹروں کو اس میں زیادہ ملکہ ہوگا میں نام بھولتا ہوں ایک فلسفی الکن منہ میں کنکر بھر کر گفت گو کیا کرتا تھا یہاں تک کہ اُس کی زبان لکنت سے صاف ہوگئی۔

ہکلے کی نہیں بلکہ ایک توتلے آدمی کی حکایت ہمارے ادب عربی کی کتابوں میں ہے کہ کوئی وزیر الثغ یعنی توتلا تھا حرف رے کے ادا کرنے سے قاصر۔ بادشاہ کو منظور رہوا کہ فی اعین الناس اُس کو سبک کرے ایک مجمع میں وزیر کو حکم تحریری حوالے کیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دو اُس میں مرقوم تھا اَمَرَ الامیرُ اَنْ یُحفَرَ البِیرُ فی الطَّرِیْقِ لِیَرِدَ مِنْہُ الوَارِدُ وَ الصَّادِرُ۔ وزیر دیکھتے ہی سمجھا۔ اس کو زبان عربی پر اس طرح کی قدرت تھی کہ اُس نے بے فکر

ملہ جس میں فتور یعنی ضعف ہے ملہ موافقہ کرنے والی ملہ بند ہو جانا ملہ شمار ملہ سبب سے سب ملہ دانت بنانے والے ملہ لوگوں کے سامنے ملہ حاکم کا حکم ہے رستے میں کنواں کھود ا جائے تاکہ اُس سے آنے جانے والے سیراب ہوں

اور فی البدیہہ[۱] تبدیل الفاظ فوراً پڑھ دیا کرو الحاکو ان یقذب القذیب فی سبیل یسقی بہ الناذل والقافل۔ او[۲] ما شابہ ذالک۔

اسی طرح ہکلاپن بھی اکثر خاص خاص حروف میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اُن حروف سے احتراز کیا جائے مگر اس کے لیے ضرور ہے کہ آدمی مرادفات الفاظ سے بخوبی آگاہ ہو جو لوگ تمہاری طرح کم ہکلاتے ہیں غصے کی حالت میں زیادہ ہکلانے لگتے ہیں اور اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ عنان[۳] تمالک ڈھیلی پڑ جاتی ہے پس اس ہکلاپن کا علاج ہے کظم غیظ[۴] وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ھدی اللہ[۵]۔

خط ۹۲

تاکہ انگریزی کی سرتاسر مفید تعلیم کے مقابلے میں عربی فارسی کی پرانی گلی سڑی تعلیم کالعدم محض ہونا میری طرح تمہارے ذہن میں بخوبی بیٹھ جائے کالج کے کتاب خانے کو جا کر دیکھو۔ عربی فارسی کی الماریوں میں پاؤ گے کتابیں متقدمین کی۔ کتاب مانہ تصنیف و تالیف کے اعتبار سے جس قدر پرانی اسی قدر ہم لوگوں میں معتبر اور مستند برخلاف انگریزی کے کہ سو برس کی کتاب مثل تقویم پارینہ سلسلہ درس[۶] سے خارج شتان ما بینھما اسی سے ظاہر کہ کسی علم میں ہم نے ترقی نہیں کی[۷]۔ ہوتی تو عظامِ رمیم[۸] کو کیوں پڑے[۹] چچوڑتے

خط ۹۳

انگریزی خوانوں میں بڑا۔ بہت بڑا بہت ہی بڑا نقصان یہ دیکھنے میں آیا کہ ان لوگوں میں مطالعے کا دستور نہیں اور چوں کہ طبیعت پر غور اور خوض کا بوجھ نہیں ڈالتے میں نے جہاں تک دیکھا استنباطِ مطلب میں اکثر خطا کرتے ہیں۔ آج کل کے بی اے۔ ایم اے بات صاف تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کی نظروں میں مطلق نہیں جچتے۔ محاورات[۱۰] الفاظ اور تعلقات[۱۱] سابق و لاحق اور عبارت کے اطراف و جوانب اور مضمون کے مالہٗ و ما علیہ پر کبھی ان کی

---

۱ بلاغور ۲ یا جو اس سے مشابہ ہو یعنی از یں قبیل ۳ ضبط کی باگ ۴ غصے کا ضبط ۵ اگرچہ سوا ان کے جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اوروں پر دشوار ہو ۶ دیکھو تو دونوں میں کتنا فرق ہے ۷ بوسیدہ ہڈیاں ۸ لفظوں کے استعمال کے مواقع ۹ اگلی پچھلی عبارت کے ساتھ جوڑ لگاؤ ہے ۱۰ متعلقات - ۱۲

نظر کو احاطہ کرتے نہ دیکھا پس ان کی مثال اُس غوطہ زن کی سی ہے جس میں قعرِ دریا تک پہنچنے کا دم نہیں۔ ڈبکیاں لگاتا اور دُرِ مطلب کو نہیں پاتا۔

مطالعے کی برکت تم کو اس سے ظاہر ہو جائے گی کہ جب کورَیڈ صاحب نے تعزیرات ہند کے ترجمے میں شریک کیا تو میری انگریزی استعداد اس قدر ناقص تھی کہ میں پینل کوڈ کی ایک سطر بھی بے اردو ڈکشنری نہیں سمجھ سکتا تھا اور ڈکشنری بھی ویبسٹر کی نہیں

ئہ مولوی بشیر الدین احمد کو یوں کہتے سنا اور وہ کہتے تھے تو اُنھوں نے اپنے والد سے سنا ہوگا کیوں کہ یہ واقعہ مولوی بشیر الدین کی ولادت سے پہلے کا ہے کہ سر جارج ایڈمنسٹن لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی و مغربی نے پینل کوڈ ترجمے کو امر مہتم بالشان سمجھ کر اپنے اہتمام خاص میں رکھا اور چونکہ صاحب ممدوح کو مدتوں طہران میں بتقریب سفارت رہنے کا اتفاق ہوا تھا ان کو زبان فارسی میں ایسی اچھی استعداد تھی کہ فارسی میں بے تکلّف بلا تکلّف روانہ گفتگو کرتے تھے اور غالباً یہی وجہ واقع ہوئی کہ اُنھوں نے اس ترجمے کو اپنی ذات خاص سے متعلق رکھا کیوں کہ اس وقت کوئی یورپین اُن سے بہتر فارسی داں نہ تھا۔ سر جارج ایڈمنسٹن نے ہنری سٹوارٹ ریڈ ملازم کو تعلیم کو اس کام کے رتبے میں اپنے ساتھ لیا اور ریڈ صاحب نے منشی محمد عظمت اللہ صاحب کو جو اُن دنوں بریلی کالج میں انگریزی کے مدرس تھے۔ تو قاعدہ یہ تھا کہ منشی عظمت اللہ صاحب ترجمہ کرتے اور ریڈ صاحب کے پیش منشی مولوی کریم بخش صاحب ... دیکھتے کیوں کہ انگریزی منشی عظمت اللہ کی اچھی تھی اور عربی فارسی مولوی کریم بخش صاحب کی اس کے بعد وہ ریڈ صاحب کو سنایا جاتا اور یوں منشی محمد عظمت اللہ صاحب مولوی محمد کریم بخش صاحب ریڈ صاحب مسٹر جارج ایڈمنسٹن صاحب چار شخصوں کی رائے سے ترجمہ قرار پایا۔ دورہ کرتے کرتے سر جارج ایڈمنسٹن الٰہ آباد آئے جہاں مولوی نذیر احمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ سر جارج ایڈمنسٹن تو منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش کو لے کر بنارس چلے گئے ریڈ صاحب کسی ضرورت سے الٰہ آباد ٹھیرے رہے مگر ترجمے کے چند اجزائے ریڈ صاحب کے ساتھ تھے۔ ریڈ صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب سے کہا کہ یہ ترجمہ تھوڑا تھوڑا ہر روز مجھ کو سنا جایا کرو البتہ سنانے میں مولوی نذیر احمد صاحب بھی دخل دینے ہوں گے یوں پہلے پہل ریڈ صاحب کو مولوی نذیر احمد صاحب کی انگریزی دانی معلوم ہوئی مولوی بشیر الدین احمد کہتے تھے کہ والد صاحب ہر روز دس بجے سے پہلے جاتے اور چار بجے کے بعد واپس آتے اور تمام وقت کچہری میں بمشکل چھ سات دفعات کا تصفیہ ہوتا مولوی نذیر احمد صاحب نے چار پانچ دن میں ترجمے کا انداز معلوم کر کے چند ورق آگے سے آپ ترجمہ کرنا شروع کیا اور جب ریڈ صاحب یہاں تک پہنچے تو منشی عظمت اللہ کا ترجمہ الگ رکھ کر اپنا ترجمہ سنایا پہلے ہی دن ۲۰ دفعہ کا تصفیہ ہوا برخاست کرتے وقت ریڈ صاحب ورق الٹ کر ضرور دیکھا کرتے تھے کہ آج کس قدر ہوا اس روز ایک دم سے ۲۰ دفعہ دیکھ ان کو بہت حیرت ہوئی آخر مولوی نذیر احمد نے عرض کیا کہ یہ ترجمہ میرا کیا ہوا ہے ریڈ صاحب نے اسی وقت لاٹ صاحب کے نام کی چٹھی دے کر مولوی نذیر احمد صاحب کو بھی بنارس روانہ کیا اور آپ بھی دوسرے تیسرے دن کیمپ میں جا لے

پھر تو مولوی نذیر احمد صاحب (بقیہ صفحہ آیندہ)

بلکہ رومن سکول کو اشنری۔ مگر بات کیا تھی کہ طالب العلمی کے مطالعے نے فکر کو ایسا غائر بنا دیا تھا کہ الفاظ کی جامعیت و مانعیت پر نظر خوب دوڑتی تھی۔ رِیڈ صاحب اپنے پندار میں اس کو استعداد انگریزی کی عمدگی پر محمول کرتے تھے حال آنکہ جو کچھ تھا مطالعۂ عربی کا طفیل تھا۔

خط ۹۴

... ڈپٹی کلکٹر کی استعداد انگریزی کچھ ایسی اچھی نہ تھی مگر انگریزی فیصلے خوب لکھتے تھے بعض لوگ شبہہ کرتے تھے کہ کسی سے لکھوا لاتے ہیں۔ میں نے اس کی ٹوہ لگائی تو معلوم ہوا کہ نظائر ہائی کورٹ[1] کے چند (غالباً سو سوا سو) فیصلے ہیں کہ اوقات فرصت میں اُن کو بالالتزام نقل کیا کرتے ہیں نقل کرتے کرتے کورٹ لینگویج[2] وصفیان پر چڑھ گئی ہے اور کثرتِ کتابت سے سواد خط میں بھی پختگی کے نشان پیدا ہو گئے ہیں۔

خط ۹۵

ایک دوست نے مجھ کو انگریزی میں ترقی کرنے کی یہ تدبیر بتائی تھی کہ اخبار سے چھوٹے چھوٹے مضامین مثلاً آٹھ آٹھ دس دس سطر کے پڑھ دیتے اور پھر انہی مضامین کو آپ انگریزی میں لکھ کر اخبار سے مقابلہ کیا اور جہاں اختلاف دیکھا اُس کو غور سے دیکھ بھال لیا اور بہ تدریج مشق کو بڑھاتے گئے۔ مجھ کو اس تدبیر کے تجربہ کرنے کی تو فرصت نہیں ملی مگر عقل چاہتی ہے کہ بے شک مفید ہوگی۔ تم سے ہو سکے تو کر کے دیکھو۔

خط ۹۶

جو لوگ گفت و شنود سے نہیں بلکہ کتاب بینی کے ذریعہ سے انگریزی میں استعداد حاصل کرنا چاہتے ہیں (یاد رکھو کہ اخبار کا پڑھنا بھی داخل کتاب بینی ہے) اکثر اُن سے ایک بڑی غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ طرز عبارت سے قطع نظر کر کے محو مضامین ہو جاتے ہیں اور اُن کی محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً کئی گھنٹوں میں انھوں نے ایک اخبار پورا کیا۔ فارغ ہوئے تو اُن کو واقعات مستحضر ہیں اور پیرایۂ عبارت کسی ایک مضمون کا بھی یاد نہیں اُن کی

ترجمہ میں لیے پیش پیش ہوتے کہ جو محفوظ ہیں نے لکھنؤ میں رہ کر پہلا ایڈیشن بحکم گورنمنٹ منشی نول کشور کے یہاں چھپوایا۔

[1] ہائی کورٹ کے فیصلے نظائر کہلاتے ہیں اس لیے کہ دوسرے حکام ماتحت ان کو نظیر یعنی مثال درسِ علیہ گردانتے ہیں [2] زبان عدالت [3] یاد۔

نہیں۔ اِن کی مثال ڈونالیوں کی سی ہے کہ ساری عمر گاتے بجاتے رہے اور تال و سُر نہ جانا۔

خط ۹۷

میں جب کسی میاں بی بی کو آپس میں لڑتے سنتا ہوں گو وہ میرے ہی بیٹی داماد کیوں نہ ہوں تو بددل اس لئے کہ دونوں کا دُکھڑا سنوں میں عورۃ ہی کو ملزم ٹھیراتا ہوں کیوں کہ ہماری سوسائٹی میں مرد کے مقابلے میں عورۃ اس قدر مجبور ہے کہ گویا اُس کی کچھ ہستی ہی نہیں پس جب بدنصیب عورۃ کو شوہر کی طرف سے کوئی امر خلاف مزاج پیش آئے چار و ناچار اُس کو صبر کرنا چاہیئے ورنہ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ[1] ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ۔ (عبارۃ کو بہ تبدیلِ صیغ و ضمیر عورۃ سے متعلق کرلو۔)

خط ۹۸

حضرۃ موسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا تھا کہ خضر سے جا کر سیکھو وہ قصہ قرآنِ مجید کے پندرھویں پارے کے اخیر اور سولھویں کے شروع میں ہے۔ فَوَجَدَا (موسٰی وفتاہ) عَبْدًا (خضرا) مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

---

[1] آسمان تک ایک رسی تانے اور پھر اُس کو کاٹ دے (یعنی لٹک کر مر رہے) اور دیکھے کہ آیا اُس سے اس کی ضد پوری ہوتی لہ پس دونوں (موسٰی اور اُن کا خادم) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) سے ملے جس پر ہم نے اپنی طرف سے فضل کیا تھا اور جس کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ اُس سے (موسٰی) کہا کہ آیا میں تیرے پیچھے چلوں اس (شرط) پر کہ خدا نے جو کچھ عقل تجھے بتائی ہو تو کچھ مجھے بتادے۔ کہا تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا اور کیوں کر ضبط کرے اُس چیز پہ جو تیری رسائی معلومات سے باہر ہو۔ کہا اگر خدا چاہے تو تو مجھ کو ضبط کرتا پائے گا۔ اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا۔ کہا پھر اگر میرے پیچھے آتا ہے تو کوئی چیز مجھ سے مت پوچھ یہاں تک کہ (خود) تیرے آگے اُس کا ذکر چھیڑوں پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ناؤ میں چڑھے تو (خضر نے) اُس میں شگاف کر دیا (موسی نے) کہا کیا شگاف کرنے سے تیرا یہ مطلب ہے کہ کشتی کے لوگوں کو ڈبا دے یہ تو تو نے عجیب بات کی کہا کیا میں نے نہیں کہا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا کہا میری بھول چوک پر تو گرفت مت کر اور میرے کام میں مجھ پر دشواری مت ڈال پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے سو (خضر نے) اُس کو مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا تو نے ایک شخص کی جان لی بدون اس کے کہ کسی جان کا بدلہ ہو۔ یہ تو تو نے بہت ہی بُرا کیا۔ کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا

مِن لَّدُنَّا عِلْمًا قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ إِنَّكَ
لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ
صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ
ذِكْرًا فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ
شَيْئًا إِمْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ
وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا
زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا

الغرض خضر نے موسیٰ سے شرط کر لی تھی کہ تم میری کسی بات میں دخل نہ دینا۔ موسیٰ سے صبر نہ ہو سکا اور لگے بات بات پر الجھنے۔ پہلی دفعہ خضر نے ان کو متنبہ کیا بایں عبارۃ الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا۔ پھر دوبارہ اُس عبارۃ میں لک زیادہ کر کے گویا شکنجہ ملامت کا ایک پیچ اور کس دیا۔ اس پر ایک ظریف بے ساختہ بول اُٹھے کہ موسیٰ تو چلبلے تھے ہی خضر بھی کچھ کم غصیلے نہ تھے کہ دوسری ہی خطا خطا میں لام کاف[1] پر اُتر پڑے

خط ۹۹

سید احمد خاں صاحب کی شان ایسی ارفع و اعلیٰ ہے کہ ما و شما کو اُن کی نسبتہً کسی رائے کا ظاہر کرنا داخل شوخ چشمی ہے۔ جس طرح کا برتاؤ میں نے سید احمد خاں صاحب کے ساتھ رکھا ہے تم کو اُس سے میری رائے کا مستنبط کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ میں نے مدرستہ العلوم علی گڑھ میں بورڈنگ ہوس بنوایا دو کوٹھے ہیں دونوں میں چندہ دیا اپنے سارے خاندان کے نام کی جالیاں احاطۂ مدرسہ میں نصب کرائیں یعنی مدرستہ العلوم کو مسلمانوں کے لیے مفید اور اُس کی تائید کو داخل مثوبات سمجھا اس وقت تک سید احمد خاں صاحب کے اخبار یا لکچر یا مواعظ یا تحریرات کا ایک پرچہ بھی مول نہیں لیا یعنی مجھ کو اُن کے معتقدات بائسرہا[2] تسلیم نہیں۔ سید احمد خاں صاحب کی تفسیر ایک

[1] لام کاف اردو میں توتڑاق سخت کلامی [2] سراپا پورے طور پر۔

دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا میرے نزدیک وہ تفسیر دیوان حافظ کی اُن شرح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے جوڑ توڑ سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا جو معانی سید احمد خاں صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے) قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے۔ اور ان معانی کو ماننا مشکل۔ مجھ کو کہنا پڑا ہے۔ ہاں ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ معنی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا نہ جبریل حامل وحی کا نہ رسول خدا کا نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا نہ اصحاب کا نہ تابعین کا نہ تبع تابعین کا نہ جمہور مسلمین کا۔ مگر میں نے تم کو بار بار منع نہیں کیا کہ مذہب کے گورکھ دھندے کو سلجھانے کا ابھی تمہارا وقت نہیں۔ محکمات کیا کم ہیں کہ آدمی متشابہات تاویل میں لاحاصل بھٹکتا پھرے۔

خط ۱۰۰

دنیا عبارت ہے روپے سے میں نہیں سمجھتا کہ افلاس کے ساتھ دنیا میں کوئی چیز بھی انسان کو راحت پونہچا سکتی ہے بے وقتی مفلسی کا نتیجہ عاجلہ ہے۔ دولت کا کمانا مشکل ہے حاجت کے پیش آنے سے جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اُس سے بچنے کی دو ہی تدبیریں ہیں اول نفس کشی جس کا مرادف شاید انگریزی میں سلف ڈنائل ہے دوسری مایحتاج الیہ کا بہم پونہچانا پہلی تدبیر اختیاری ہے انسان غور کرنے سے بہ تدریج اپنے خیالات پر غالب آ سکتا ہے یہاں تک کہ جس طرح جسم کے سُن پڑ جانے سے قوتہ لامسہ کا احساس باطل ہو جاتا ہے اُسی طرح مجاہدے سے نفس کو احساس حاجت باقی نہیں رہتا اور محتاج الیہ کا مہیا ہو جانا ظاہر ہے کہ ہمیشہ اختیاری نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں سلف ڈنائل کے بدون زندگی نہیں ہو سکتی۔ تھوڑا بہت سلف

سلہ خدا کے ہاں سے اُترا ہوا سلہ محکمات وہ باتیں جن میں کسی طرح کے شک شبہہ کا دخل نہیں اور متشابہات وہ جو تاویل طلب ہیں جیسے بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتَانِ خدا کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں یعنی اُس کی داد و دہش ایسی افراط سے کہ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر کو منہ کرو اُدھر کو اللہ کا بھی رخ ہے حالانکہ خدا ہاتھ اور منہ سے منزہ ہے ایسے مواقع میں ہم کو حکم ہے ظاہر عبارت پر ایمان لاؤ اور تاویل سے سکوت کرو

سلہ جلد مرتب ہونے والا۔

ڈنائل سبھی کو کرنا پڑتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بعض کو خواہش کے مطابق سامان میسر آسکتا ہے مگر نفس پر قادر ہیں اور بہ طوع خاطر سلف ڈنائل کرتے ہیں وہ محمود اور بعض بہ مجبوری ع
عصمت بی بی ست از بے چادری۔

ہم لوگوں میں تربیت اولاد کا ایسا بُرا دستور ہے ہم خود اپنے بچوں کو سودے سلف کی چاٹ لگا کر چٹور پن سکھاتے ہیں لاجرم ہمارے لڑکے بڑے ہو کر اکثر مسرف[۱] ہوتے ہیں ہمارے شہر کے مسلمانوں میں پنجابی جن کا پیشہ تجارت ہے اچھا مقدور رکھتے ہیں اور خوش حال ہیں میں ایک مدت تک غور کرتا رہا کہ یہ لوگ مال دار کیوں ہیں اور خدا نے اس قوم کو روپیہ پیسے کے علاوہ حسن کی دولت بھی دی ہے اور ان لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم ہے کیا سبب ہے کہ ان کے نوجوان لڑکے ہم ہندوستانیوں کے لڑکوں کی طرح آوارہ نہیں ہوتے آخر یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے لڑکے شروع سے بڑوں کو دیکھتے ہیں کہ دولت کے بڑھانے کے پیچھے پڑے ہیں اس طرح کے ابتلا کا پیشہ ہے کہ مال کی نکاسی اور اُگاہی اور تقاضے اور فرمائش اور حساب وکتاب کے فکر سے کسی وقت نجات نہیں یہ اشتغال اور انہماک ان کے لڑکوں کو نہیں بگڑنے دیتا۔

خط ۱۰۱

لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ انگریزی تعلیم رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کر دے گی لیکن علیٰ[۲] رغم التوقع چند سال سے دیکھتے ہیں کہ دونوں قوموں میں اُلٹی ایک طرح کی مخاصمت سی پیدا ہو جاتی ہے اگر یہ مخاصمت صرف طرفین کے عوام میں ہو تو کچھ پروا کی بات نہیں مگر افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ اور انلائٹنڈ[۳] لوگوں کے دلوں میں تکدر آگیا ہے یہ باہمی نفاق اگر جڑ پکڑ گیا ممکن نہیں کہ ملک کو پنپنے دے۔ اس فتنہ خوابیدہ کو بیدار کیا ہے تاریخوں نے جو سرکاری مدارس کے کورس[۴] میں داخل ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض مسلمانوں بادشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ ظالمانہ مدارات کی لیکن کس قوم کی شخصی سلطنت میں (اور سلطنت بھی بہ زور شمشیر حاصل کی ہوئی) ایسی مثالیں نہیں ہیں۔

۱؎ فضول خرچ ۲؎ بہ خلافِ امید ۳؎ روشن خیال ۴؎ نصاب۔

اور اگر بعض مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں پر ظلم کیا ہو تو بعض نے (اور یہ بعض اُن بعض ظالموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں) ہندوؤں کے ساتھ سلوک بھی ایسے ایسے کئے ہیں کہ کسی گورنمنٹ نے غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ نہ کئے ہوں گے مسلمان کی سلطنت میں ظلم متوارث ہوتا تو آج ہندو ڈھونڈے کو بھی ڈھونڈے نہ ملتے (مجھ سے اور سررشتہ تعلیم کے کسی افسر سے اگر کبھی ملاقات کا اتفاق ہوا تو میں ضرور اُس سے کہہ کر رہوں گا کہ ایسی تاریخیں بناؤ یا بہ فرمائش بنواؤ اور مدارس میں پھیلاؤ کہ یہ دونوں قومیں پچھلی نااتفاقیوں کو بھلا کر آئندہ صلح کاری سے زندگی بسر کریں مگر میری کون سنے گا۔ خدا کرے گورنمنٹ کو خود ہی سوجھ پڑے۔

خط ۱۰۲

یہ خیال کرنا بڑی بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات ہو کہ دوسری قوموں کے رسم و رواج عموماً فضول و بیہودہ ہیں اور اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات یہ ہو کہ کسی دوسری قوم کے آدمی سے نفرت کی جائے یا اُس کو نظرِ حقارت سے دیکھا جائے صرف اس وجہ سے کہ وہ دوسری قوم کا ہے۔ ہم کو ہندوؤں کے ساتھ بڑا قوی تعلق ہے جس کی لوگ کیسی عمدہ تشبیہ دیتے ہیں کہ ہمارا اُن کا دامن کا ساتھ ہے۔ ہمارا ان کا ایک جگہ رہنا سہنا ملنا جلنا۔ لین دین پشت ہا پشت اور سینکڑوں برس کا ہے۔ ہم آپس میں لڑیں یا جھگڑیں روٹھیں یا بگڑیں مگر کہلائیں گے ہندوستانی۔ انڈین نیٹو[1] کالا لوگ۔ ہم دونوں کے اغراض ایسے مشتبک[2] اور وابستہ یک دگر ہیں کہ ہم کسی طرح ایک دوسرے سے چھوٹ نہیں سکتے پس ہم دونوں کا مفاد اسی میں ہو کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف رکھیں۔

ہاں تو میں ہندوؤں کے چند رواج بیان کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے گائے بیل کی بزرگداشت[3] سے چلو۔ اُن منفعتوں پر نظر کر کے جو بنی نوع انسان کو اس جانور سے پہونچتی ہیں تو دنیا کا کوئی جانور اتنا بہ کار آمد نہیں سب پر مقدم کاشت کاری کہ اُس میں

[1] ہندوستانی [2] دست و بغل [3] خدمت گزاری خبر گیری۔

جتنے کام مشقت کے ہیں تمام تر[1] اسی جانور سے لیے جاتے ہیں۔ سواری۔ باربرداری۔ دودھ گھی یہاں تک کہ مرے پیچھے بھی ہڈی چمڑا۔ سینگ کوئی چیز بے مصرف نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس شخص نے ہندوستان میں اس جانور کی بزرگ داشت کا قاعدہ جاری کیا بڑا ہی دانشمند اور عاقبت اندیش ہو گذرا ہے۔ اُس نے ملکی ضرورت پر نظر کی اور یہ بھی سمجھا کہ تا وقتیکہ داخل احکام مذہبی نہ کی جائے پوری پوری بزرگ داشت ممکن نہیں۔

اسی طرح گنگا جمنا کی تعظیم بھی بے اصل نہیں۔ میں اپنے نفس پر قیاس کرتا ہوں کہ مجھ کو بجنور کے تعلق سے گنگا کے ساتھ ایک اُنس خاص ہے۔ جب کبھی عبور کا اتفاق ہوتا ہے پیاس نہ بھی ہو تو بے اختیار اُس ہاضم اور شفاف اور سرد پانی کو جی چاہنے لگتا ہے کئی بار ایسا بھی ہوا کہ نماز کا وقت نہیں ہے اور میں ٹھیرا رہا ہوں کہ دریا کے پانی (گنگا جل) سے (اشنان نہیں) وضو کر کے دو رکعت پڑھ لوں تو چلوں۔ ہندوستان کی کروڑوں بیگہ زمین گنگا اور جمنا سے سیراب ہوتی ہے۔ معلوم ہے کہ پانی محاسن قدرت میں سے ہے اور لوگ مصنوعی تالابوں اور نہروں سے جی خوش کر لیتے ہیں تو کیا گنگا جمنا ان سے بھی گئی گزری ہوئیں۔ ملک کی گرمی اور آب و ہوا کے لحاظ سے ہندوؤں میں ہر روز کے غسل (اشنان) کا قاعدہ بھی پسند کرنے کے قابل ہے۔

یورپ میں ڈاکٹروں کا اگر اجماع نہیں تو غلبہ رائے اس طرف ضرور ہے کہ انسان کو خدا نے گوشت کھانے کے لیے نہیں بنایا کیوں کہ اس کام کے لیے نہ تو اس کے دانت مناسب ہیں نہ معدہ۔ کیوں کہ گوشت خوار جانوروں کے معدے میں ایک قسم کے تیزاب کی تولید ہوتی رہتی ہے جو گوشت کو خوب ہضم کرتا ہے۔ انسان کے معدے میں اُس تیزاب کے پیدا کرنے کی بھی صلاحیت نہیں۔ یہ ہے ماخذ و جبیرین[2] لوگوں کا جو ہمارے ملک کے ہندوؤں کی طرح گوشت نہیں کھاتے اور یورپ میں یوماً فیوماً زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ ایک بار اخبار میں نظر سے گزرا کہ امریکہ کے ڈاکٹروں نے بہ دلائل ثابت کیا ہے

---

[1] سب کے سب [2] نباتات خور۔

کہ آدمی کا جھوٹا آدمی کو طبًّا مضر ہے۔
غرض کسی قوم کسی ملک کا کوئی مبتذل سے مبتذل رواج بھی مصلحت سے خالی نہیں ہاں ممکن ہے کہ لوگ اس میں کچھ مبالغہ کرنے لگے ہوں یا لوگوں کی حالت بدل جانے سے اُس میں ترمیم کی ضرورت ہو۔ اِن وقتوں کے انگریزی خوانوں کا عام رُجحانِ طبع کہ اپنے ملک کی ہر چیز کو حقارت سے دیکھتے ہیں انھی کے بے جا تعصب اور نادانی کی دلیل ہے۔
مدت کی بات ہے۔ گورکھپور میں کچھ دنوں شہر کی صفائی کا چارج میرے پاس رہا ولایت سے صفائی کے متعلق ایک کتاب نئی آئی تھی۔ صاحب کلکٹر نے مجھ کو دی کہ دیکھو اس میں سے شاید کوئی بات اخذ کرنے کی ہو۔ میں نے اُس کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک کمیشن[1] بیٹھی تھی اس بات کی دریافت کے لیے کہ سلبِ عفونت کی آسان تدبیر کیا ہے اہلِ کمیشن نے فرانس۔ قسطنطنیہ۔ عرب۔ مصر۔ ہندوستان۔ غرض تمام اطراف واکناف میں برسوں تحقیقات کی۔ آخر کار ثابت ہوا کہ مٹی بالخاصہ دافع عفونت ہے وہ کتاب جو صاحب نے مجھ کو دی تھی اس کمیشن کی رپورٹ تھی۔ اُس کے پڑھنے سے مجھ کو دو خیال پیدا ہوئے۔ اول تو انگریزوں کی تلاش کہ ایک سڑی سی بات کے لیے اس قدر زحمت۔ دوسرے جو بات اس قدر تحقیقات کے بعد دریافت ہوئی اب سے تیرہ سو برس پہلے ہمارے پیغمبر صاحب کو بحکم[2] مِنَ الصَّلوٰةِ اَكْمَلُهَا وَاَتَمُّهَا معلوم تھی اور اُنھوں نے مٹی کو طاہر[3] طہور فرمایا۔

خط ۱۰۳

تنبنّی فی شیءٍ عنّا[4] کچھ اصل نہیں وَمَا جَعَلَ[5] اللّٰهُ اَدْعِیَاءَکُمْ اَبْنَاءَکُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ

---

[1] انجمن [2] اُن پر کامل نماز اور تمام توجہ [3] پاک اور پاک کرنے والی [4] ہماری شرح میں [5] اور جن کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہو (یعنی تمہارے لے پالک) اُن کو خدا نے تمھارا بیٹا نہیں کیا۔ یہ تو تمھارے منہ کی بنائی بات ہے اور خدا سچی کہتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ اُن کو اُن کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرینِ راستی ہے۔ پس اگر اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو تمھارے دینی بھائی اور یار و مددگار ہیں۔

بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ اُدْعُوهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا اٰبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۔
ایک آدمی جو متبنٰی بیٹا ہو اور ایک مرغی جو اپنے انڈے سینے کو نہیں پاتی اور کنکر پتھر لے کر بیٹھتی ہو دونوں ایک ہی طرح کا ضعف طبیعۃ ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی ضرورۃ اکثر دولتمندوں کو پیش آتی ہے جو دولت کے لیے کوئی مصرف نہیں پاتے لیکن اس سے کہ ایک شخص خاص بلا استحقاق متمتع ہو اور جب بے زحمت پائے گا تو بے دریغ اڑاوے گا بھی ضرور، تعمیم منفعت بہ مدارج بہتر ہے[1] وَاَنْحَاءُهَا كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا اِعَانَةُ طَلَبَةِ الْعُلُومِ وَالْعُمْيَانِ وَالصُّمِّ وَالْبُكْمِ وَالْمَرْضٰى وَغَيْرِهِمْ ۔

خط ۱۰۴

اُس شخص کو جس نے یونانی انگریزی کسی قسم کی طب نہ پڑھی ہو اور خدا کے فضل سے بیمار بھی کم تر ہوا ہو بلکہ بہ حساب نہ ہوا ہو دونوں طریقوں میں محاکمہ کرنا مشکل ہے مگر میں بیمار نہیں رہا تو بیمار دار رہا اس سے میرا ذاتی خیال یہ ہے انگریزی دوائیں لطیف قلیل المقدار۔ سریع العمل۔ قوی الاثر۔ آلات عمدہ۔ معلومات متعلقہ تشریح کامل۔ الغرض طب انگریزی کی طرف موجبات ترجیح بکثرت ہیں اور ہونے چاہئیں مگر ایک بڑا بھاری عیب بھی ہے کہ تشخیص کی غلطی (اور چونکہ طب علم ظنی ہے اُس میں غلطی کا ہونا کچھ بعید نہیں بلکہ کثیر الوقوع ہے) بیمار کا جلد کام تمام کر دیتی ہے۔ مرض کی وجہ سے طبیعۃ ہوتی ہے ضعیف علاج غلط کی مقاومۃ پر قادر نہیں ہو سکتی اور یہی سبب ہے کہ ڈاکٹروں کے بیماروں کو مہینوں برسوں گھلتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ چٹ پٹ یا ادھر یا اُدھر ان کے علاج کی مثال ایسی ہے جیسے ریل کہ اگر انجن ڈرائیور انجن کو جو ساٹھ کے ساتھ فل سپیڈ میں چلی جارہی ہو کہ اُس کو غلطی پر ایسے وقت پر متنبہ ہوگا کہ ٹرین ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو چکی ہوگی یا ٹرین کا بچانا اُس کے اختیار سے خارج ہو گیا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ حقیقۃ میں تربیت ہے طبیعۃ

---

[1] نفع کو عام کرنا اور اُس کے طریقے بہت ہیں اور من جملہ اُس کے طالب علموں اور اندھوں اور بہروں اور گونگوں بیماروں اور دوسروں کی اعانۃ ہے ۔ مقابلہ انجن کا ہانکنے والا پوری تیزی ۔

وہی مریض ہے وہی طبیعت وہی دوا۔ اور انگریزی یونانی کسی قسم کی طب کیوں نہ ہو حتیٰ کہ گنڈے تعویذ۔ ٹوٹنے۔ ٹوٹکے۔ جھاڑ۔ پھونک سارے ڈھکوسلے ہیں طبیعۃ کو قوت دینے کے سبب کو جس کا اعتقاد وہی اُس کا شفا اور اُسی میں اُس کا مفاد۔ مفرد امراض کے لیے میرے نزدیک انگریزی علاج بہتر ہے مگر امراض مزمنہ[1] میں میں یونانی علاج کو پسند کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔

خط ۱۰۵

چوں کہ اسلام میں رہبانیتہ[2] نہیں اور یہ سب سے قوی دلیل اُس کی اصلی صداقت کی ہے تو جو خوشی انسان کانوں کی راہ حاصل کرسکتا ہے کلیتہً ممنوع نہیں ہونی چاہیئے اور ممنوع ہے بھی نہیں مگر موسیقی کو باقسامہا[3] ایسے نالائق پاجی لوگوں نے اپنا پیشہ ٹھیرا رکھا ہے کہ کوئی شریف ان کی صحبۃ میں بیٹھ کر (اگرچہ کبھی کبھی اور تھوڑی ہی دیر کے لیے کیوں نہ ہو) باوقار اور وضع دار لوگوں کی نظر میں شریف رہ نہیں سکتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان موسیقی کا مذاق رکھے اور اہل فن سے نہ ملے۔ پس تقاضائے سوسائٹی یہ ہے کہ اس مذاق کو طبیعۃ میں پیدا نہ ہونے دیا جائے مذاق کا پیدا نہ ہونے دینا کچھ بھی مشکل نہیں مگر پیدا ہوئے پیچھے طبیعۃ کا ضبط کرنا مشکل نہیں بلکہ محال ہے۔

خط ۱۰۶

تم مجھ سے انگریزی تعلیم کی بہت مدح سنتے رہے ہو اس لیے کہ تمھیں انگریزی پڑھوانی منظور تھی اب کہ تم نے اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئین[4] امپرس وکٹوریا کی رعایا میں سے ہر بھلے آدمی کو ضروری ہے تو لو اب اُس کی برائیاں بھی سنو کیوں کہ ہر چیز میں حسن و قبح دونوں کے محامل[5] ہوتے ہیں۔ ع نفع و جملہ گفتی ضررش نیز بگو۔

یہ میری اکیلے کی رائے نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کی اور خود انگریز بھی اس کے شاکی ہیں کہ ہندوستانی انگریزی پڑھ کر مغرور اور گستاخ اور خود پسند ہوجاتے ہیں۔ بات یہ ہے

---

[1] کہنا[2] جیسا ہندوؤں میں جوگ سنیاس ویسی ہی عیسائیوں میں رہبانیتہ [3] اس کی تمام قسموں کے ساتھ [4] ملکۂ قیصرہ وکٹوریا فرماں روائے انگلستان وہندوستان [5] پہلو۔

کہ جب ایک قوم کو خدا سلطنت دیتا ہے کہ وہ دنیا کی بہشت ہے تو اُس قوم کی سب چیزوں میں شانِ حکومت آجاتی ہے اور زبان بھی اُس عموم سے مستثنیٰ نہیں۔ انگریزی کی وسعت کا تو یہ حال کہ اگر علمِ فلاحت۔ یا کیمیا یا طب یا تشریح یا نیچرل[1] فلاسفی۔ غرض سائنس کی کسی کتاب کو ترجمے کے ارادے سے لے کر بیٹھو تو سطر پیچھے دو چار لفظ ضرور ایسے ہوں گے کہ اردو بے چاری کی تو کیا بساط ہے۔ کی آمدی کی پیر شدی۔ عربی میں جو ہماری کلاسیکل[2] لینگویج ہے ان کے مرادف نہیں ملتے پس یہ مجبوری یا تو نئے الفاظ گھڑ دیا بعینہا انگریزی کے الفاظ رہنے دو اور دونوں پیرایے بھونڈے اور انھی وقتوں کی وجہ سے ہم علوم جدید سے محروم۔ مصر اور قسطنطنیہ کے عربی اور فارسی کے اخبار دیکھو تو تم کو اس کی تصدیق ہو۔ جو شخص فرنچ[3] اور انگریزی کے مصطلحات نہیں جانتا ان اخباروں کا ایک آرٹیکل بھی نہیں سمجھ سکتا۔ شاہ ایران کے روزنامچہ سفر ولایت کا بھی یہی حال ہے اور خود ہماری زبان میں بھی الفاظ انگریزی برابر داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ ضروری نتیجہ ہے انگریزوں کے غلبۂ قومی یعنی سلطنت کا کہ ان کی زبان دوسری زبانوں پر غالب آتی چلی جاتی ہے۔ پس وہ جو میں نے کہا تھا کہ جب خدا کسی قوم کو سلطنت دیتا ہے تو اُس کی سب چیزوں میں شانِ حکومت آجاتی ہے زبان انگریزی کی یہ ایک شانِ حکومت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی میں ابتذال اور خوشامد اور مبالغہ اور جھوٹ نہیں۔ ہمارے یہاں بیسیوں انشائیں صرف القاب آداب معمولی خیر و عافیت رسمی شوق و انتظار کے لیے پڑھنی پڑتی ہیں پھر اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی ہے طرزِ مراسلت ایسا بگڑا ہے کہ بچپن سے عادتیں پڑی ہوئی ہیں اس سے احساس نہیں ہوتا ورنہ آدھا جھوٹ اور باقی آدھے میں اپنی تذلیل بے سبب مخاطب کی مدح بلا استحقاق۔ لوگوں کو تعصب اور ہٹ دھرمی سے کفرانِ نعمت کرنے دو۔ اپنا تو مقولہ یہ ہے کہ فارسی لٹریچر نے ہماری تہذیب کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ اب اردو پر انگریزی رنگ آتا چلا ہے۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے سیدھی اور صاف بات

[1] طبیعیات یا فلسفۂ طبعی [2] طبقۂ اعلیٰ کی زبان [3] فرانس۔

میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہے۔ کچہری کا ایک ادنیٰ محرر بھی خاص کر مسلمان اپنے تئیں خانہ زاد اور نمک پرور داور فدوی اور خاک پا اور حاکم کو خداوند خدایگان۔ پیر و مرشد قبلۂ عالم نہیں کہنا چاہتا۔ غرض انگریزی نے ہر ایک کے کان میں پھونک دیا ہے کہ وہ بھی آدمی ہے۔ جان و مال اور عزت رکھتا ہے . . . اُس کے سب حقوق محفوظ ہیں کوئین امپرس وکٹوریا کی رعیت اور ایک حد تک حاکم وقت کا محکوم ہے۔ مگر کسی کا زر خرید غلام نہیں۔ اُس پر اپنے افسر کا ادب لازم ہے نہ پرستش۔ وہ خوشی سے سلام کرتا ہے نہ سجدہ۔ مؤدب الفاظ میں بات کا جواب دیتا ہے لیکن گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر نہیں۔ وہ اگر قصور وار ہے ضابطے کی سزا کو خوش دلی سے انگیز[1] کرتا ہے مگر ذمیم قول سننے کی اُس کو مطلق برداشت نہیں۔

اگر انگریزی خوانوں کے غرور کی شکایت انگریزوں سے سنی گئی ہوتی تو ہم سمجھتے کہ بعض نوجوان۔ تازہ ولایت۔ تیز مزاج انگریز یابی[2] خدمتگاروں میں رہ کر بدزبانی کرنے لگتے ہیں۔ عجب نہیں کسی غیور[3] سے پالا پڑ گیا ہو اور اُس نے بات کا بتنگڑ بنا کھڑا کیا ہو مگر انگریزی خوانوں کے غرور کے اور بہت سے شواہد ہیں اور تم خود محتسبانہ ان کے حالات کی تفتیش کرو گے تو مان لو گے کہ انگریزی خواں کُل نہیں تو اکثر اپنی ہی سوسائٹی کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سوسائٹی میں کوئی عیب نہیں بے عیب ذات خدا کی مگر ہم کو اپنے ملک کے انگریزی خوانوں سے دو طرح کی گفت وگو ہے اوّل تو ہم کو اسی میں کلام ہے کہ جس کو انگریزی خواں عیب سمجھتے ہیں فی نفسہ عیب بھی ہے یا نہیں انگریزی پڑھنے سے آدمی ضرور کسی نہ کسی قدر پریجوڈسڈ[4] ہو جاتا ہے یعنی اُس کے ذہن میں انگریزی کی خوبی قدر واجب سے زیادہ بیٹھ جاتی ہے۔ یوں تو حکومت کی وجہ سے انگریزوں کی تمام ادائیں تھوڑی بہت سبھی کی نظروں میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں معلوم ہوں گی پر ہوں گی۔ النّاسُ[5] علیٰ دِینِ مُلُوکِہِم

[1] برداشت [2] یابی گدھا [3] غیرت مند۔ اس کا مرجع انگریزی ہے [4] بے تحقیق کیے ہوئے پہلے سے ایک خیال جما لینے والا [5] لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

مگر انگریزی خواں تو گویا انگریزوں کے بھاٹ ہیں۔ ہماری سوسائٹی کے عیوب بے چارے انگریزی خواں ہم سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں۔ ہم آپ ہی نہ گنوادیں۔ ہم میں لاکھ عیبوں کا ایک عیب تو یہی مفلسی و مفلسی بھی لازم کہ اب سے شاید دس نسلوں تک دفع ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس پر مزید تعصب۔ جہالت۔ بے ہنری۔ بے ہمتی۔ کاہلی ناعاقبت اندیشی۔ خود غرضی۔ باہمی نااتفاقی۔ یعنی تمام لوازم بداقبالی۔ مگر بڑا رونا تو اسی کا ہے کہ ہمارے انگریزی داں بھائی جو ہمارے ملک کے گل[1] سرسبد سمجھے جاتے ہیں ان وجوہ سے ہم کو ذلیل نہیں سمجھتے اور کس منہ سے سمجھیں کہ یہ عیوب بتمامہا مع شیٔ زائد خود اُن میں موجود ہیں ہماری آنکھ میں ناخنہ ہے تو اُن کی میں ٹینٹ ہم کانڑے ہیں تو وہ اندھے ہم ہکلے ہیں تو وہ گونگے انگریزی خوانوں میں اگر بلند نظری ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے ان کو تو ہم میں ایک ہی عیب سوجھتا ہے کہ ہم انگریزوں کی طرح کا طرز تمدن کیوں نہیں اختیار کرتے۔ انھی کے سے مکان میں رہیں۔ انھی کے سے کپڑے پہنیں۔ انھی کی طرح کھائیں پئیں۔ انھیں کی طرح عورتوں کو آزاد کر دیں کہ ہٹر دنگیاں باہر پڑی پھریں گویا ان دانش مندوں کے نزدیک انگریزوں کا دنیاوی عروج اُن کے طرز تمدن کی وجہ سے ہے ع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ ارے عقل کے دشمنو انگریزوں کی وہ صفتیں ہی دوسری ہیں جو اُن کی ترقی کا سبب واقع ہوئی ہیں۔ محنت۔ جفاکشی۔ تفتیش و تلاش۔ استقلال۔ ضبط اوقات۔ علوم جدیدہ میں توغل۔ قومی اتفاق۔

مجھ کو تمام عمر انگریزی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کی تمنا کی پس مجھ کو انگریزی سوسائٹی کا بہت ہی تھوڑا حال معلوم ہے لیکن جتنا معلوم ہے اس کی نسبت تو میرا خیال اچھا نہیں۔ بھلا ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں داخل ہونے کی کیا کسی غیر قوم کے دو آدمی کو رغبت ہوگی جن کی مزاجوں میں اس قدر اجنبیت ہو کہ ایک ہی قوم کے دو آدمی مدتوں ایک ہوٹل یا جہاز میں رہیں۔ دونوں وقت۔

[1] ڈالی کے سرے پر کے پھول کے گل بلکہ کسی قدر زیادہ ہے۔

ایک میز پر کھانا کھائیں۔ اور ایک دوسرے سے معرفۃ نہ پیدا کر سکیں۔ معلوم ہو کہ انگریزوں میں عورتوں کے پردہ کا دستور نہیں۔ اس سے بڑھکر یہ کہ مرد ہو یا عورۃ علیٰ رؤس الاشہاد ناچنے کا عیب نہیں اور ناچنا بھی ہمارے ملک کا سا نہیں بلکہ مرد اور عورۃ ایک وضع خاص سے بغل گیر ہو کر ناچتے ہیں۔ خیر یہ تو ہر سے ملکے سر سے مجھ کو اس مقام پر ایک اور ہی بات کہنی منظور ہو کہ اگر ناچنے میں تمہیں اور میری کا جوڑا الگ جائے تو یہ اختلاط داخل ملاقاۃ نہیں۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی کے اجنبی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہ لوگ پڑھنے کے لیے ولایت بھیج ہی دیتے ہیں۔ تم نے بھی خیال کیا ہوگا کہ یہ لوگ جا ہے اکیلے ہوں مگر اکثر رہیں گے الگ کوٹھی میں۔ ان باتوں سے ایسا مستنبط ہوتا ہی کہ انگریزوں کی طبیعتیں اُنس پذیر کم ہیں۔ آدھے وحشی تو ہم اب سمجھے جاتے ہیں اگر کہیں ایسے روکھے مزاج ہمارے ہوتے تو پورے وحشی نہیں بلکہ ڈیوڑھے پون دونے وحشی ہونے میں کیا کسر تھی۔

رہ گیا طرز تمدن۔ اس میں عورتوں کو بڑا دخل ہے۔ اور کیوں نہ ہو آخر وہ بھی تو سوسائٹی میں داخل ہیں۔ ہم میں اور انگریزوں میں بڑا اختلاف ان عورتوں کی وجہ سے ہے۔ اب اس کا محاکمہ کون کرے کہ عورتوں کے ساتھ کون سی سوسائٹی کی مداراۃ مناسب ہے اس مقام پر مجھے ایک نقل یاد آئی۔ میرے ایک معزز دوست کہتے تھے کہ ہمارا سارا خاندان کا خاندان شیعہ ہے۔ میں نے بڑے ہو کر سنی شیعوں کے اختلافات کی تحقیقات کی اور آخر کار میری رائے اس پر قرار پائی کہ سنّی بر سر حق ہیں چنانچہ میں سنی ہو گیا۔ خاندان کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثات رہتے تھے اور ہر ایک کو سنّی ہو جانے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ ایک بی بی میری بزرگ تھیں۔ اُن سے بھی میں ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ سنّی ہو جاؤ۔ وہ بی بی میری باتوں کا جواب تو کیا دیتیں سن کر چپ ہو رہا کرتی تھیں۔ ایک دن میں نے ان بی بی سے کہا کہ آخر کچھ بیان تو کرو کہ تم کو سنّی ہو جانے میں تامل کیوں ہے تو اُن بی بی نے فرمایا کہ بیٹا بات یہ ہے کہ مجھ کو ان ہونٹوں (اصحابِ ثلاثہ)

لہ لوگوں کے سامنے کھلے خزانے یہ نقل کفر کفر نباشد۔

کے نام ہی برے معلوم ہوتے ہیں۔ سچ ہو انسان ایسا ہی ضعیف مخلوق ہو کہ اُس کی رائے پر سوسائٹی کا تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا ہو۔ یہ انگریزی خوانوں کے صرف منہ سے کہنے کی باتیں ہیں ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ[1] ۔ کہ ہمارا طرز تمدن انگریزی ہو جائے دوسرے اختلاط تو درکنار۔ مجمع میں کوئی ان سے ان کی جورو کا مزاج شریف پوچھ بیٹھے گا یا ان کے رو در رو اُس کی خوب صورتی کی تعریف کرے گا تو ممکن نہیں کہ سر سے پاؤں تک میاں کے تن بدن میں پتنگے نہ لگ جائیں؟

ہماری تمام اخلاقی عمارۃ عورتوں کی پردہ داری پر مبنی ہو۔ جس دن عورتوں کی پردہ داری میں ذرا بھی خلل پڑے گا ساری عمارۃ متزلزل ہو جائے گی ۔ اگرچہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس معاملے میں کسی ہندوستانی یا کسی انگریز کی رائے بر سیر صواب نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہر شخص بہ تصنع نہیں بل کہ بالطبع اپنی ہی سوسائٹی کی جانب داری کرے گا مگر میں حتی الوسع انصاف کے ساتھ تم پر اتنی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے طرز تمدن کی جس قدر برائی کی جاتی ہو اُس قدر برائی کا وہ سزاوار نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی عورتیں دائم الحبس ہیں۔ شوہروں کے انتخاب میں اُن کا اختیار واجب زبردستی سلب کر لیا گیا ہو۔ اِن کو ظلمًا گھروں کی چاردیواری میں قید رکھ کر جائز تمتعات سے محروم کیا گیا ہو۔ یہ اور اس قسم کے اور اعتراضات جو[2] ہندوستانیوں کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے پردے کے رواج پر وارد کیے جاتے ہیں انگلش پوائنٹ[3] آف ویو یعنی انگریزوں کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہمارے وحشی اور بے رحم اور سنگ دل ہونے کی بڑی قوی دلیل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جو عورتیں رواجًا پردہ نہیں کرتیں (اور ہندوستان میں خاص کر دیہات میں ایسی قومیں بہ کثرۃ ہیں) اور خود انگریزوں کی عورتیں بھی میں اپنے پندار میں سب کو مردوں کے اختلاط سے گریزاں پاتا ہوں

---

[1] وہ اُن کے منہ کی ابنائی ہوئی باتیں ہیں [2] اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عورتوں کا پردہ مسلمانوں سے چلا ورنہ ہندوؤں میں پردہ نہ تھا اور اب جو ہو مسلمانوں کی دیکھا دیکھی [3] انگریزوں کی نقطۂ نظر سے ۔

یعنی پردہ تمام جہان کی نسواں کا تقاضائے طبیعۃ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہو تاہم انگریز تو خیر غیر مذہب۔ اور غیر ممالک کے ہیں۔ یہ تو پردہ دار خاندانوں کا حال کیا جان سکتے ہیں۔ مگر ہم ہی میں کے بگڑے ہوئے مسلمان جن پر انگریزی کی سنوار ہی اور جو انگریزوں سے بڑھ کر پردے کی برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں ایک تو ہمارے منہ پر کہہ دے کہ اُس نے کبھی کسی پردہ دار عورۃ کو پردے کی سختی کا شاکی پایا ہے۔ اس کو بھی جانے دو۔ اس کلیئے سے تو انکار نہیں ہو سکتا اَلعَادَۃُ[۱] طَبِیعَۃٌ[۲] ثَانِیَۃٌ[۳] یا انگریزی خوانوں کے یقین دلانے کے لیئے اُسی بولی میں کیوں نہ کہو جس کی وقعت ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے ہیبٹ[۴] از دی سکنڈ نیچر۔ تو اگر پردہ داری عام صنف نسواں کا تقاضائے طبیعۃ نہ بھی ہو تاہم رواج مستمر نے اُس کو طبیعۃ بنا دیا ہے۔ پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لائے تو کچھ قیدی رہا کیئے گئے۔ ان میں ایک ائم الحبس آغاز جوانی میں قید ہوا تھا۔ رہا کیا گیا تو بوڑھا ہو گیا تھا۔ چند روز بعد اس نے عرضی دی کہ مجھے جیل خانے کے باہر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چالیس پچاس برس کی قید اس شخص کو جیل خانے سے مانوس کر دے اور صدہا برس کی اَبًا عَن جَدٍّ[۵] متوارث پردہ نشینی کے بعد عورتوں کا دیدہ ہوائی رہے کسی کی عقل اس کو قبول کرے گی؟ ۔ غرض عورتوں کی طرف سے وکالۃً جو پردہ داری کی شکایت کی جاتی ہے محض نعو اور بے اصل ہے۔ مجھ کو حقیقۃ میں ہنسی آتی ہے کہ پردہ کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کی کچھ قدر نہیں کرتے اور میں کہتا ہوں کہ پردہ ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ جیسا اپنی عورتوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں دنیا میں کوئی قوم نہ رکھتی ہوگی۔ ؎

غیرۃ از چشم برم روے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

جتنے اعتراض عورتوں کے پردہ پر وارد کیئے جاتے ہیں سب میں یہ اعتراض کسی قدر جاندار ہے کہ شوہروں کے انتخاب میں پردہ دار عورتوں کو آزادی نہیں لیکن ساری دنیا اور بالخاص کر ہندوستان میں یہ مشکل مقدمہ عورتوں کو ایسی ابتدائی عمر میں پیش

---

[۱] عادۃ دوسری طبیعۃ ہے [۲] عادت دوسری فطرت ہے [۳] دادا نانی سے چلی آنے والی یعنی پشتہا پشت سے۔

آتا ہے جب کہ نا تجربہ کاری اور نقصانِ عقل کی وجہ سے اُن کو اُس کے قابلِ اطمینان فیصلے کی قابلیت نہیں ہوتی اور زن وشو کی حالتوں میں آخر عمر تک معمولی غیر معمولی ایسے ایسے عظیم تبدلات واقع ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دانش مند پختہ کار کی عقل بھی اُن پر احاطہ نہیں کرسکتی۔ اس صورت میں ایسے سترگ معاملے کا تصفیہ طرفین کے بزرگوں کی تجویز سے ہونا قرین مصلحت ہے۔ اور عورتوں کی کیا تخصیص ہے ہم تو اپنے یہاں کے مردوں کو بھی اس معاملے میں قریب قریب ایسا ہی بے اختیار پاتے ہیں۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ انگریزوں کی عورتوں سے بمدارج بہتر ہیں اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ انگریزنوں میں بعض صاحبِ تصانیف ہیں۔ بعض نے مردوں کے ساتھ کمپیٹ[۱] کرکے بی اے۔ اور ایم اے کے خطاب اور ڈپلومے پائے ہیں۔ غرض ان عورتوں نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ جسمانی توانائی کو چھوڑ کر کہ وہ ایک قدرتی بات ہے باقی دنیا کے سارے کام جو مرد کرسکتے ہیں عورتیں بھی کرسکتی ہیں۔ مگر خوب سمجھے رہو کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ ہندوستان کی عورتوں کو ان کی حالت کے مناسب تعلیم کرنا نہایت ضرور ہے۔ مگر ساتھ ہی رواج پردہ کی موقوفی کا میں سخت مخالف ہوں۔ اول تو میں انگریزنوں کا کوئی کارنمایاں ایسا نہیں دیکھتا جس کو میں سمجھوں کہ پردہ اس میں حارج ہوسکتا ہے۔ اور اگر ہو بھی تو بے پردگی کے خراب نتیجے اخباروں میں پڑھتے پڑھتے کلیجا پک گیا۔ ایسے فائدوں کو (اگر ہوں) سلام ہے جو سوسائٹی کو گندہ کریں۔ ہماری بیبیاں بلا سے پھوہڑ ہوں۔ بے ہنر ہوں۔ بے سلیقہ ہوں۔ بے علم ہوں۔ کہ بچوں کا ہاتھ منہ دھلانے۔ پھٹا اُدھڑا سینے۔ روٹی دال پکا لینے کے سوائے اور کچھ نہ جانتی ہوں۔ ساری دنیا میں کوئین امپرس وکٹوریا کی جوبلی[۲] کا غُل ہو اور ان کو خاک خبر نہ ہو۔ سوڈان اور بلغاریہ اور برہما کے نام تک ان کو معلوم نہ ہوں۔ روس کے جھگڑے اور فرانس کے ٹنٹے اِن کے کانوں تک نہ پونہچے ہوں۔ غرض ہماری بیبیاں جانور ہوں۔ پتھر ہوں بلکہ ان سے بھی بدتر ہوں۔ ہم کو قبول۔ خدا نے مرچالس ڈنیک

---

[۱] مقابلہ یا لمسابقہ [۲] اناد سم پچاسویں سال گرہ کی تقریب۔

اور مدراس والے راس اور ایک ڈائیک اور ایک راس ایسے لیسے پچاس کی فضیحتہ اور رسوائی سے تو بچا یا ہی -

اب رہا انگریزی لباس - اس میں سے عورتوں کی فُل[1] ڈرس اگر بہتر ہی تو بلا مبالغہ اس شعر کا مصداق ہے

تن عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس   یہ وہ جامہ ہی کہ جس کا نہیں سیدھا الٹا

اور فُل ڈرس کی بھی ایک ہی کہی ع برعکس نہند نام زنگی کافور -

غرض فُل ڈرس اور اُس کے نام سے انگریزوں کا مذاق لباسی معلوم ہوا - زیادہ صراحتہ کی کیا ضرورۃ ہی - کیا خوب کہا ہی ہے

ہر یکے ناصح برائے دیگراں   ناصح خود یافتم کم در جہاں

دوسروں کو کیسا منہ بھر بھر کے جانور اور وحشی اور نامہذب کہہ بیٹھتے ہیں اور اپنا یہ حال کہ سچ پوچھو تو تن بدن ڈھانکنے تک کا سلیقہ نہیں - ان لوگوں کے مردانہ لباس میں انضمام حکومتہ سے البتہ ایک شان وتفعہ پیدا ہو گئی ہی ورنہ فی حد ذاتہ مڑے ہوئے کپڑوں پر ایک چھچھورپن سا برستا ہی - اور خود انگریزوں کو دیکھا ہی کہ گرمی کے موسم میں بوکھلا بوکھلا اٹھتے ہیں - اپنے قومی لباس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور گھروں پر اوقات خاص میں ہماری طرح کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے رہتے ہیں ہم تو ان کو پابندی رسم ورواج سے آزاد نہیں مانتے ایک وضع کو موجب راحتہ سمجھا تھا تو پھر اس کے اختیار کرنے میں جھینپا کیا معنی -

میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی لباس ہی نے انگریزوں کو اس بات پر مجبور کر رکھا ہی کہ دن رات کرسی - کوچ پر لدے رہتے ہیں ورنہ اگر بہت دھرمی نہ کی جائے تو جو آسائش فرش پر بیٹھنے میں ہی اُس کا عشر عشیر بھی کرسی کوچ میں نہیں - کرسی پر ایک ہی وضع سے آدمی کو بیٹھنا پڑتا ہی - بہت کیا تو ذرا پیٹھ لگالی یا اکیلے ہوئے تو میز پر ٹانگیں سیدھی کر لیں مگر یہ ڈولی ڈنڈے کا طور طریق قابل دید ہوتا ہی - اور وہاں ایک وضع اور بھی ہی - پیروں پر زور دے کر کرسی سمیت پیچھے کو تن گئے - مگر نتقل جگہ سے بے جگہ ہوا ٹانگیں پڑا ور سر نیچے -

[1] پورا لباس - ۱۲

پتلون کی قینچی چڑھی ہوئی ہے اور پڑے چدا رہے ہیں کہ آدمی آئے تو اٹھا کر کھڑا کرے فرش پر آدمی اتنی او متاع کثیرہ سے بیٹھ سکتا ہے کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا اور از روئے اصول طب فرش پر بیٹھنا تن درستی کے لیئے نہایت مفید ہے مگر حکومت کے آگے آسائش اور طب پر کون نظر کرتا ہے۔ ایک عالم اس خبط میں مبتلا ہے کہ بجا ہو یا بے جا جہاں تک ہو سکے انگریزوں کی تقلید کیجیئے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہر ملک کے لوگ خصائص ملکی کے لحاظ سے ایک خاص طرح پر زندگی بسر کرنے کے خوگر ہیں یعنی اُن کے لیئے آسائش کی وہی ایک خاص طرح ہے۔ اس کو بے واعیہ قوی بدلنا ضرور تکلیف دہ ہو گا۔

جو لوگ وضع انگریزی کے گرویدہ ہیں کیوں کر ہو سکتا ہے کہ لباس انگریزی ہو نشست برخاست انگریزی ہو۔ اور کھانا انگریزی نہ ہو۔ انگریزی کھانے کے ایک تو یہ معنی کہ میز کرسی کانٹا چھری ہو یعنی دیسی کھانا انگریزی طور پر کھایا جائے دوسرے یہ کھانا بھی انگریزی ہو۔ ہم میں کے ایک نئے رفارمر[1] صاحب کتے کی طرح منہ سے یا کوے کی طرح پاؤں سے کھاتے تھے بلکہ چھری کانٹے سے ہندوستانیوں کو کیسا کیسا لتاڑا ہے کہ توبہ ہی بھلی مگر ان کی ساری بکواس کا ماحصل اتنا ہی تھا کہ ہاتھ سے کھانا بھدا پن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہاتھ سے کھانے میں ہاتھ خواہ مخواہ تھوڑا بہت بھرتا ہے مگر پھر ہم کہتے ہیں کہ رغبت اور نفرت عام نہیں بلکہ عادت پر موقوف ہے۔ سارڈین[2] وغیرہ انگریزوں کی بہت چیزیں ہیں کہ ہم کو اُن سے گھن آتی ہے۔ کھانے کے بعد کلی نہ کریں تو ہماری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے اور بعض کو تو بے تبدیل ذائقہ چین نہیں پڑتا۔ غرض صفائی اور طہارت کا قومی بلکہ شخصی سٹینڈرڈ[3] مختلف ہے اور کسی کو کسی پر جرح و طعن کا منصب نہیں۔ ایک بار ایک دکان پر ایک خاص طرح کی چائے کی پیالیاں دیکھنے میں آئیں۔ پیالی کے کنارے پر اندر کی طرف کو ایک چھجا سا نکلا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ مونچھوں سے بچاؤ کے لیئے یہ تجویز سوچی گئی ہے۔ اُسی وقت مجھ کو حُفُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحٰی[4] یاد آیا

---

[1] مصلح قوم [2] ایک قسم کی مچھلی جو ولایت سے پک کر آتی ہے جو نہایت بساندی اور متعفن ہوتی ہے۔ [3] معیار [4] مونچھیں گھٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

اور خیال ہوا کہ شارع نے کس قدر ہمارے مصالح کا حفظ کیا ہے پھر اس طرف ذہن منتقل ہوا کہ پابندی رواج بھی کیا بُری چیز ہے یہ تکلفات کرتے ہیں ورا تنا نہیں ہو سکتا کہ نہیں لوا ڈالیں۔ ہاتھ سے کھانا انگریزوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہو گا مگر اس میں ایک تو مفاد صریح یہ ہے کہ جس خوبی کے ساتھ ہاتھ لقمے کو گرفت کر سکتا ہے ممکن نہیں کہ چھری کانٹا ہاتھ کا کام دے سکے دوسرے اب انھی کے ڈاکٹر قائل ہو چلے ہیں کہ ہاتھ میں ایک قوۃ مقناطیسی ہے اور وہ ہاتھ سے کھانے میں داخل لقمہ ہو کر ممد ہضم ہوتی ہے انگریزی کھانوں میں اول تو مزہ ہی کیا خاک دھرا ہے۔ سالنوں میں اُبلا ہوا سا ہندا وہ کچا گوشت۔ مٹر کی گھنگنیاں اُبلے ہوئے آلو پیا یا ہوا خشکہ۔ چپاتی پراٹھوں کی جگہ نان پاؤ۔ ایک پیالی میں نمک دوسری میں سیاہ مرچیں۔ وہ نقل شاید تم نے سنی ہو کہ ایک شہری کتے نے ایک دیہاتی کتے کو مہمان بلا کر ایک کبابی کی دُکان پاس بٹھا دیا۔ جب کبابی دُکان بڑھا کر چلا گیا دیہاتی کتا لگا ہر طرف سونگھنے۔ کہیں مرچوں کا دونا پڑا رہ گیا تھا۔ جوں اُس میں منہ ڈالا مرچیں نتھنوں کو چڑھ گئیں۔ کھانستے کھانستے اور چھینکتے چھینکتے باؤلا ہو گیا شہری دوست سے شکایت کی تو اُس نے کہا یار انھی چٹخاروں کے لیے تو ہم شہر میں پڑے ہیں۔ غرض ہم لوگوں کے منہوں کو تو چٹخارے لگے ہیں۔ انگریزی کھانوں میں کیا مزہ آئے ایک حکایت اور اینڈ دی[1] انگلش ڈنرز از اوور۔ غدر سے پہلے امرائے شاہی میں سے کسی امیر نے دہلی کالج کے پرنسپل[2] کی دعوۃ کی کھانے کی ہنگیاں بھجوا دیں۔ انگریزی قاعدے سے کھانا میز پر چنا جا چکا تو آدمی نے صاحب کو اطلاع دی۔ ہر قسم کا کھانا میٹھا سلونا شاہی رکاب داروں نے پکایا تھا اور دعوۃ تھی تو بلا شبہہ اہتمام بھی ضرور ہوا ہو گا۔ سبحان اللہ اُس کے ذائقے کا کیا پوچھنا ہے۔ جس وقت سے کھانا آیا ساری کوٹھی مہک اُٹھی تھی مگر پیچھے سنا کہ جوں صاحب کھانے کے کمرے کے اندر پاؤں رکھا اور مشک اور زعفران اور کیوڑے کی بھبک آئی اُلٹے پاؤں باہر نکل آئے اور کھانا کیسا انھوں نے آنکھ بھر کر کھانے کی طرف کو دیکھا تک بھی تو نہیں۔

[1] اور انگریزی کھانا تمام ہے [2] مدرسے کا افسر اعلیٰ۔

پس جو لوگ انگریزی تمدن انگریزی تمدن پکار رہے ہیں اس تہ کو نہیں پہنچتے کہ مذاقوں کے اختلاف قدرتی باتیں ہیں۔ یہ کسی کے بیٹے مٹی نہیں؟ اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ جس کا جو طرز ہے وہ اسی کو پسند کرتا ہے۔ اسی میں اس کو راحت ملتی ہے۔ اور آخر تک اس کو اسی طرز پر چلا جانا چاہیئے ہم جانتے ہیں کہ انگریز اپنی تمام حالتوں میں نمایاں ترقی کر رہے ہیں اور اپنے طرز تمدن کی اصلاح سے بھی غافل نہیں۔ بایں ہمہ یہ فرض کر لینا کہ ان کا تمدن اعلی درجے کی شائستگی کو پہنچ گیا ہے فرض غلط ہے۔ کھانے کپڑے کی تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ ہم کو تو ان کی سوسائٹی میں بہت سی بڑی بڑی باتیں کھٹکتی ہیں عورتوں کی بے پردگی کا مذکور تو ضمناً اوپر ہو چکا۔ اور بادہ خواری۔ اس میں کسی کا کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں کہ جس طرح کھانسی اُمّ الامراض[1] ہے۔ من حیث الاخلاق۔ شراب اُمّ الخبائث۔ اور تمام جہان کے ڈاکٹروں کا اجماع ہے کہ یہ ملعون عرق تن درستی کو بھی سخت مضر ہے۔ باوجود اتنی برائیوں کے جس کثرت سے اس کا رواج انگریزوں میں ہے شاید روئے زمین پر کسی دوسری قوم میں ہو پس اس خیال نے غضب ڈھا رکھا ہے کہ اعتدال کے ساتھ اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر شراب اور اعتدال فکر باطل خیال محال۔

انگریزوں کے طرز تمدن میں ایک عیب اور ہے جس کا نقصان انگریزوں کو شاید کم محسوس ہوتا ہو یا نہ بھی ہوتا ہو لیکن اگر ہم لوگ ان کی وضع پر رہنا چاہیں تو یقیناً بربادی کا موجب ہے۔ وہ کیا ہے۔ ہائی لائف۔ یعنی اونچی شان وار زندگی جو بڑے مصارف کے بدون ایک دن نہیں نبھ سکتی۔ ظاہر میں دیکھو تو سیدھے سادے موٹے جھوٹے کپڑے اکیلے کوسوں پیادہ پا چلے جائیں۔ کسی بات کی عار نہیں۔ کسی طرح کی شیخی نہیں مگر سواری اور مکان اور سامان آرائش اور شاگرد پیشہ کے خرچ دیکھو تو عقل دنگ ہو کر رہ جائے اور اگر کہیں میم صاحب کی بلا بھی سر پر مسلط ہوئی تو پھر کچھ ٹھکانا نہیں۔ دو دو تین تین درزی ہیں کہ صبح سے شام تک سوئی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی

---

[1] بیماریوں کی جڑ۔ [2] اخلاق کے اعتبار سے۔

اور[15] ٹیڈہم پیل کی تہائی تنخواہ کی قسط علاوہ۔ غرض اس ارزانی کے ملک میں بی.بی بچے والا انگریز میرے حساب سے ہزار روپیہ ماہوار سے کم میں جنٹلمین یعنی شریفانہ فارغ البالی اور آسائش سے نہیں رہ سکتا۔

ہم تو ہندوستانیوں ہی کو ملامت کرتے تھے کہ ان کو دولت کی نگہ داشت کا سلیقہ نہیں اور ان کا بہت روپیہ نمود و نمائش میں ضائع ہوتا ہے۔ انگریزوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہندوستانیوں پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ ہندوستانی تو پھر بھی زیوروں اور باسنوں کے پیرائے میں اپنی دولت کا ایک معقول حصہ پس انداز کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کاٹھ اور کانچ اور گلٹ کے سوائے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا قلعی تو اس وقت کھلتی کہ جب کسی کی بدلی ہوتی ہے اور اسباب نیلام کیا جاتا ہے۔ کسی کے خوش آمدی اونے پونے خرید لیں تو وہ بات ہی دوسری ہے اور حقیقت میں ایک قسم کی رشوت ہے ورنہ نیلام میں روپیہ کے آٹھ آنے تو بندھے ہیں۔

خیر شاباش انگریز تو اس شان میں رہ بھی سکتا ہے۔ اس کو روپیہ کمانے کے بہت سے ڈھب یاد ہیں۔ اُس کی ہمت بلند اور اُس کا حوصلہ وسیع ہے۔ اُس کو تمام روئے زمین خشکی اور تری جنگل اور پہاڑ آبادی اور اُجاڑ اپنا بیگانہ سب یکساں ہے۔ نوکری تو اُس کی جوتیوں سے لگی پڑی ہے مگر وہ اس کا پابند نہیں۔ ایک ذرا سی بات خلاف مزاج پیش آئی اور فوراً اُس کو لات مار کر اُٹھ کھڑا ہوا اُس کی قوم کا ماٹو[16] ہے ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست وہ چل پھر کر کہیں نہ کہیں اپنا ٹھکانا کرے رہے گا۔ شاید وہ کوئی سکول کھول بیٹھے وکالت کرنے لگے کسی قسم کا کارخانہ جاری کرے سوداگر بن جائے۔ کہیں کسی چیز کی کان ڈھونڈ نکالے یا کوئی اور موقع مناسب دیکھ کر کالونی[17] بسانے کا ڈول ڈالے۔ غرض یہ کہ وہ کسی جگہ اور کسی پیشے پر بند نہیں ایسے آدمی کو معاش کی کیا کمی۔ پھر اُس کی سوسائٹی کا یہ دستور نہیں کہ کمانے والا ایک اور کھانے والے بیس۔ کیا مرد کیا عورت سب اپنی اپنی جگہ

[15] ایک مشہور ردی مال و پارچہ فروش ہے جو سلے سلائے کپڑے دیتا ہے [16] اصول [17] نوآبادی۔

خوش دلی کے ساتھ محنت کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ محنت ہی کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اور محنت ہمارا فرض ہے۔ بھلا ہندوستانی کاہل بے ہنر قاصر الہمت سے کیا ان کی ریس ہو سکتی ہے اور کرے گا تو مفلس جیئے گا اور قرض دار مرے گا۔

انگریزی سوسائٹی کا آخری نقصان وہ[۱] لاسٹ و ناٹ دی لیسٹ لامذہبی ہے۔ جہاں تک مجھ کو ان لوگوں کے حالات سے آگہی ہے و اگرچہ تھوڑی ہے۔ مگر نمونے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں) میں تو یہی کہتا ہوں کہ ان لوگوں میں اکثر کی تمام ہمت اصلاح دنیا کی طرف مصروف ہے اور یہ انہماک اس وجہ سے زیادہ تر قابل اعتراض ہے کہ اس کا منشا فطری غفلت نہیں ہے۔ جس سے کوئی فرد بشر بری نہیں۔ بلکہ مذہب کا استخفاف مذہب کی بے وقعتی کہ میری نظر میں یہ مکروہ ترین پیرایہ ہے الحاد کا۔ اور ور جائے کہ صرف انگریزی تعلیم سے (وہ بھی ادھوری) ہمارے ملک کے انگریزی خواں ایز اے[۲] باڈی لامذہب ہوتے چلے جاتے ہیں ضرور لامذہبی کا رنگ انگریزی سوسائٹی میں بہت گہرا ہونا چاہیے اور افسوس کہ ہے بھی۔

انسان کے تمام افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں اس اصول کے مطابق انگریزی طرز تمدن کے اختیار کرتے میں بھی کوئی مفاد دنیوی ہونا چاہیے اور اب تک جس قدر میں نے لکھا ہے اس سے تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ انگریزی تمدن جن جن چیزوں سے عبارت ہے اُن میں بعض چیزیں تو بے مفاد محض نہیں بلکہ ہمارے حق میں بے مفاد ہیں لیکن لوگ ایک اور ہی مفاد کی طمع سے انگریزی تمدن کی طرف کو دوڑتے ہیں۔ ان کو یہ توقع ہے کہ انگریزی تمدن کے اختیار کرنے سے انگریز ہم کو اپنی سوسائٹی میں لے لیں گے۔ کہیں سے نہ لیں۔ جب تک انگریزوں اور ہم میں حاکم و محکوم۔ فاتح و مفتوح۔ غالب و مغلوب کے تفرقے باقی ہیں ہماری ان کی مثال تیل پانی کی ہے۔ نہ ملے ہیں نہ ملیں گے۔

میری یہ تحریر بہت لمبی ہوگئی مگر تم دیکھتے ہو کہ مطلب بھی مہتم بالشان تھا۔

---

[۱] گو اخیر سہی مگر (کسی طرح) کم نہیں، [۲] من حیث المجموع [۳] مضمر۔ پوشیدہ۔

جس طرح بعض جسمانی امراض بعض اوقات کثرت سے شائع ہو جاتے ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ لامذہبی کے شیوع کا ہی۔ بہت تھوڑے سر انگریزی تقلید کے مالیخولیا سے خالی ہیں۔ میں نے تم کو اپنی سمجھ کے مطابق آگاہ کر دیا ہی۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ فقط

عادۃ

عادۃ کا ماخذ ہی عود جس کے معنی ہیں لوٹنا۔ پھرنا۔ یہیں سے تم عادۃ کی وجہ تسمیہ بھی مستنبط کر سکتے ہو کیوں کہ جب آدمی بار بار لوٹ لوٹ کر کسی فعل کا مرتکب ہوتا ہی تو اُس فعل پر عادۃ کا اطلاق کیا جاتا ہی۔ اگرچہ لغۃ عام ہی مگر عرف میں عادۃ کا استعمال صرف افعال ارادی واختیاری میں ہی اضطراری مثلاً تنفس میں نہیں۔ افعال ارادی میں جسمانی ہوں یا دماغی سب میں تھوڑا بہت جہد کرنا ہوتا ہی جس کو تم انگریزی میں اگزرشن کہتے ہو۔ عادۃ کا ضروری نتیجہ ہی تخفیف مشقۃ جہد۔ یہاں تک کہ جب عادۃ راسخ ہو جاتی ہی تو فعل عادی افعال اضطراری کی طرح بلاقصد وارادہ اور بے اعمال فکر و رویتہ سرزد ہونے لگتا ہی اور یہی درجہ ہی جس پر پونہچ کر کہا جاتا ہی۔ اَلْعَادَةُ کَالطَّبِیْعَةِ الثَّانِیَۃ تشبیہ کا قاعدہ ہی کہ مشبہ بہ اکمل وافضل ہوتا ہی تو العادۃ کالطبیعۃ الثانیۃ سے شاید تم سمجھو کہ طبیعۃ میں بالنسبۃ الی العادۃ غلبہ اور اشتداد اور تقاضا قوی تر ہی۔ ع لیکن الحال منقلب والامر معکوس۔ امور طبیعی واضطراری میں اُسی تنفس کو لو جس کا ذکر آچکا ہی۔ فقراء کی ریاضات ومجاہدات میں سے ایک حبس نفس ہی اور یہ ان کی تعلیم کی شاید ابجد ہی۔ لوگ تو امتداد حبس نفس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں مگر خیر دن اور ہفتے اور مہینے نہ سہی یہ تو میں نے دیکھا ہی کہ پاس انفاس کا ایک عامل ایک سانس میں سو مرتبہ لا اله الا الله بہ اعادہ ضربات بآسانی تمام کر لیتا تھا۔ آسانی کو میں نے اس سے جانا کہ برابر کئی کئی گھنٹے تک وہ اسی شغل میں رہتا۔ الغرض اگر انسان تقاضائے طبیعۃ کے معدوم کرنے پر قادر نہ بھی ہو تاہم وہ اُس کی شورش کو مجاہدہ و ممارستہ یعنی عادۃ کی مدد سے بہت کچھ فرو کر سکتا ہی یعنی عادۃ حاکم ہی اور طبیعۃ محکوم۔ ایک

ــــــــــــ

[1] اور ہمارا کام صرف پہونچا دینا ہی۔

شخص نے حکیم امام الدین خاں مرحوم کی حذاقت کی ایک حکایت نقل کی کہ کوئی مولوی صاحب (راوی نے اُن کا نام بھی لیا تھا مجھ کو یاد نہیں رہا) بیمار پڑے حکیم صاحب نے جلاب تجویز کیا باوجودے کہ معدہ مجیب تھا اور مؤیدات بھی دیئے گئے مگر دست نہ آئے۔ حکیم صاحب کو خبر ہوئی استفسار حالات کے بعد بیمار دار سے فرمایا کہ جلد جاؤ اور مولوی صاحب سے کہو بدستور کتاب دیکھیں۔ راوی کہتا تھا کہ آدھا گھنٹہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ جلاب کا عمل ظاہر ہوا لوگوں کو حیرت ہوئی تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ طبیعت تھی کتاب بینی کی خوگر اس کو خلاف عادت شغل مانوس سے ہوئی مفارقت انقباض پیدا ہوا یہ حکایت اگر سچ ہے (اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ سچ کیوں نہ ہو) تو اس سے ہم عادت کی قوت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جن لوگوں نے علم اخلاق پر کتابیں لکھی ہیں میں نہیں جانتا اُن میں سے کسی نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ یا نہیں (مگر میری نظر سے نہیں گزرا) کہ عادت ام الاخلاق ہے۔ باوجودے کہ عادت کو اخلاق کے پیدا کرنے بنانے اور بگاڑنے میں مدخل عظیم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عادت کی نگرانی میں برے درجے کی غفلت کی جاتی ہے لوگوں کو عادت کا شعور ہوتا بھی ہے تو اکثر کہیں لیسے آخر وقت میں جا کر کہ طبیعت مغلوب عادت ہو چکتی ہے۔ تم نے شاید خیال کیا ہو کہ اطبائے یونانی کا کوئی نسخہ قرص یا نبات یا خمیرے سے خالی نہیں ہوتا۔ کچھ اس کی لم بھی سمجھے۔ وہ لم یہ ہے کہ شیرینی بالطبع ہے مرغوب فلہذا ہر دوا میں کسی قسم کی شیرینی شامل کر دی جاتی ہے تاکہ طبیعت شیرینی کو بالاصالت اور دوا کو بالتبع قبول کرے۔ بعینہٖ یہی حال ہے انسان کی طبیعت اور اخلاق کا طبیعت کو معدے کی جگہ سمجھو اخلاق کو دوا اور عادت کو شیرینی۔ کوئی کام کیسا ہی ناموافق طبع ہو عادت کی مٹھائی سے مل کر ضرور اشہی اور اعلیٰ ہو جاتا ہے اگرچہ آدمی بُری لت بھی اپنے پیچھے لگا سکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عادت فی نفسہا مِنْ حَیْثُ اَنَّهَا قُوَّةٌ مِنَ الْقُوَی الْاِنْسَانِیَّةِ بُری چیز ہے انسان کی تمام قوتوں کا یہی حال ہے کہ بھلائی اور برائی دونوں کے محامل اُن میں ودیعت رکھے گئے ہیں اب یہ انسان کی اپنی تجویز رہی کہ

ان قوتوں کو کس پہلو پر لگائے۔ **قطعہ**

آدمی زادہ طرفہ معجونے ست — از ملائک سرشتہ وز حیوان

گرکند میل ایں شود کم ازیں — ور رود سوئے آں شود بہ ازاں

عادۃ میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ مشکلات پر غالب آنے کے لیئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ عادۃ کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا وہ اس بات کی تمہید ہے کہ تم کتاب بینی کی عادۃ ڈالو۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں طبیعۃ گریز کرے اور با دل ناخواستہ کتاب کا دیکھنا بار خاطر ہو لیکن اس وقت میرے کہنے سے اتنی بات کا تیقن کرلو کہ یہ ہر ب و نفرۃ عارضی اور چند روزہ ہے ع ہیچ و را آفتاب نیم روز۔ ایک وقت مجھ پر گزرا ہے اور وقت سے میری مراد گھنٹہ دو گھنٹہ دن دو دن مہینے دو مہینے نہیں بلکہ بیس پچیس برس کہ نوم مطمئن کے لیئے پلنگ پر سرہانے کتاب کا ہونا ایسا ہی ضروری تھا جیسے تکیہ کا۔ اب وہ کیفیت نہیں ہے تاہم تم نے کم تر اوقات مجکو کتاب سے بے تعلق دیکھا ہوگا بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ نہیں دیکھا ہوگا۔ کیا تم کو بچپن کی بات یاد نہیں کہ تم نے بڑی محنت سے ایک چمن درست کرکے چاہا کہ میں کسی وقت ایک نظر اس کو دیکھوں میں نے یہی جواب دیا کہ کسی تقریب سے باہر جاتا ہوں تو اپنے کمرے سے باہر نکلوں کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے کمرے میں ملول اور دل گرفتہ بیٹھا رہتا تھا جیسے قفس میں جانور۔ ؟ نہیں نہیں ویسا ہی خوش دل جیسے تم اپنے چمن میں یا واجد علی شاہ لکھنؤ کے قیصر باغ یا اب مٹیوں کو کلکتے کے مٹیا برج میں یا دلی کے سیلانی چبوترے دو گھڑی دن رہے سے چاندنی چوک میں یا ان دنوں کے آزاد مزاج انگریزی خواں سمجھیں یا نہ سمجھیں تھیٹر میں۔ میں نے انگریزی خواں کے ساتھ آزاد مزاج کی قید کیوں لگائی۔ ہوگی۔ میرے اور ماشاء اللہ تمہارے سوا ایسا ہی کوئی انگریزی خواں ہے جو آزاد مزاج نہ ہو اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔

خلاصہ مقصد یہ ہے کہ میں تم کو کتاب بینی کا شوق دلانا چاہتا ہوں اور خود اپنی حالت سے استشہاد کرتا ہوں کہ بدولت کتاب بینی میرا وقت بہت ہی جمیعۃ خاطر . . . .

سلے تم ان پہ کہنا چاہئے اور ایسے کو بہت ہی تھوڑے ہیں۔

کے ساتھ گزرتا ہے نہ ملاقات کا مشتاق نہ زیارت کا منتظر نہ معاشرت کا شائق۔ میرے نزدیک سوسائٹی ہے اور کتاب ہے۔ ع وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کتاب نہیں بھی دیکھتا تاہم کتاب کے سامنے رکھے رہنے سے میرے دل کو ایک طرح کی تسلی سی رہتی ہے۔ اس مضمون کو غالب نے کیا اچھی طرح ادا کیا ہے ؎

گو ہاتھ میں طاقت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے   رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

خودداری

اگر تم سے کہا جائے کہ فلاں شخص مزاج کا غصیلا ہے تو ضرور تمہارا ذہن اسی طرف متبادر ہوگا کہ مغلوب الغیظ ہے سریع الغضب ہے زود رنج ہے۔ لیکن لفظ کی بناوٹ پر نظر کرو تو غصیلے کے معنی ہیں صرف غصے والا۔ سو غصے والا ہونا کچھ عیب کی بات نہیں۔ غصہ ہمارا قدرتی حربہ ہے۔ اگر بالفرض کسی شخص میں مطلقاً غصہ نہ ہو تو اس کے یہ معنے ہیں کہ دفع ضرر پر قادر نہیں یا بعبارۃ دیگر اس کی خلقت ناقص واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر کہیں کہ فلاں شخص خوددار ہے تو لوگ خیال کریں گے خودبین ہے خودپسند ہے معجب ہے۔ لیکن واقع میں خودداری وہی ہے جس کو انگریزی میں سلف رسپکٹ کہتے ہیں اور عربی میں تعزز۔ خودداری اور خودبینی میں بڑا فرق ہے مگر نازک اور اس فرق کا شعور کماحقہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس سے خودداری یا خودبینی کا کوئی فعل سرزد ہو اور وہ خود دواعیِ فعل پر محتسبانہ اور منصفانہ نظر کر کے اس فعل کا فضیلۃ خودداری یا رذیلۃ خودبینی ہونا تجویز کرے۔ معانی کی جامعیت اور مانعیت پر منطقی طور سے نظر کرو تو ہماری زبان کے کم تر الفاظ اس جانچ میں ٹھہر سکتے ہیں۔ وَلٰکِنْ لَا مُشَاحَّۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ میں اس پیچیدگی میں تم کو نہیں ڈالنا چاہتا اور اس تحریر سے میرا مقصد اسی قدر ہے کہ خودداری کی فضیلت تمہارے ذہن میں بٹھا دوں۔ قرآن میں خدائے تعالیٰ نے انسان کی آفرینش کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانا چاہتا ہوں) ظاہر ہے کہ خلافت الٰہی ایک طرح کی خدائی ہے اور جب انسان خلیفۃ اللہ ہوا وہ آپ سے آپ اشرف المخلوقات بھی ہوا۔ فرض کرو کہ اجرام فلکی پر لوگ بستے

ہوں جیسا کہ علمائے ہیئات خیال کرتے ہیں اور ایسے بہت سے قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو
کہ یہ لوگ محض بے تکی بات تو نہیں کہتے پھر فرض کرو کہ مثلاً چاند پر سے جو ہم سے قریب تر ہو
کوئی آن جان سا آدمی کسی طرح زمین پر اُتر آئے تو وہ یہاں آکر دیکھے گا کہ روئے زمین
پر ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات آباد ہیں مگر انسان باوجودے کہ بہت سی دوسری
مخلوقات کے مقابلے میں ضعیف و محتقر ہی پر اس کو عقل کا کچھ ایسا ڈھب یاد ہی کہ
تمام روئے زمین پر اس نے اپنی حکومت قاہرہ ٹھہار کھی ہی۔ بڑے بڑے قوی
ہیکل اور خوں خوار جانور اس کی خدمت کرتے اور جو زیادہ سرکش ہیں اس کے ڈر کے
مارے جنگلوں میں چھپے پھرتے۔ وہ کسی چیز کے پیدا کرنے پر تو قادر نہیں لیکن جتنی
چیزیں زمین کے اندر زمین کے اوپر ہیں۔ وہ سب میں مالکانہ تصرف کرتا ہی اسی
حکومۃ اور اسی تصرف کا نام ہی خلافۃ الہی اور اس کا شعور کہ ہم کو اس حکومۃ کی شائستگی
اور تصرف کی قابلیت دی گئی ہی اور حکومۃ اور تصرف کا انقاذ یعنی انسان
کا اپنے تئیں انسان سمجھنا خودداری ہی جو موقوف علیہ دنیا اور دین دونوں کی
فلاح اور تکمیل کی۔ نَحْنُ رِجَالٌ وَّھُمْ رِجَالٌ۔ وہاٹ مین ہیو ڈن مین کین ڈو۔ اُن
ہی لوگوں کے مقولات ہیں جن کے دلوں میں خودداری کی اُمنگیں جوش مار رہی تھیں
ہم ہرگز اپنی حالۃ میں ترقی نہیں کرسکتے تاوقتیکہ ہم کو اس کا اذعان نہ ہو کہ ہم اس سے
بہتر حالۃ میں رہنے کے اہل ہیں۔ غرض ترقی کی محرک اول خودداری ہی۔ آزادی جس
کی آواز تمام یورپ میں پڑی گونج رہی ہے۔ اور اس کی بھنک اب چند روز
سے ہندوستان میں بھی سنائی دینے لگی ہی اس خودداری کا نغمہ دل کش ہی
یہی خودداری ہی جو صفحۂ زمین سے غلامی کا نام و نشان مٹا دینے کے پیچھے پڑی
ہی۔ یہی خودداری قومی عروج اور تنزل کی شناخت کی معیار ہی۔ یہی خودداری
ظلم اور انصاف اور حق و ناحق کی پہچان کی کسوٹی ہی یہی خودداری مارَل فلاسفی
بلکہ تمام ادیان کا حصل ہی۔ یہی خودداری تہذیب و شائستگی کا لب لباب
یہی خودداری ہم کو اکتساب فضائل کی ترغیب دینے والی اور ارتکاب

ـــ

سلہ جو ایک انسان کرچکا ہی وہ دوسرا بھی کرسکتا ہے۔ سلہ فلسفۂ اخلاق۔

رذائل سے باز رکھنے والی ہے ؎

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق　　باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ذوق نے اس بارے میں فطرۃً انسانی کو کیا اچھی طرح بیان کیا ہے ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ　　پست فطرت یہ نہ ہو اور پست تانہ ہو تو ہو

مذہب اسلام کی عمدگی کی عمدہ ترین دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کے اصول فروع میں خودداری کی مراعاۃ عمدہ طور سے کی گئی ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں مل نہیں سکتی۔ ہم ہندوؤں کو دیکھتے ہیں کہ چاند اور سورج اور آگ اور پانی اور ہوا اور درخت اور ذلیل سے ذلیل جانور سب کے سامنے ماتھا ٹیکنے کو موجود ہیں یعنی مذہب ہنود کی رو سے آدمی رذیل ترین مخلوقات ہے لیکن مسلمان ایک خدائے نامشاہد اور غیر مرئی کے سوائے کسی کی عبادۃ نہیں کرنی چاہتا اور وہ اپنے ہی تئیں کل مخلوقات میں افضل خیال کرتا ہے اور فی الواقع وہ افضل ہے بھی۔ صحابہ علیہم السلام بتقریب تجارۃ اطراف و اکناف میں جاتے لوگوں کو اپنے اعاظم و اکابر کی تعظیم ایک وضع خاص کے ساتھ کرتے دیکھتے اور واپس آ کو حضرت پیغمبر صاحب سے عرض کرتے کہ یا حضرت ہم بھی آپ کو سجدہ (تعظیمی) کیا کریں جیسے اہل فارس اپنے بڑوں کے آگے کرتے ہیں۔ آپ بسختی منع فرماتے حتی کہ تعظیماً کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے۔ یہ خودداری کی تعلیم نہ تھی تو کیا تھی؟ اسلام نے السلام علیکم کے سوائے ہم کو اپنے ابنائے جنس کی اور کسی طرح کی تعظیم نہیں سکھائی اگرچہ وہ پیغمبر یا خلیفہ یا امیر یا سلطان یا استاد یا پیر یا اپنا سگا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاتھ اٹھانا یا جھکنا یا الفاظ آداب وغیرہ سب شیوۂ اعاجم ہے۔ زید عمر کو ذلیل کرتا ہے اور بقاعدہ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ عمرو کو بکر کے آگے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خودداری کسی میں نہ رہی اور سب ذلیل ہو گئے۔

عیسائی باوجودے کہ برسر عروج ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں تو خودداری کی تعلیم ان کے یہاں بھی ٹھیک نہیں۔ احکام عشرۃ میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ اگر کوئی

تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دے کہ لے اور مار۔ اس کو خودداری سے کیا مناسبت اور چونکہ خودداری ایک امر جبلی ہے جن احکام میں اس کی پوری پوری مراعاۃ نہیں از قبیل محالات ہیں صرف کتاب میں لکھنے کے لیئے۔ ان کی تعمیل نہ کبھی ہوئی اور نہ آیندہ کبھی ہونی ممکن ہے۔ اب دیکھو کہ اس خصوص میں اسلام کیا فرماتا ہے وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔

میرے نزدیک ہم مسلمانوں کے تنزل کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم میں خودداری کی رگ ہی نہیں رہی یا اس قدر کم ہو گئی ہے کہ گویا نہیں رہی۔ محصنات کے آخر میں جو مرثیہ ہے اس میں ایک بند یہ بھی ہے معلوم نہیں تمہارا ہے یا میرا اگر تمہارا ہے تو بہت اچھا ہے اور میرا ہے تو بھی برا نہیں۔

افسوس قوم میں عصبیۃ نہیں رہی — ہم میں کسی طرح کی مزیۃ نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیۃ نہیں رہی — جراءۃ کہاں سے ہو کہ حمیۃ نہیں رہی
ہم میں ہر ایک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

خدا جانے کہاں دیکھا تھا کہ آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی عزۃ کریں تو چاہیئے کہ وہ خود دوسروں کی عزۃ کرے۔ خیر یہ تو ایک معمولی سی بات ہے کما تدین تدان مگر میں کہتا ہوں کہ اگر آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی عزۃ کریں تو چاہیئے کہ پہلے آپ اپنی عزۃ کرے۔ انسان دوسروں کو مغالطہ دے کر بھی ان کی نظر میں معزز ہو سکتا ہے لیکن یہ عزۃ دھوکے کی ٹٹی ہے اصلی اور سچی عزت وہی ہے کہ

انسان اپنی عزت آپ کرے جس کو میں نے خودداری سے تعبیر کیا۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ خودداری مارل فلاسفی (علم اخلاق) کا ماحصل ہے تمام محامد اخلاق میں شاید تم کو خودداری کا امتیاز نہ ہو تو اتنا کیا کم ہے کہ جس میں خودداری نہیں اس میں غیرت نہیں سیر چشمی نہیں بلند نظری نہیں شجاعت نہیں سخاوت نہیں رحم نہیں ہمدردی نہیں یعنی سیدھی طرح پر یہی کیوں نہ کہا جائے کہ انسانیت نہیں۔

فرائض انسانی

آدمی کے تمام افعال معلل بالاغراض ہونے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ آدمی مخلوق خودغرض ہے۔ متقدمین فلاسفہ کلہم یہی خیال تھا کہ آدمی کے تمام افعال کی محرک اولی اُس کی ذاتی غرض ہوتی ہے۔ جلب منفعت ہو یا دفع مضرت۔ لیکن ہم اب سے ہزاروں برس پہلے کے لوگوں کے حالات تاریخ میں پڑھتے یا محض اجنبی لوگوں کی (جن کے ساتھ تمام عمر کسی طرح کا تعلق ہونے کی مطلق توقع نہیں) بلکہ جانوروں تک کی مصیبت دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ ہماری کون سی ذاتی غرض ان کیفیتوں کی (اور یہ کیفیتیں داخل افعال تو ہیں) محرک ہو سکتی ہے؟ کوئی سی بھی نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اگر ایسے ہی افعال ہم پر موثر ہوتے تو ہم ان کو اپنی غرض کے تعلق سے اچھا یا بُرا سمجھتے یا جن حالتوں کو دیکھ کر ہم ترس کھاتے ہیں اگر ویسی ہی حالتیں ہم پر گزرتیں تو ہم دوسروں سے رحم کے امیدوار ہوتے منطقیوں کے عقلی ڈھکوسلے ہیں جن کو وجدان سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرے گا مجھ کو اس سے انکار نہیں کہ انسان میں خودغرضی نہیں۔ ہے بلکہ بہت ہے۔ میرا مطلب اسی قدر ہے کہ خودغرضی انسان کے تمام افعال کی محرک نہیں ہے۔ اس مسئلے کا دوسرا پیرایہ وہ ہے کہ افعال کا حسن و قبح ذاتی ہے یا نہیں یعنی انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ افعال فی حد ذاتہا اس کے متقاضی ہیں کہ ان میں کوئی اچھا اور کوئی برا سمجھا جائے یا حسن و قبح کا مدار نتائج افعال ہیں اس حیثیت سے کہ انسان کے حق میں مورث حزن یا منتج فرح ہوتے ہیں۔ فلسفیوں کے ان گورکھ دھندوں کا سلجھانا آسان نہیں۔ مگر تم ان

بکھیڑوں میں کیوں پڑو - تم کو اس بات کی ٹوہ لگانے سے کیا فائدہ ہوگا کہ دنیا میں افعال کے حسن و قبح کا خیال کیوں کر پیدا ہوا - اس قدر بس کرتا ہوں کہ ہم سب غرضانہ انسان کے بعض افعال کو حسن اور بعض کو قبیح سمجھتے ہیں ـــ

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم   کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

میرے نزدیک (اور خوب دھیان لگا کر دیکھو تو میں سمجھتا ہوں تم کو بھی اس کی تصدیق ہو جائے گی) بچوں میں خود غرضی یعنی حرص و طمع زیادہ ہوتی ہے - وہ بہت جلد لالچ میں آ جاتے ہیں اور کوئی چیز کیسی ہی بے قدر کیوں نہ ہو اول تو ان کے دل سے نکلتی ہی نہیں اور نکلتی ہے تو بھی مشکل سے - اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں ایک یہ کہ بے غرضی ان صفتوں میں نہیں ہے جن کے قبول کرنے کے لیے نفس انسانی شروع سے مستعد ہوتا ہے جیسے حیا یا راست گوئی - دوسرے یہ کہ بچوں کے حال پر قیاس کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں اگر ہمارے ابنائے جنس اس صفت سے بالکل بے بہرہ رہے ہوں تو کچھ تعجب نہیں بلکہ میں تو ایسا خیال کرتا ہوں کہ اب بھی وحشی قوموں میں خود غرضی کا رنگ ضرور گہرا ہوتا ہوگا لیکن ایک بے غرضی پر کیا موقوف ہے تمام اخلاق حسنہ کا یہی حال ہے کہ جوں جوں آدمیوں میں شائستگی جس کو انگریزی میں سولزیشن کہتے ہیں آتی گئی اخلاقی خیال نکھرتے اور اونچے ہوتے چلے گئے -

اب ہم انگریزوں کی نظر میں آدھے وحشی ہیں (ذرا اس بات پر خیال کرنا کہ آدھے وحشی کی جگہ آدھے مہذب کہتے تب بھی وہی مطلب تھا مگر آدھا مہذب سبکی ہے تو آدھا وحشی کو ٹہنا[۱]) اور سچ یہ ہے کہ ہم اپنی دنیاوی حالت کو انگریزوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو آدھے وحشی کے خطاب کے بھی اہل نہیں - لیکن مجھ کو اپنی قوم کا انگریزوں کے مقابلے میں آدھا مہذب (نہیں نہیں) آدھا وحشی ہونا یہیں تک تسلیم ہے (اس سے زیادہ نہیں) کہ ہمارے پاس سلطنت نہیں (اور یہی نہیں کہ نہیں بلکہ تھی، پر ہم اس کو اپنی نالیاقتی سے کھو بیٹھے) مال نہیں مال کے پیدا کرنے کا

۱؎ زور سے نوچنا کھسوٹنا ۱۲

سلیقہ نہیں یعنی ہنر نہیں اور سب سے بڑا رونا اس کا ہے کہ نہ ہونے کا احساس نہیں جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ قومی حالت کی درستی کی توقع نہیں۔ مگر بایں ہمہ خدا کا شکر ہے کہ اخلاقی خیالات میں ہم انگریز کیا روئے زمین کی کسی قوم سے ہیٹے نہیں اور ہیٹے ہو نہیں سکتے کیوں کہ ہمارے اخلاقی خیالات جزو مذہب ہیں خدانخواستہ ہمارے اخلاقی خیال ہیٹے ہوں تو لازم آئے کہ اسلام ہیٹا ہو حالاں کہ اسلام کی نسبت مخبر صادق کا فرمودہ ہے ہُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ میں تم کو قرآن کے چند مقامات کا نشان دیتا ہوں۔

(۱) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا۔

علی حبہ کے مرجع میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض نے طعام اور بعض نے خدا کو مرجع ٹھیرایا ہے اگر طعام مرجع قرار دیا جائے تو معنے میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے جس کی تائید ایک جگہ اور بھی ہے وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ

(۲) وَسَیُجَنَّبُہَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی۔

(۳) وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ

(۴) وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ۔

اسی طرح تتبع کیا جائے تو قرآن میں بہت سے مقامات نکلیں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ شارع اسلام نے بڑے شد و مد کے ساتھ ہم کو بے غرضانہ نیکی کی تعلیم کی ہے۔

اب سوچو کہ جب انسان کا ذاتی مفاد محرک نیکی نہ ہوا تو دوسرا کون سا خیال محرک ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کو انگریزی میں سنس[۱] آف ڈیوٹی کہتے ہیں یعنی آدمی ایک فعل کرتا ہے صرف اس خیال سے کہ وہ اس کو اپنا ڈیوٹی یعنی فرض سمجھتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان غلطی سے کسی فعل کو اپنا ڈیوٹی سمجھ لے اس پر بھی سنس آف ڈیوٹی ایک عمدہ اور بکار آمد قوت ہے اور اس کو جہاں تک ہو سکے کلٹیویٹ کرنا چاہیے

[۱] احساس ذات فریضہ[۲] داں میں جلوہ دینا۔ برداشتہ کرنا ترقی دینا۔۱۲

کیوں کہ سنس آف ڈیوٹی ارادے کی جان غفلت کا تازیانہ افعال کا صلۂ نقدا و نتیجۂ عاجل دل کی تسلی حلال مشکلات میسر صعوبات اور آدمی کے کردار کا محتسب اور کاتب الاعمال ہے۔ انسان کو زندگی میں ایسا کوئی معاملہ پیش آ نہیں سکتا جس میں فوراً اس کا کانشنس (وجدان) اس کو بتا نہ دے کہ تیرا ڈیوٹی یہ ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ[۱]۔ اگر کانشنس نے ڈیوٹی کی تعیین میں غلطی بھی کی تاہم انسان ڈسچارج آف دی سنس آف ڈیوٹی[۲] کے مطابق عمل کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ الغرض سپکولیٹو[۳] فلاسفی مارل[۴] فلاسفی کی کتابوں میں فلاسفہ کی موشگافیاں دیکھ کر کہیں ہمارے اخلاقی سٹینڈرڈ کو کہ وہ شعبہ دین ہے قیاساً علی الدنیا مت سمجھ لینا کہ ہم دنیا کے اعتبار سے ناقص اور ادھورے ہیں مگر دین میں کامل اور پورے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ[۵] لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

تمت

۱ کیا تم نے اپنے دل سے مشورہ کر لیا ہے ۲ ادائے فریضہ کا احساس۔ ۳ فلسفۂ عقلی۔ ۴ فلسفۂ اخلاقی ۵ اب ہم تمھارے دین کو تمھارے لیئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور نے تمھارے لیئے (اسی) دین اسلام کو پسند کیا۔ ۱۲

خاتمۃ الطبع

شمع من یافتہ ضیا از وی   مس من گشتہ کیمیا از وی

میرے والد ماجد خدا اُن کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے صاحب تصانیف کثیرہ و مفیدہ ہیں۔ جن کی کتابوں نے ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہو کہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ پس لوگوں سے اُن کی تقریب یا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شریف گھرانے میں اُن کی کتابیں رائج ہیں۔ مرد تو مرد عورتیں۔ لڑکے لڑکیاں سب مرآۃ العروس اصغری اکبری کے قصے اور اُس کے مصنف کو اس طرح جانتی ہیں جیسے اپنے گھر والوں کو۔

موعظۂ حسنہ ایک مجموعہ ہے اُن خطوں کا جو زمانۂ تعلیم میں میرے شفیق باپ نے نہایت دل سوزی سے مجھے لکھے تھے۔ جن کے فقرے فقرے بلکہ لفظ لفظ سے محبت اور شفقت ٹپکتی ہے اور درحقیقت محبت پدری کے غیر معمولی جوش کا اُبال ہیں۔ یہ وہی خط ہیں جنہوں نے مجھے راہ راست بتلائی۔ میرے قدموں کو ڈگمگانے نہ دیا اور میرے کیریکٹر کی ایک مستحکم بنیاد قایم کی۔ انسان فطرتاً خود غرض ہے اور ہر بات میں وہ اپنی بہتری اور فائدے کو مقدم رکھتا ہے لیکن اولاد کی محبت اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی لگا دی ہے کہ اُس کے مقابلے میں وہ اپنی جان تک قربان کرنے کو طیار ہے اور ماں باپ کو اگر ایسی بے قراری نہ لگا دی جاتی تو یہ کیڑے پلتے کیوں کر۔ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۔ صحیح صحیح اندازہ والدین کی محبت کا اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم خود باپ نہ بنیں۔ ع۔ قدر بابا آں زماں دانی کہ خود بابا شوی۔ میں بھی اپنے باپ کی تحریرات کو ناجائز سختی پر محمول کرتا تھا۔ پڑھنے لکھنے کی اس بلا کی تاکید تھی کہ میرا ناطقہ بند تھا۔ ہزار روپیہ میں نے کبھی دیکھا نہیں چار پیسے روز میری والدہ مرحومہ مغفورہ مجھے سودے سلف کو دیتی تھیں اور اُن کا بھی حساب لیتی تھیں۔ یہ سب باتیں مجھے از حد ناگوار تھیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا وہ سختی نہ تھی رحمت تھی اور آج وہ طرز عمل جسے میں بچپنے اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ایک طرح کا ظلم اور میری جائز آزادی میں خلل اندازی سمجھتا تھا میری آئندہ زندگی کے لیے ایک

بیش بہا نعمت ثابت ہوا ہو۔

یہ خط کبھی اس غرض سے نہیں لکھے گئے تھے کہ پبلک میں لائے جائیں گے۔ بالکل پرائیوٹ قسم کے تھے اور اس وجہ سے قلم برداشتہ لکھے گئے تھے۔ مجھ کو بھی ان کے چھپوانے کا خیال نہ تھا۔ میرے لنگوٹیا یار مولوی عبدالغفور شہباز نے (جو آگے چل کر میرے سمدھی بھی ہو گئے) مجھے اس طرف توجہ دلائی اور الدّال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق بنے۔ چونکہ سب خطوں کو میں نے حیات کے برابر لگا رکھا تھا گٹھے کا گٹھا ان کے حوالے کیا اور انھوں ہی نے ان خطوں کو کتابی شکل میں مدوّن کر کے ۱۸۸۸ء میں بلا کسی قسم کی ترمیم و تبدیل کے اصلی حالت میں نامی پریس لکھنؤ میں چھپوایا۔ دوسرے ایڈیشن کا مجھے خبر نہیں کہ کب چھپا اور کہاں چھپا۔ گو میں نے ان خطوں کو جس زمانے میں لکھے گئے تھے بارہا پڑھا اور فی زمانہ ان پر عمل پیرا رہنے کی کوشش بھی ممکن تھی کی لیکن چھپنے کے بعد کبھی پڑھنے کا نہ اتفاق ہوا نہ کوئی ضرورت پڑی۔ جب پنشن لے کر خانہ نشین ہوا اور مرحوم کی کتابوں کی دیکھ بھال شروع کی تو معلوم ہوا کہ ۱۳۳۲ھ میں تیسرا ایڈیشن نذیر حسین صاحب تاجر کتب کے اہتمام سے نکلا لیکن پھر بھی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا کیوں کہ ایک خط جس کے مضامین چھپنے سے پہلے دل پر نقش کالحجر تھے اور جن میں ہر حرف جان سپارا تھا اب سمجھا ان کے پڑھنے کی کیا ضرورت باقی تھی بھلا بڑے بوڑھے کہیں پڑھا کرتے ہیں۔ اب جب دیکھا کہ موعظہ کی مانگ کثرت سے ہے اور بازار میں کتاب ملتی نہیں تو اپنے اہتمام سے اس کے چھپوانے کا قصد ہوا۔ کاغذ کی سخت گرانی بہ مقابلہ لوگوں کی ضرورت پورا کرنے کے سدّ راہ نہ ہوئی۔ میں نے کاتب کو کتاب لکھنے کو دے دی جب کاپیاں تصحیح کو آنے لگیں تو پھر مجھے ان خطوں کو چالیس پچاس برس کے بعد بہ ضرورت پڑھنا پڑا۔ نذیر حسین صاحب تاجر کتب کو جانے دو کہ ابھی جب مصنف علیہ الرحمۃ کی کتابوں کے چھپوانے کے اور سیاہ و سفید کے [illegible] نے خدا جانے والد مرحوم سے اجازت لی یا نہیں مگر مجھ سے تو کانوں کان خبر نہیں اور انھوں نے دھڑلے سے کتاب چھپوا ڈالی۔ مولوی عبدالغفور صاحب جو اس کتاب کے مدوّن تھے مر گئے ورنہ وہ شاید کچھ دخل دیتے۔ نذیر حسین کوئی ذی علم آدمی نہ تھے۔ ایک کتب فروش کے لیے ایک چٹھی رساں کی طرح صرف کتاب کا نام پڑھ لینا ان کی تجارتی اغراض کے لیے کافی تھا اور یہی ان کا مبلغ علم تھا اور پھر عبارت سے معذور انھوں نے کتاب کو چھپوایا نہیں غارت کیا۔ کتاب وہ ہے جس سے لڑکوں کو تعلیم دینا قواعد سکھلانا مقصود تھا۔ جس میں رفع اغلاط اور صحت کا کافی انتظام ہونا چاہیے تھا مگر اب کاپیاں دیکھتا ہوں تو سینکڑوں غلطیوں سے بھری پڑی ہیں طرز کتابت غلط۔ املا غلط۔ انشا غلط۔ جہاں جی میں آئی بس لکھ مارا گیا۔ نذیر حسین کا کام کاپیوں کی تصحیح

نہ تھا اور نہ یہ کام اُن کے بس کا تھا نہ اُن کو اس دردِ سری سے غرض تھی۔ کسی مصحح کو رکھتی اُن کی بلا اُن کو کتاب
بھیجنے کو درکار تھی غلطیوں کی تصحیح سے اُن کو کیا سروکار تھا۔ کتاب اُنھوں نے چھپوا اپنے گھر سیدھے کیے۔ جو
پڑھے گا وہ غلطیوں کو آپ سدھار لے گا۔ غرض مجھ کو علم نہ تھا کہ اس کتاب کو اس بے پروائی سے چھاپا گیا ہے اور اس
میں ایسی فاحش غلطیاں اور بھونڈی فروگذاشتیں ہیں کہ جن غلطیوں سے مصنف منع کرتا ہے وہی اس میں جا بجا موجود
اور تو اور صفحے کے صفحے اُلٹ پلٹ ہو گئے ہیں اور پشت پر غیر متعلق صفحہ کہیں کا کہیں چھپا ہوا ہے۔ کاتب بیچارے
نقل لیا بے عقل حساب لگاتا رہتا ہے کہ جزو کیسے اور کیا اور بسم اللہ سیدھی ہوئی۔ نذیر حسین کو صحت سے کیا بحث
وہ دیکھتے تھے کہ مولوی نذیر احمد کا نام بکتا ہے نہ کتاب۔ لینے والا آنکھ بند کر کے لے گا۔ گورے جا کہ جب پڑھے
گا غلطیوں کا خمیازہ خود بھگتے گا۔ غلطیوں سے کتاب کی قیمت میں ایک پائی کا فرق نہیں آتا۔ جب یہ کتاب
تعلیمی کورس کی ہے تو اس میں غلطیاں رہنا ایسا ہے جیسے مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعات میں قید کی جگہ پھانسی اور
پھانسی کے عوض سزائے قید لکھ دینا۔ غرض میں یہ تو ان آؤٹ گب میں دعوٰی نہیں کرتا کہ یہ چوتھا ایڈیشن بالکل غلطی
سے پاک صاف ہے مگر اتنا یہ ضرور ہے کہ تیسرے ایڈیشن سے پچھتر فی صدی غلطیاں تو اس میں ضرور کم ہیں اور میں
اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ غرض نذیر حسین کی چھپوائی ہوئی موعظہ حسنہ اور اس میں وہی فرق ہے جو ایک کرائے کے
لدو ٹٹو اور تازی اسپ راہوار میں ہوتا ہے۔ پھر اس طول طویل بحث میں میرا ذاتی مطلب رہا جاتا ہے وہ بھی ذرا سن
لیجیے مجھے اپنے باپ کی ساری کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ عزیز ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے دیکھنے
سے میرا سارا بچپنا میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ میں اپنے باپ کی اس بے قدری کا احساس بے قرار
واقعی طور پر کرتا ہوں جو انھیں میری تعلیم کے بارے میں تھی۔ اُن کا بس نہ چلتا تھا کہ علم کو گھول کر وہ میرے حلق میں اُتار
دیتے۔ چوں کہ میں اُن کا اکلوتا بیٹا تھا وہ میری آیندہ کی بہبودی کے لیے واجبی طور پر مضطرب تھے اور چاہتے تھے
کہ میری آیندہ کی زندگی کی طرف سے اُن کو کسی نہ کسی طرح کچھ تھوڑا بہت اطمینان ہو جائے۔ جہاں وہ ہر اعتبار سے خوش
نصیب تھے الحمد للہ اُن کی یہ خواہش بھی بہ احسن الوجوہ پوری ہوئی کہ وہ مجھے بھلا چنگا دیکھ گئے۔ گو میں ہونہار کہلانے
کا مستحق نہیں ہوں مگر اس زمانے میں یہ بھی بہت غنیمت سمجھتا ہوں اور اپنے پروردگار کے افضال کا شکر گزار ہوں
کہ ہزاروں سے بہتر ہوں اور اگرچہ میں اپنے باپ کا نام کو بڑھا نہ سکا ہوں تو میں نے اُن کی شہرت کو گھٹنے بھی نہیں
دیا نہ اُن کا نام کو بٹہ لگایا وَکَفیٰ بِہٖ فَخْرًا۔

معزز ناظرین! وہ شخص جو کبھی میاں بشیر یا خالی بشیر کے مختصر مگر پیارے نام

پکارا جاتا تھا نہ صرف بچپنے کی۔ بد عمل و عشق منزل طے کر چکا بلکہ جوانی دیوانی کی کٹھن منزل سے بھی اللہ تعالیٰ نے اُسے پار لگا دیا اور اب کئی کئی برسوں سے بڑھاپے کی گھاٹی میں مراحل زندگی طے کر رہا ہے اور بھاگم بھاگ ارذل العمر کی آخری منزل میں جھپٹا ہوا چلا جا رہا ہے یا یوں کہیئے کہ زمانہ کشاں کشاں لیئے چلا جا رہا ہے۔ خدا جانے کب یہ منزل طے ہو کر یہ خاکسار منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ دعا کیجئے کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔

جہازِ عمرِ رواں پر سوار بیٹھے ہیں　　　سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

بہر حال نہ میاں بشیر کہنے والے رہے نہ اب بشیر وہ بشیر ہی رہا کہ جس کی پیاری پیاری باتوں پر پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے تھے۔ اب بشیر تو ہے مگر بالکل ایک دوسرا بشیر ہے۔ مذاق اب بھی اُس کی باتوں پر اُڑایا جاتا ہے پہلا مذاق بچپنے کی باتوں پر تھا جب اُس کے منہ سے دودھ کی بو آتی تھی اب کا مذاق بڑھاپے کے سٹھیا جانے پر ہے۔ ہنسنے والے جب بھی ہنستے تھے اور اب بھی ہنستے ہیں مگر پہلے اور اب کی ہنسی میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اور اب معلوم ہوا کہ کسی نے سچ کہا ہے کہ بالا اور بوڑھا برابر۔ اب وہ بشیر بشیر ہی نہ رہا نہ اُس کی بیہودی کے لیئے کوئی بے قرار ہے نہ وہ محبت بھری نظر اور پیار ہی باقی وہ میاں بشیر جن کی باتوں پر باچھیں کھلی جاتی تھیں خود بڑے بوڑھوں میں اُن کا شمار ہے۔ کچھ تو عمر بھی ایسی ہی آگئی اور کچھ قبل از وقت ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے سے ہم ہی سب میں بڑے بن گئے۔ کبّرنی موتُ الکُبَراءِ۔

یہ کتاب نوعمر لڑکوں کے لیئے حصول علم۔ تہذیب اخلاق حسنہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ دو بیٹے مراسلت کے ذریعے جس طرح کا نشیب و فراز سمجھانا بہترین اسلوب سے ممکن ہے وہ اس میں ہے جو صاحب اپنی اولاد کے دلوں میں تحصیل علم کا شوق اور مذاق صحیح پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ یہ کتاب سمجھدار لڑکوں کے ہاتھ میں دیں کہ وہ خود پڑھیں سبقاً سبقاً پڑھانے سے وہ فائدہ مترتب نہ ہوگا جو اس کتاب کا مقصود اصلی ہے یہ کتاب ایسی استعداد کے لڑکے کو دینی چاہیئے جو اردو لکھنے پڑھنے پر اچھی طرح قادر ہو وہ اس کو ایک دفعہ نہیں بار بار مختلف اوقات فرصت میں پڑھے۔ سبق کی طرح نہیں کہ بار خاطر ہو بلکہ محض شوق سے تفریحاً کہ طبیعت پر بوجھ نہ ہو اور مطالب بخوبی ذہن نشین ہو جائیں اور اس کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرے اتنا میں بالوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ضرور ہے کہ مبتدیوں کو جو پڑھنے لکھنے کی طرف سے بد شوقی اور عدم توجہی ہوتی ہے۔ اور جی چراتے ہیں وہ ضرور حصول علم کی طرف جھک جائیں گے۔ جنرل نالج (واقفیت عامہ) بڑھنے کے سوا اُن کی اخلاقی حالت کی درستی ہوگی سو الگ۔ ممکن تھا میں اس کتاب میں اپنے والد کے اور کچھ خطوط جو میرے

پاس ہیں اضافہ کر دیتا مگر اول تو وہ وہ نہ ہوتے جن میں میں مخاطب صحیح تھا دوسرے یہ کہ وہ بلحاظ مضامین بھی تعلیم و تعلّم کے دائرے سے باہر تھے۔ اور ظاہر ہی کہ ایسے خطوں سے بچوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اس وجہ سے میں نے نفس کتاب میں سوائے اس کے کہ چند نوٹ توضیح مطلب کے لئے بڑھا دیئے ہیں اور کچھ اضافہ نہیں کیا۔ والسلام

دہلی۔ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ
مئی ۱۹۱۹ء

خاکسار
(میاں) بشیر

اعلان

بموجب کاپی رائیٹ ایکٹ سنہ ۱۹۱۴ء جملہ حقوق بحق بشیر الدین احمد محفوظ ہیں

(مولوی نذیر احمد صاحب بالقابہ کی تصانیف)

قرآن شریف مترجم کلاں ۲۲×۲۹ دو صفحہ مع فرہنگ الفاظ اردو خاشدہ کاغذ ولایتی کاغذ خانی جلد محصول ڈاک

قرآن شریف مترجم متوسط ؍ چو صفحہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؍ ؍ ۹؍

قرآن شریف مترجم ایک صفحے پر متن دوسرے پر ترجمہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

حمائل شریف مترجم - ترجمہ بین السطور مع فرہنگ الفاظ اردو ۱۶×۲۲ ۶؍

ادعیۃ القرآن قرآن شریف کی تمام دعائیں ۹؍ محصول ۲؍ ردّہ سورہ ۸؍ محصول ۲؍ الحقوق والفرائض -

ہر سہ حصص جس میں اسلام کے تمام مسائل ہیں - للعہ محصول ۹؍ اجتہاد جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی سچا مذہب ہے عہ محصول ۴؍ حیات النذیر مولوی نذیر احمد کی سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے محصول ۸؍ نظم بے نظیر مولوی نذیر احمد کی کل نظموں کا مجموعہ عہ محصول ۴؍ مراۃ العروس ۸؍ محصول ۳؍ بنات النعش ۸؍ محصول ۳؍ توبۃ النصوح ۸؍ محصول ۳؍ محصنات ۱۳؍ محصول ۳؍ رویائے صادقہ عہ محصول ۴؍ ابن الوقت عہ محصول ۴؍ ایامیٰ ۱۳؍ محصول ۳؍ منتخب الحکایات ۶؍ محصول ۱؍ چند پند ۶؍ محصول ۱؍ صرف صغیر محصول ۱؍ الناسخ ۹؍ محصول ۱؍ رسم الخط ۶؍ محصول ۱؍ ما یغنیک فی الصرف عربی گریمر ۱۲؍ محصول ۲؍ مبادی الحکمت علم منطق کا اردو رسالہ ۸؍ محصول ۲؍ مجموعۂ لیکچر دو جلد جس میں (۲۲) لیکچر ہیں ۸؍ محصول ۹؍ مطالب القرآن تفسیر کا پہلا حصہ ۱۲؍ محصول ۳؍

خاکسار کی تصانیف

واقعات مملکت بیجاپور تین حصص (۲۱) فوٹو - دکن کی تاریخ جس پر ہزار روپیہ انعام ملا ہے مجلد للعہ محصول ۱۲؍ اقبال دلہن ۸؍ محصول ۴؍ حسن معاشرت ۸؍ محصول ۱؍ اصلاح معیشت منظورہ ٹکسٹ بک کمیٹیان پنجاب و ممالک متحدہ ہر سہ کتب لڑکیوں اور مستورات کے لیے - اصلاح معیشت پر سرکار سے تین سو روپیہ انعام ملا ہے ۸؍ محصول حرز طفلاں لڑکوں کے لیے ۱۲؍ محصول ۲؍ نشاط عمر نوجوانوں کے لیے عہ محصول ۳؍ عصائے پیری ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لیے ۱۲؍ محصول ۲؍ نجھوبی سے دو دو باتیں لڑکیوں کے لیے یہ چاروں کتابیں بیش بہا نصائح اور اخلاقی تعلیم کی ہیں ۱۲؍ محصول ۲؍ عزم بالجزم استقامت ارادے پر چھوٹا سا رسالہ - ۴؍ محصول ۲؍

ملنے کا پتہ بشیر الدین احمد تعلقہ دار بشیر منزل کھاری باؤلی دہلی

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ

۱- [illegible]

۲- [illegible]

۳- [illegible]

۴- مدت مقررہ [illegible]

۵- [illegible]

۶- کتابوں پر کسی قسم کا نشان [illegible]

۷- قلمی نسخے [illegible] کی کتابیں [illegible]

جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط